ان من الشعر لحکمۃ و ان من البیان لسحرا

صنمخانۂ عشق

تصنیف لطیف استاذ الاساتذہ ملک الشعرا منشی امیر احمد امیر مینائی

لکھنوی استادِ نواب خلد آشیان والیِ ریاست رامپور

جسکو

منشی محمد عبد العزیز تاجر کتب محلہ سادھوواں لاہور

نے

پنجابی پریس لاہور میں باہتمام لالہ دیوا چند پروپرائٹر چھپوایا

...ں بارعایت ملنے کا پتہ منشی محمد عبدالعزیز تاجر کتب محمد کشمیری بازار سادھوؤں - لاہور

إن من الشعر لحكمة وإن من البيان لسحرا

صنمخانۂ عشق

سنہ ۱۳۴۰ ھ

تصنیف لطیف استاذ الاساتذہ ملک الشعرا مفتی منشی امیر احمد امیر مینائی لکھنوی رح

استاد نواب خلد آشیان والی ریاست رامپور

حسب فرمائش

منشی محمد عبدالعزیز صاحب تاجر کتب لاہور

سنہ ۱۳۴۰ ھ

پنجابی پریس لاہور میں

چھپا

صنمخانۂ عشق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ آفتاب ہے گرم اُسکی کبریائی کا
کہ ذرّہ ذرّہ ہے آئینہ خودنمائی کا

پکارتا ہے یہ انداز و ناز توبہ شکن
کہ آئے وہ جسے دعویٰ ہو پارسائی کا

زمانے بھر کے حسین کیوں نہ جان دیں اُس پر
چلن اُسی سے تو سیکھا ہے دلربائی کا

دکھا کے تیغ وہ نا آشنا یہ کہتا ہے
یہ گھاٹ ہے مرے دریائے آشنائی کا

دراز عمر ہو مشاطۂ تصور کی
مزہ وصال کا دیتا ہے غم جُدائی کا

فقیر اُسکی گلی کا ہوں میں عجب کیا ہے
جو تاج شاہ ہو کاسہ مری گدائی کا

پسند ہے اُسے چوکھٹ پر اپنی سجدۂ عجز
ستارہ اوج پہ ہے داغ جبہ سائی کا

یہ کسکی راہ میں کھوئے گئے کہ ہمسے خضر
طریق پوچھتے ہیں آ کے رہنمائی کا

حیا تو یہ کہ ہے ستر ہزار پردوں میں
مگر ہے شوق اُسے عالم آشنائی کا

سمجھ رہا ہے جسے حشر و نشر تو زاہد
کرشمہ وہ بھی ہے ایک اُسکی خوش ادائی کا

رسائی کچھ نہیں دشوار بام تک اُسکے
لگائیں زینہ جو افزائے نارسائی کا

چلیوں جو دیر کو میں توڑ کر بت پندار
تو غُل مُتبل میں ہو اللہ کی دُہائی کا

طریقِ عشق میں گم ہو کے پہنچے منزل پر / نیا یہ راستہ سوجھا ہمیں رسائی کا
رہِ طلب میں ادب ہی سے سرفرازی ہے / مزہ کلیمؑ سے پوچھو برہنہ پائی کا
خدا خدا جو کرے اور خودی کا دم بھی بھرے / بڑا فریبی ہے جھوٹا ہے وہ خدائی کا
جو بندہ ہے تو مزہ بندگی میں پیدا کر / نہیں وہ بندہ جسے ذوق ہو رہائی کا

بشر سے حمدِ الٰہی امیرؔ کیا ممکن
پہاڑ اُٹھائے کہاں حوصلہ یہ رائی کا

سکّہ رائج جب سے دینِ مصطفےٰ کا ہو گیا / غلغلہ ساری خدائی میں خدا کا ہو گیا
جب سے دل دیوانہ محبوبِ خدا کا ہو گیا / مصطفےٰ اُسکے ہوئے وہ مصطفےٰ کا ہو گیا
حشر میں نیچے لوائے حمد کے پائی جگہ / ظلِّ رحمت سایہ اُس زلفِ رسا کا ہو گیا
چارہ سازی درحقیقت کی تو نامِ پاک نے / نام اطبا کا ہوا شہرہ دوا کا ہو گیا
اوّلِ بعثت میں ختم الانبیا پایا لقب / رتبہ حاصل ابتدا میں انتہا کا ہو گیا
جب پئے گلگشت باغوں میں بہنے کے چلی / پھولوں کی ڈالی وہیں دامن صبا کا ہو گیا
یادِ لب میں ہجر نے دی وصل کی لذّت مجھے / زہرِ قاتل میں اثر آبِ بقا کا ہو گیا
موم پتّھر کو یہ اُس فخرِ سلیمانؑ نے کیا / حلقۂ خاتم نگینِ نقشِ پا کا ہو گیا
شربتِ دیدار نے اچھی دوا دی وقتِ نزع / خوب بیڑا پار اِس دردآشنا کا ہو گیا
طوقِ دینِ مصطفےٰ کا جس کی گردن میں پڑا / قید سے آزاد وہ بندہ خدا کا ہو گیا
جزوِ ایمان کہہ کے کیا رتبہ بڑھایا آپ نے / چشمِ حورانِ جناں میں گھر حیا کا ہو گیا
چار بالش پر حکومت کی کیا جس دن جلوس / حاکم آب و آتش و خاک و ہوا کا ہو گیا
چودھویں کا چاند دکھلا کر یہ کہتا ہے فلک / لو شبیہہ پاک کا تیار خاکا ہو گیا
رحمتِ حق کیوں نہ ہو نازل محب پر آپ کے / آشنا ہے آشنا جو آشنا کا ہو گیا
روح نے جلوہ جو دیکھا آپ کا قندیلِ عرش / آشیانہ اُس گرفتارِ بلا کا ہو گیا

خاتمہ جب ہو گیا بالخیر تو سمجھا یہ میں
ختم مجھ پر لطف ختم الانبیا کا ہو گیا

التجا پر اُمتِ عاصی کی جب آمین کہی
بول بالا ان غریبوں کی دعا کا ہو گیا

دونوں رخساروں کی مدحت میں ہوا موزوں جو شعر
ترجمہ شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ کا ہو گیا

نعت میں ہم نے جو لکھا ایک پرچہ بھی امیر
مل گئی دولت وہ نسخہ کیمیا کا ہو گیا

حسن مطلق کا ازل کے دن سے میں دیوانہ تھا
لامکاں کہتے ہیں جس کو وہ مرا کاشانہ تھا

دل کا حاکم جان کا مالک غمِ جانانہ تھا
میہماں جس کو میں سمجھا تھا وہ صاحب خانہ تھا

بے تعلق کیا ہمیں اُس کے تصور نے کیا
جب جھکایا سر گریباں اپنا خلوت خانہ تھا

باغ عالم کا تماشا باعث غفلت ہوا
دیکھنا آنکھوں کا کانوں کیلیے افسانہ تھا

شکرِ صد نشتر اُس جبین کے نور سے روشن ہے دل
شمع رُخ پر جسکے جبریلؑ امین پروانہ تھا

اس قدر اُس کے تصور نے ستایا ہے مجھے
شبہ ہوتا ہے کہ ہستی میں کبھی تھا یا نہ تھا

کیا ہوا انکار اگر اصرارِ موسیٰؑ پر ہوا
یہ کمالِ شوق تھا وہ نازِ معشوقانہ تھا

گل سراپا گوش بنتے کیوں نہ سننے کو لیے
چہچہے بلبل کے گلشن میں ترا افسانہ تھا

دار پر چڑھ کر انا الحق جو کہا منصور نے
وہ بھی اک تیرا کرشمہ ہمت مردانہ تھا

ہم غلط فہمی سے سمجھے قتل کرنے کو عتاب
اور وہاں اک چھیڑ تھی اک نازِ معشوقانہ تھا

سُن لیے دو حرف جسنے ہو گیا مستِ عشق
چشمِ افسوں ساز کا افسوں مرا افسانہ تھا

عزا کی مجلس میں بھی آئے تو یوں مستانِ عشق
مے کی بوتل تھی بغل میں ہاتھ میں پیمانہ تھا

جھانکتے طفلی وحشیوں کے دیکھنے سے شہر میں
جا کے جنگل میں بسا مجنوں بڑا دیوانہ تھا

وصل ہوتا کس طرح خلوت کہاں تھی رات کو
پھول تھی نرگس کے رکھتے شمع تھی پروانہ تھا

مزرعِ عالم میں مجھ سا سوختہ قسمت کہاں
جل گیا قسمت کا میری کھیت میں جو دانہ تھا

دیر کی تحقیر کرنا تھی نہ اے شیخِ حرم
آج کعبہ بن گیا کل تک یہی بت خانہ تھا

آزما دیکھا اُسے سو بار ہم نے اے امیر
آشنا سے آشنا بیگانے سے بیگانہ تھا

میں پڑا اتنا مست ہوں جنت مرا کاشانہ تھا
حوضِ ساقی چشمۂ کوثر مرا پیمانہ تھا

موسمِ گل میں چمن کیسا پری میخانہ تھا
پھول جو تھا وہ کسی محبوب کا پیمانہ تھا

پھول بھی تھے پھل بھی تھے اُس سرزمین کیا تھا
آج ہے ویران کبھی آباد ہر ویرانہ تھا

ہائے کیا دن تھے کہ دورِ بادۂ پیمانہ تھا
بادشاہوں کا جلو خانہ درِ میخانہ تھا

دی گئی منصور کو سولی ادب کے ترک پر
تھا انا الحق حق مگر اک حرفِ گستاخانہ تھا

میں تڑپ کر کیوں لگاتا نازبرداری میں داغ
ترک کے خنجر پھیرنا تو نازِ معشوقانہ تھا

پھول جس گھر میں چنے جاتے تھے اب ہوتے ہیں پھول
آج وہ ماتم سرا ہے کل جو عشرت خانہ تھا

یار اُدھر بدمست میں بیخود تکلف برطرف
ایسی صحبت میں جو آتا ہوش کیا دیوانہ تھا

ہند سے جھونکے چلے آتے تھے کیوں ہنگامِ ذبح
تیغِ قاتل کی زبان پر کون سا افسانہ تھا

حُسنِ خطِ سبز نے کیسا مجھے دھوکا دیا
میں نہ سمجھا کچھ یہ سبزہ سبزۂ بیگانہ تھا

آج جس دل کا کوئی گاہک نہیں کل تک یہی
حُور کا آئینہ تھا زلفِ پری کا شانہ تھا

بیٹھے بیٹھے حکم دے بیٹھے وہ قتلِ عام کا
جب کہا یہ کیا تو بولے نازِ معشوقانہ تھا

کہتے ہیں فرہاد و شیریں کا سنا کل ہم نے حال
خاک پتھر تھا مزہ پھیکا سا اک افسانہ تھا

گور میں آکر ہوا کوئی نہ غربت میں شریک
جو یگانہ تھا جھپکتے ہی پلک بیگانہ تھا

پوچھتا پھرتا ہے غم اُس کا مرے سینے میں اب
کیا ہوا وہ جو یہاں دل نام اک ویرانہ تھا

حال میرا سُن کے وہ بولے کہ جی دُکھنے لگا
ہائے کس کمبخت کا کس درد کا افسانہ تھا

تڑپنے ہی میں شمعیں تیری محفل کی رہیں
گو پروں سے پنکھیا جھلتا ہر اک پروانہ تھا

واں نگاہیں تیز تیز اور یاں کھنچیں ہیں درد خیز
وصل کی شب اُس طرف افسوں اِدھر افسانہ تھا

جامِ جم کو دیکھتے ہی میں نے پہچانا امیر

میرے ہی میخانے کا چھوٹا سا اک پیمانہ تھا

آنکھوں میں نور تیرا دل میں سرور تیرا
دروازے سے ہے گھر تک سارا ظہور تیرا

جنّت میں بھی ہے چرچا اے رشکِ حور تیرا
شہرہ ہے اللہ اللہ اب دور دور تیرا

تو مہر ہے تیرے آگے سب قطرہائے شبنم
اِن کا کہاں ٹھکانا جب ہو ظہور تیرا

اے چشمِ شوق وہ تو ہر رنگ میں ہے ظاہر
اب بھی جو تو نہ دیکھے تو ہے قصور تیرا

میں آئنہ ہوں تیرا تو آئنہ ہے میرا
تجھ میں ظہور میرا مجھ میں ظہور تیرا

مدہوشِ عشق ہو کر جا بزمِ معرفت میں
پردہ نہ بیچ میں ہو غافل شعور تیرا

ہے بیخودی ہی جس سے ہوتا ہے قرب حاصل
غائب جو آپ سے ہو پائے حضور تیرا

خورشید و ماہ سب میں جلوے تیرے ہیں لیکن
ایسی کہاں ہیں آنکھیں دیکھیں جو نور تیرا

اے دل جو اُسکے غم کو تجھ میں جگہ ملی ہے
رکھّا ہے نام ہم نے دار السرور تیرا

نادان امیر ناحق اُمید وار ہے تو
دل لیکے پھیر دے گا وہ اب ضرور تیرا

نہ شوقِ وصل کا موقع نہ ذوقِ آشنائی کا
میں اک ناچیز بندہ اور اُسے دعویٰ خدائیکا

پڑا صد شکر جو داغ اپنے سینے میں جدائی کا
ستارا بن گیا آخر وہ صبحِ آشنائیکا

درازی دھیان میں آتی ہے کب روزِ قیامت کی
کہ اک پیوند ہے پیراہنِ روزِ جدائیکا

بنے جو موج اپنے بحرِ خوں میں حلقہ اے قاتل
الٰہی ہو وہ چھلّا تیری انگشتِ حنائیکا

تو یارِ وصل عاشق کے لیئے ہے صدمۂ فرقت
اُبھرنا بیٹھ جاتا ہے محیطِ آشنائیکا

جلاتا کیوں ہے اے دل مجھکو شوقِ وصل بھڑکا کر
ارے اِس آگ سے تو پھونک دینے پردہ جدائیکا

الٰہی کون سے مجرم کی آمد ہے قیامت میں
ہُوا ہے حکم رحمت کو یہ کس کی پیشوائیکا

ہدفِ دل کو بناتے ہیں جو کچھ کہیے تو کہتے ہیں
سکھاتے ہیں چلن تیروں کو اپنے دلربائیکا

پہنچکر یار تک بیخود ہوئے پہنچے نہ مطلب کو
رسائی نے دیا کیا داغ ہمکو نارسائیکا

قدم تیرا جہاں پڑتا ہے بو مہندی کی آتی ہے
ترے نقش قدم میں رنگ ہے پائے حنائیکا

شب وصلت نزاکت اُنکی شوقِ وصل سے بولی
ترس کھا مجھ پہ ظالم وقت ہے بیدستُ پائیکا

وفا منظور اسکو بھی نہیں ہے اُسکی فرقت میں
سبق پڑھنے چلی ہے عمر اُس سے بیوفائیکا

تمھیں تم آئینہ خانے میں ہو چار و طرف دیکھو
کہو جی اب بھی کچھ ارمان نکلا خود نمائیکا

لپٹ کر سینکڑوں کالی بلائیں مجھ سے لیتی ہیں
انہیں باتوں سے منہ کالا ہی شبہائے جدائیکا

سر اُسکے پاؤں پر کھیتے بنائے ہیں یہ بُت جسنے
مزہ ہے خاک پتھر پائے بت پر جبہ سائیکا

بہت ہی بھر گیا ہے عمر کا پیمانہ اب چھپا کا
چراغ اک جھلملاتا ساہے بزم آشنائیکا

قفس میں ہوں مگر سارا چمن آنکھوں کے آگے ہے
رہائی کے برابر اب تصوّر ہے رہائیکا

نہیں ممکن ہے سونا ہجر میں نیند آ نہیں سکتی
طلا یہ پھر رہا ہے آنکھ میں طوق طلائیکا

امیرِ خستہ جان آفت میں ہے یا حیدرِ صفدر
کرو للہ امداد اسکی وقت ہے مشکلکشائی کا

ترے بندو نسے کرتے ہیں جو بت دعوئے خدائیکا
تماشا دیکھتا ہوں تیری شانِ کبریائیکا

دکھایا میرے جلوہ جو اُن کو خود نمائیکا
تو بولے چور ہے تو بھی مرے رنگِ طلائیکا

لچکتی ہے جو شاخ گل میں اس غیرت سے مرتا ہوں
کہاں دیکھا لچکنا اسنے اُس نازک کلائیکا

نئی وضع اُسنے مقتل میں دکھائی نیمجانوں کو
لگایا بانکپن پر اور طرہ کج ادائیکا

نیا افسانہ کہہ واعظ تو شاید گرم ہو مجلس
قیامت تو پرانا حال ہے روزِ جدائیکا

نہ پہنچے ہائے بے بال و پری سے شاخِ گل تک بھی
چمن سے لیچلے ہم پھول داغِ نارسائیکا

خدا کی شان ہے ترسا کریں ہم دیکھنے والے
مزہ آئینہ لوٹے یار تیری خود نمائیکا

رُلایا حسرتِ پابوس میں مجھکو لہو برسوں
تصور رنگ لایا کیا ترے پائے حنائیکا

نزاکت دیکھنا رنگِ حنا سے وہ یہ کہتا ہے
کہ مجھ پر خون ہے ظالم مری نازک کلائیکا

کہا جب وصل میں میں نے کہ آنکھوں سے لگا لیں آنکھیں
تو بولے ہاں ابھی ارمان باقی ہے لڑائیکا

کیا رسوائے عالم چھپ کے پردے میں مجھے تو نے
تری عصمت کے سر پر خون میری پارسائی کا

کہیں کالا تو اخورشید محشر بھی نہ ہو جائے
بہا ہے پھیل کر کاجل مری شام جدائی کا

اُسے دیکھا جو آتے نزع میں اُمید بول اُٹھی
کہ دیکھو روکنے والا وہ آیا میری آئی کا

ہزار آئینے آئیں روبرو آنکھیں نہ کھولیں ہم
پسند آتا نہیں ہم کو یہ شیوہ خود نمائی کا

کف ہمت ہے مثل مہر دل ہے بادشاہ اپنا
ہلال آسمانہ ناخن نہیں کاسہ گدائی کا

یہ کودک طبع کیا جانیں کہ میں جو معلم ہوں
پڑا ہے چہرۂ نیکی پہ پردہ بد نمائی کا

سیہ بختی نے پہنچایا ہے مجھ کو اہل بینش تک
گزر آنکھوں میں سرمے کی بدولت ہے سیاہی کا

ہوا ظاہر یہ ہندو کی جبیں پر دیکھ کر ٹیکا
کہ ہے کافر کو بھی داغ اُسکے در کی جبہ سائی کا

امیر اک بات بھی واعظ نہیں کہتا خدا لگتی
خدا جانے بکا کرتا ہے کیا جھوٹا خدائی کا

لئے ہے آفتاب حشر بھی کاسہ گدائی کا
ستارہ خوب ہی چمکا ترے رنگ طلائی کا

یہ شکوہ بیوفائی کا یہ رونا کج ادائی کا
مزا ہے دل لگانے کی مزہ ہے آشنائی کا

برا ہو ہائے اس عمر رواں کی بیوفائی کا
نہ آئیں وصل کی راتیں نہ دن ہمنے جدائی کا

خدا نے ان بتوں کو کچھ نئی طینت عنایت کی
خمیر اُنکا بنا ہے کھچ کے جوہر بیوفائی کا

کتر وا کر اُسی کے تاج بنوائے سلاطیں نے
کوئی ٹکڑا جو ہاتھ آیا مرے دلق گدائی کا

ہوا تیغ ادا سے دل دو نیم اپنا تو سمجھے ہم
دو ورقہ ہاتھ آیا یہ کتاب آشنائی کا

کرے کوئی جہاں میں مجھ سے بڑھ کر بندگی تیری
تعجب کیا ہے اے بت کارخانہ ہے خدائی کا

بجز بیجا ہیچ کرے جنس کی بازار ہستی میں
فریب ان جو فروشوں سے نہ کھا گندم نمائی کا

پھنسا کر حلقۂ گیسو میں میرے دل کو کہتے ہیں
اسی زندان میں رہنا ہے گنہگار آشنائی کا

دیا یہ مانگے بوسہ میں نے پھر مانگا تو وہ بولے
نہیں چھٹتا ہے پڑجاتا ہے جب چسکا گدائی کا

اکیلا ہم کو تکیے میں سلا کر چل دیے یارو
بڑا ہم کو بھروسا تھا تمہاری آشنائی کا

ترقی پر کسی کی شوخیاں ہیں خیر ہو یا رب
حیا کی جان کا دشمن ہے پکا خود نمائی کا

حیا کو چھیڑتی ہیں شوخیاں چلاتی ہے عصمت
کہ اب اٹھتا ہے اب اٹھتا ہے پردہ پارسائی کا

عروسِ مرگ آئی مجھ سے ہم آغوش ہونے کو
ہوا مشاطگی پیشہ مری شامِ جدائی کا

پڑی ہیں حسرتیں مُردہ جلا دے انکو اے عیسیٰ
ذرا ہم بھی تو دیکھیں کھیل قدرت آزمائی کا

بہار آتی ہے اب عصمت کا پردہ فاش ہوتا ہے
جنوں کا ہاتھ ہے آج اور دامن پارسائی کا

گرے سجدہ میں جب چوکھٹ پر اُسکی چوم لی چوکھٹ
بڑھایا لیکے بوسے ہم نے رتبہ جبہ سائی کا

مجھے اے سیم تن ضعف سے چکر نہیں آتا
نگاہیں طوف کرتی ہیں ترے طوق طلائی کا

یہ کس بیدرد نے دستِ نگاریں خواب میں چوما
کہ فریادی ہے اب تک نیل اُس نازک کلائی کا

امیر اس خرقہ و عمامہ کو تم رہنِ مے کر دو
ابھی تم پر نہیں پھبتا ہے جامہ پارسائی کا

ان شوخ حسینوں پہ جو مائل نہیں ہوتا
کچھ اور بلا ہوتی ہے وہ دل نہیں ہوتا

کچھ وصل کے وعدے سے بھی حاصل نہیں ہوتا
خوش اب تو خوشی سے بھی مرا دل نہیں ہوتا

گردن تنِ بسمل سے جدا ہو گئی کب کی
گردن سے جدا خنجرِ قاتل نہیں ہوتا

دنیا میں پری زاد دیے خُلد میں حوریں
بندوں سے وہ اپنے کبھی غافل نہیں ہوتا

بسمل تو ہوئے سیکڑوں ہی سرد تڑپ کر
ٹھنڈا مرے قاتل کا مگر دل نہیں ہوتا

دھبا نہیں دیتا ہے لہو حسرتِ دل کا
اس خُون سے تر دامنِ قاتل نہیں ہوتا

دل مجھ سے لیا ہے تو ذرا بولیے ہنسیے
چٹکی میں مسلنے کے لیے دل نہیں ہوتا

دیوانہ ہے دنیا میں جو دیوانہ نہیں ہے
عاقل وہی ہوتا ہے جو عاقل نہیں ہوتا

کہتے ہیں ہم آئینہ میں حسن اپنا نہ دیکھیں
اچھی کہی معشوقوں کے کیا دل نہیں ہوتا

تم کو تو میں کہتا نہیں کچھ حضرتِ ناصح
پر جس کو ہو تنگ ایسی وہ عاقل نہیں ہوتا

پہلو میں مرے نہیں غیر کے بیچین ہی کر دے
اتنا بھی تو تجھ سے تپشِ دل نہیں ہوتا

ترک گستاخیوں نے وہ مزا مجھ کو دیا ہے
عاشق کے بہل جانے کو اتنا بھی ہے کافی
کہتے ہیں دم ذبح وہ رک رک کوئی پوچھے
فریاد کروں دل کے ستانے کی اسی سے
اٹھنے کو کہے کوئی تو بنجاتی ہے جی پر
فریاد بھی کرتا ہوں تو اللہ سے اپنے
انداز کسی کان کی بجلی کا اڑا لے
مرنے کی بتوں پر یہ ہوئی مشق کہ مرنا
دلداریوں کو آئیں حسین چار طرف سے
جس بزم میں ٹک رخ سے اٹھا دیتے ہیں پردہ
کہتے ہیں کہ دل دیکھے تڑپتے ہیں جو عاشق

اب منہ بھی کبھی جانب منزل نہیں ہوتا
غم دل کا تو ہوتا ہے اگر دل نہیں ہوتا
اس ناز سے ناراض تو بسمل نہیں ہوتا
راضی مگر اس پر بھی میرا دل نہیں ہوتا
اس بزم میں جانا مجھے مشکل نہیں ہوتا
اس در کے سوا میں کہیں سائل نہیں ہوتا
یہ حسن تڑپ میں تری لے دل نہیں ہوتا
سب کہتے ہیں مشکل مجھے مشکل نہیں ہوتا
پہائے ستم ایک طرف دل نہیں ہوتا
پروانہ وہاں شمع پہ مائل نہیں ہوتا
ہوتا ہے کہاں درد اگر دل نہیں ہوتا

یہ شعر وہ فن ہے کہ امیر اس کو جو برتو
حاصل یہی ہوتا ہے کہ حاصل نہیں ہوتا

خضر رہ مقصود اگر دل نہیں ہوتا
برسوں سے تڑپتا ہوں میں بسمل نہیں ہوتا
جھٹکے دیئے سو بار کے کوڑے بھی لگائے
زخموں کی ہنسی پر بھی نہیں آتی ہے غیرت
آتا ہے جو کچھ منہ میں وہ کہہ جاتا ہے واعظ
کیا سحر ہے اس بت کی نظر میں بھی الٰہی
رک رک کے تو خود پھیرتے ہیں حلق پہ خنجر
آئینہ کو بھی روک دیا ہے کہ نہ آئے

منزل کا پتہ سینکڑوں منزل نہیں ہوتا
اتنا سا مرا کام بھی قاتل نہیں ہوتا
گیسو سے کسی طرح جدا دل نہیں ہوتا
پورا کوئی وار اے مرے قاتل نہیں ہوتا
اور اس پہ یہ طرہ ہے کہ قائل نہیں ہوتا
جب تک وہ ادھر آئے یہاں دل نہیں ہوتا
اور مجھ سے شکایت ہے کہ بسمل نہیں ہوتا
اب آپ بھی وہ اپنے مقابل نہیں ہوتا

راحت کا نکلتا نہیں اُس کی کوئی پہلو
مایوس کبھی کمبخت مرا دل نہیں ہوتا

اُڑتا بھی ہوا سے ہے تو اُڑتا ہے اُدھر ہی
لیلیٰ سے الگ پردۂ محمل نہیں ہوتا

دریائے محبت سے جو پار اُتریں وہ جانیں
ہوتا ہے خدا جانے کہ ساحل نہیں ہوتا

تیر اُس نے لگایا وہ پڑا آکے جگر پر
بچپن ہے وہ کیا جانئے اودھر دل نہیں ہوتا

جو لطف ہے آزارِ محبت میں وہ مجھ کو
عیسیٰ بھی کرے پیار تو حاصل نہیں ہوتا

بولے یہ خضرؑ پار اُترنے کو جو پوچھا
دریائے محبت کا تو ساحل نہیں ہوتا

وہ ہم ہیں کہ زندہ ہیں اور اس کوچے میں پہنچے
بے موت کوئی خلد میں داخل نہیں ہوتا

جب دردِ محبت میں یہ لذت ہے تو یا رب
ہر عضو میں ہر جوڑ میں کیوں دل نہیں ہوتا

شرم اُسکی مجھے مانعِ دیدار نہیں ہے
نازک سا یہ پردہ ہے کہ حائل نہیں ہوتا

ناٹے بھی ہے گل خون میں ڈوبا بھی ہے لیکن
اب بھی دلِ عاشق کے مقابل نہیں ہوتا

حسرت سے اِدھر اور اُدھر دیکھ رہا ہے
بھوکا ترے دیدار کا سائل نہیں ہوتا

تم اور کوئی کام امیرؔ اس کو سکھاؤ
تڑپا ہے تڑپنے کے لیے دل نہیں ہوتا

غم نہیں جی تن سے نکلا دل گیا
مل گئے تم مجھ کو سب کچھ مل گیا

بولے وہ سینے پہ میرے رکھکے ہاتھ
کیجیے آب تو اضطرابِ دل گیا

اے نگاہِ یاس تیرا ہو بُرا
گھر تلک روتا ہوا قاتل گیا

تیغِ قاتل ہے اسے بادِ بہار
جب چلی وہ غنچۂ دل کھل گیا

کوچۂ گیسو نہ ہاتھ آیا مجھے
کالے کوسوں سیکڑوں منزل گیا

مٹ گیا کاجل کا تل اصلاح میں
مصحفِ عارض کا نقطہ چھل گیا

آ بنی دم پر جہاں بگڑے حضور
لب ہلائے آپ نے دل ہل گیا

مرحلے طے کنجِ عزلت میں کیے
بیٹھے بیٹھے سیکڑوں منزل گیا

برہمن کو بت مجھے تو اسے صنم
جسنے جو مانگا خدا سے مل گیا

جمع ہیں سینے میں پیکان تیر کے
سیکڑوں دل ہیں اگر اک دل گیا

حل میرے مشکلکشا نے کی امیر
لیکے کیسی ہی کوئی مشکل گیا

داغ غم روز ازل ہی مل گیا
تن میں جان آنے سے پہلے دل گیا

کوچۂ قاتل میں اپنا دل گیا
خاک میں ملنے کا رستہ مل گیا

خواب میں آنکھیں جو تلووں سے ملیں
بولے اُف اُف پاؤں میرا چھل گیا

اُٹھ کے جا بیٹھا جو اُن کے پاس میں
بولے کچھ مل بیٹھنے سے رل گیا

مسکرانے میں کھلا کیا وہ دہن
غنچۂ تصویر گویا کھل گیا

ہڈیوں کی چاٹ پاتے ہی ہما
کیا سگِ محبوب سے ہل مل گیا

آئی جب صحرا میں خوش چشمونکی یاد
سامنے نرگس کا تختہ کھل گیا

پھونک دیتی کیوں نہ پروانے کو شمع
پیار کرنے کو سرِ محفل گیا

مانگنے پر بوسے کے کاٹی زبان
اب دعا دینے سے بھی سائل گیا

اُس کا رُخ پھرتے ہی آنکھیں پھیر دیں
لو اُدھر قاتل ادھر بسمل گیا

کیا ملا مجھ کو ملا کر خاک میں
ہاں لقب عاشق کُشی کا مل گیا

وائے قسمت غافل آیا میں امیر
عُمر بھر غافل رہا غافل گیا

دامنوں کا ہے پتہ نہ گریبانوں کا
حشر کہتے ہیں جسے شہر ہے عریانوں کا

گھر ہے اللہ کا گھر بے سرو سامانوں کا
پاسبانوں کا یہاں کام نہ دربانوں کا

خاطرِ رنج و غم و درد سے فرصت ہی نہیں
میزبان ہو کے ہوا ہیں انہیں مہمانوں کا

کب کسی اور کی جم سکتی ہے اس پر پڑی
توسنِ ناز ہے خوگردہ تری رانوں کا

گورِ کسریٰ و فریدوں پہ جو پہنچوں پوچھوں — تم یہاں سوتے ہو کیا حال ہے ایوانوں کا
اُنکے حکموں کی ہو تعمیل کہاں تک مجھ سے — ڈھیر سقّوں کا ہے انبار ہے پروانوں کا
کون گل چہرۂ رنگین کا نہیں واللہ — باغ غنچہ ہے ترے چاک گریبانوں کا
قحطِ روزی یہ جہان میں ہے کہ کہتے ہیں ہنود — رمضان خوب مہینا ہے مسلمانوں کا
کیا لکھیں یار کو نامہ کہ نقاہت سے یہاں — فاصلہ خامۂ و کاغذ میں ہے میدانوں کا
دل یہ سمجھا جو ترے بالوں کا جوڑا دیکھا — ہے شکنجے میں یہ مجموعہ پریشانوں کا
مانعِ بادہ کشی مجھ کو ہیں ناحق واعظ — خرچ کیا ہوتا ہے ان خلق کے دربانوں کا
سبزہ خط نے گھٹا دی ترے عارض کی بہار — تھا جو لالے کا چمن کھیت ہوا اب دہانوں کا
حشر میں قفل بھی رضوان نے نہ کھولا تھا ابھی — جا پڑا خلد میں ڈاکا مرے ارمانوں کا
موجیں دریا میں جو اٹھتی ہوئی دیکھیں سمجھا — یہ بھی مجمع ہے ترے چاک گریبانوں کا
سُننے والوں کے نہ کسطرح پھنسیں طائرِ دل — دام صیاد کا پھندا ہے تری تانوں کا
عرصۂ ہستی و طولِ شبِ گور و محشر — بُعد ہے بندہ و رب میں ابھی میدانوں کا
تیر پر تیر لگاتا ہے کماندارِ فلک — خانۂ دل میں ہجوم آج ہے مہمانوں کا
درِ جانان سے نکل کر میں پھنسا زنداں میں — گرد حلقہ پے انعام ہے دربانوں کا
عشقِ رخسار میں اقبالِ سکندر پایا — آئنہ دست نگر ہے ترے حیرانوں کا
لال مو باف صنم گیسوئے شبگوں میں نہ ڈال — خُون ہو جائیگا دُو چار مسلمانوں کا
توڑ کر بال و پر اُسکے جو بنایا ہے چنور — ہے ہوا خواہ ہما تیرے مگس رانوں کا
بسملوں کی دمِ رخصت ہے مدارات ضرور — پار بیڑا تیری تلوار میں ہو پانوں کا
آنکھ قاتل کی نہ کیونکر مرے زخموں پہ ہو تر — زُہرہ پانی ہوا جاتا ہے نمکدانوں کا
آدمی غیروں کے اغوا نے نہ رکھا اُن کو — کھیل سارا ہے بگاڑا انہیں شیطانوں کا
بیخودی آٹھ پہر گم یہ مجھے رکھتی ہے — دن کو شب رات کو ہوں خواب نگہبانوں کا

میرے اعضا نے پھنسایا ہے مجھے عصیاں میں | شکوہ آنکھوں کا کروں یا میں گلہ کانوں کا

قدرداں چاہیے دیوان ہمارا ہے امیر
منتخب مصحفی و میر کے دیوانوں کا

تابعِ دیں کبھی دولت پہ نہ شیدا ہوگا | پیروِ شیرِ خدا کیا سگِ دنیا ہوگا
یہی کاہش ہے تو کیسا تنِ لاغر کا پتا | آج ہے موئے کمر کل پہ عنقا ہوگا
سفرِ فنا کے لیے ہے ترکِ تعلق لازم | خوب پہنچے گا وہ تنہا کو جو تنہا ہوگا
مرگ کے بعد ہے بیدار دلوں کو آرام | نیند بھر کر وہی سوئے گا جو جاگا ہوگا
ٹکڑے ٹکڑے نہیں بے وجہ مرا دل ساقی | کوئی شیشہ کبھی میخانے میں ٹوٹا ہوگا
ہے اندیشۂ پیری میں جوانی کاٹی | رات بھر خوف رہا صبح کو اب کیا ہوگا
دل کو آغازِ محبت میں نہ سمجھو تھوڑا | بڑھتے بڑھتے یہی قطرہ کبھی دریا ہوگا
بے وفائی سے تمہاری یہی ہر دم ہے خیال | تم جو اپنے نہ ہوئے کون کسی کا ہوگا
یہ نہ ہوگا کہ جگہ دوست کی خالی دیکھوں | دل بھر آئے گا تجھی سے جو بیٹھا ہوگا
شہر کو چھوڑ کے کیوں دشت میں وحشی جائیں | خاک اڑاتے جدھر آ جائیں گے صحرا ہوگا
کیا ہوا لاش پہ میری جو وہ ہنستا آیا | چھپ کے اغیار سے تنہائی میں رویا ہوگا

عشقِ مژگاں میں کہاں صورتِ آرام امیر
نیند اڑ جائیگی بستر پہ جو کانٹا ہوگا

کی جو کچھ عشق نے تاثیر تماشا ہوگا | تیری صورت پہ مری شکل کا دھوکا ہوگا
یہی ساقی کی کدورت ہے جو میرے دل سے | جاتے دُرد سے لبریز پیا ہوگا
جان دے قتل مجھے کر کے نہ غم کر قاتل | تھا جو ہونا وہ ہوا رونے سے اب کیا ہوگا
تو ہی مجھ گم شدہ سے چھٹ کے ہوگا نالاں | اے جرس قافلے کا تا قافلہ روتا ہوگا
قیس لیلیٰ کے تصور میں ہے لیلیٰ کیسی | اپنے ہی دل کا سویدا کبھی دیکھا ہوگا

بے سبب زلزلہ عالم میں نہیں آتا ہے / کوئی بیتاب تہِ خاک تڑپتا ہوگا

ہجرِ ساقی میں ہے دل چور کروں کیا گلگشت / سبزہ زیرِ کفِ پا ریزۂ مینا ہوگا

دیکھ لے درد جدا ہو نہ دلِ محزوں سے / اور اُلجھے گا یہ بیمار جو تنہا ہوگا

جوشِ سودا کے گھٹانے کی نہ کر فکر اے قیس / بڑھ کے آخر کو بھی طرۂ لیلیٰ ہوگا

وہ جہاں اوج پہ آیا یہ چمک اُٹھتے ہیں / پھر قلندروں کے مقدر کا ستارا ہوگا

گنجِ قاروں بھی ملا مجھ کو جو اے حرص تو کیا / عمر مفلس کی طرح صرفِ تمنا ہوگا

عشق اُسکے لبِ شیریں بہ ہوس میں رکھتا ہوں امیر
درد بھی ہوگا مرے دل میں تو میٹھا ہوگا

سرد آہیں جب کسی نے کھینچیں وطن یاد آگیا / چار جھونکے جب چلے ٹھنڈے چمن یاد آگیا

جس جگہ دو گز زمیں پائی کھدی سمجھا میں گور / جب نئی دو چادریں دیکھیں کفن یاد آگیا

تن سے باہر آکے دھیان آیا عدم کا رُوح کو / قید سے چھوٹ کر مسافر کو وطن یاد آگیا

نزع میں سنگین دلی کا حال شیریں پر کھلا / موت کی سختی اُٹھائی کوہکن یاد آگیا

گھر میں بھی ہم نہ بھولے صحبتِ احباب کو / گوشۂ خلوت میں لطفِ انجمن یاد آگیا

کھینچ کر چادر جو پھر تربت پہ میری ڈال دی / سچ بتا کیا تجھ کو اے دزدِ کفن یاد آگیا

جامۂ صد پارۂ گل جب نظر آیا مجھے / سو جگہ سے چاک اپنا پیرہن یاد آگیا

رہ گیا اپنے گلے میں ڈال کر باہیں غریب / عید کے دن جس کو غربت میں وطن یاد آگیا

شاعروں میں تھی سخن سازی بہت پیاری امیر
رہ گئے مُنہ کھول کر جب وہ دہن یاد آگیا

روبرو آئینے کے تو جو مری جان ہوگا / آئینہ ایک طرف عکس بھی حیران ہوگا

آشنا جام سے جس دن لبِ جاناں ہوگا / ساقیا روح پہ جمشید کی احسان ہوگا

رنگِ اخفائے محبت جو نمایاں ہوگا / درد پہلو کی طرح داغ بھی پنہاں ہوگا

ہوں وہ دیوانہ مرے ہاتھ میں روز محشر
عوض نامۂ اعمال گریبان ہوگا

غنچۂ گل کو تو سو بار شگفتہ دیکھا
غنچۂ دل بھی الٰہی کبھی خندان ہوگا

اے جوانی یہ ترے دم کے ہیں سارے جھگڑے
تو نہ ہوگی تو نہ یہ دل نہ یہ ارمان ہوگا

خواہش وصل تو کیونکر کہوں لیکن ناصح
دیکھ لینے کا تو حضرت کو بھی ارمان ہوگا

اک پری رو نے ہماری یہ بنائی صورت
سیکڑوں پریوں میں کیا حال سلیمانؑ ہوگا

دست وحشت تو سلامت ہے رفو ہونے دو
ایک جھٹکے میں نہ دامن نہ گریبان ہوگا

زلف شانے سے یہ کہتی ہے نہ سر چڑھ اتنا
پیچ کچھ ایسے پڑینگے کہ پریشان ہوگا

آگ دل میں جو لگی تھی وہ بجھائی نہ گئی
اور کیا تجھ سے بھرا اے دیدۂ گریان ہوگا

جان دیکر جو ملے بوسۂ جانان تجھے مفت
دل نہیں ہے کسی عاشق کا جو ارزان ہوگا

اے اجل دوڑ کہ غربت میں پڑا ہوں تنہا
اس طرح کاہے کو خالی کبھی میدان ہوگا

میرے اور غیر کے مقتل میں کھلینگے جوہر
امتحان عشق و ہوس کا سر میدان ہوگا

رات دن گیسوئے محبوب کا رہتا ہے خیال
خواب آنکھوں میں مری آکے پریشان ہوگا

ہیں دم ذبح جو انداز یہ جلادی کے
ملک الموت کو بھی موت کا ارمان ہوگا

اور بڑھ جائیگا دیدار سے شوق دیدار
یہ تو نعمت ہے کہ سیر اس سے نہ مہمان ہوگا

اپنے مرنے کا تو کچھ غم نہیں یہ غم ہے امیر
چارہ گر مفت میں بیچارہ پشیمان ہوگا

مرے بس میں یا تو یارب وہ ستم شعار ہوتا
یہ نہ تھا تو کاش دل پر مجھے اختیار ہوتا

پس مرگ کاش یوں ہی مجھے وصل یار ہوتا
وہ سر مزار ہوتا میں تہ مزار ہوتا

ترا میکدہ سلامت ترے خم کی خیر ساقی
مرا نشہ کیوں اترتا مجھے کیوں خمار ہوتا

مرے اتقا کا باعث تو ہے میری ناتوانی
جو میں توبہ توڑ سکتا تو شراب خوار ہوتا

میں ہوں نامراد ایسا کہ بلک کے یاس روتی
کہیں پا کے آسرا کچھ جو امیدوار ہوتا

نہیں پوچھتا ہے مجھ کو کوئی پھول اس چمن میں
دلِ داغدار ہوتا تو گلے کا ہار ہوتا

وہ مزا دیا تڑپ نے کہ یہ آرزو ہے یارب
مرے دونوں پہلوؤں میں دلِ بیقرار ہوتا

دمِ نزع بھی جو وہ بت مجھے آکے منہ دکھاتا
تو خدا کے منہ سے اتنا نہ میں شرمسار ہوتا

نہ مآل سوال کرتے نہ لحد فشار دیتی
سرِ راہِ کوئے قاتل جو مرا مزار ہوتا

جو نگاہ کی تھی ظالم تو پھر آنکھ کیوں چرائی
وہی تیر کیوں نہ مارا جو جگر کے پار ہوتا

میں زباں سے تم کو سچا کہو لاکھ بار کہہ دوں
اسے کیا کروں کہ دل کو نہیں اعتبار ہوتا

مری خاک بھی لحد میں نہ رہی امیر باقی
انہیں مرنے ہی کا اب تک نہیں اعتبار ہوتا

نئی چوٹیں چلتیں قاتل جو کبھی دوچار ہوتا
کہ ادھر سے وار ہوتا تو ادھر سے پیار ہوتا

ترے عکس کا جو قاتل کبھی تجھ پہ وار ہوتا
تو نثار ہونے والا یہی جان نثار ہوتا

رہی آرزو کہ دونوں ترے تیر ساتھ چلتے
کوئی دل کو پیار کرتا کوئی دل کے پار ہوتا

اثر اس قدر تو ہوتا مرے لوٹنے کا ان پر
کہ وہ کروٹیں ہی لیتے جو میں بیقرار ہوتا

ترے ناوکِ ادا سے کبھی ہارتا نہ ہمت
جگر اس سے آگے ہوتا جو جگر کے پار ہوتا

مرے دل کو یوں مٹایا کہ نشان تک نہ رکھا
میں لپٹ کے رو تو لیتا جو کہیں مزار ہوتا

ترے تیر کی خطا کیا مری حسرتوں نے روکا
نہ لپٹتیں یہ بلائیں تو وہ دل کے پار ہوتا

میں جیوں تو کس کا ہوکر نہیں کوئی دوست میرا
یہ جو دل ہے دشمنِ جاں یہی دوستدار ہوتا

مرے پھولوں میں جو آتے تو نئے وہ گل کھلاتے
کہ کانٹوں میں گجرے تو گلے میں ہار ہوتا

ترے تھتے دل کو کیونکر مرے جاں میں دکھاتا
وہ دھڑکنے کیا نہ لگتا جو میں بیقرار ہوتا

مرا دل جگر جو دیکھا تو ادا سے ناز بولا
یہ ترا شکار ہوتا وہ مرا شکار ہوتا

سرِ قبر آتے ہو تم جو بڑھا کے اپنا گہنا
کوئی پھول چھین لیتا جو گلے میں ہار ہوتا

دمِ رخصت ان کا کہنا کہ یہ کس کا ہے رونا
تمہیں میری قسموں کا بھی نہیں اعتبار ہوتا

میں نثار تجھ پہ ہوتا تو رقیب جان کھوتا
میں ترا شکار ہوتا وہ مرا شکار ہوتا

شبِ وصل تو جو بیخود نہ ہوا امیر چُو کا
ترے آنے کا کبھی تو اُسے انتظار ہوتا

مُوباف کُھل گیا ہے کسی گلعذار کا
آنچل لٹک رہا ہے عروسِ بہار کا

کچھ تو سبب ہے گردشِ لیل و نہار کا
اس پر پڑا ہے صبر کسی بے قرار کا

کیا دل جلا رہا ہے پسِ مرگ ہے دعا
ٹھنڈا رہے چراغ الٰہی مزار کا

جن کو ملا کے خاک میں خوش ہو رہے ہو تم
آنکھوں میں دیکھو رقص بھی اُنکے غبار کا

گردِ نظر سے ہو نہ مکدّر الٹ نقاب
غافل غبار ہے یہ رہِ انتظار کا

پھولوں کا قافلہ ہے کہ اُتری ہے یہ برات
ہر شاخِ گل ہے پاؤں عروسِ بہار کا

آئیں وہ یا نہ آئیں ترس کھائیں یا نہ کھائیں
کیا اختیار گریۂ بے اختیار کا

پھر بیٹھے بیٹھے وعدۂ وصل اُسنے کر لیا
پھر اُٹھ کھڑا ہوا وہی روگ انتظار کا

دِلسوز بیکسی سا نہیں کوئی بعدِ مرگ
پیدا نہ ہوگئی [illegible] مزار کا

روؤں تو اُن کو آتی ہے بیساختہ ہنسی
اچھا ہے جو [illegible] اختیار کا

ایسا مزا ملا ہے تڑپ میں کہ ہے دعا
بڑھ جائے اور طولِ شبِ انتظار کا

پر لگ گئے چمن سے تم آئے جو سیر کو
کیا اُڑ چلا ہے رنگ عروسِ بہار کا

وہ شوخ اپنی راہ ہے یہ اپنی راہ ہے
قابو کا دلربا ہے نہ دلِ اختیار کا

ساقی کے ہاتھ سے جو گرا جام کہہ اُٹھا
ٹوٹا وہ دل کہیں کسی اُمیدوار کا

ہمراہ ہے جو حسرت و ارمان کی بھیڑ بھاڑ
تابوت اُٹھا امیرِ غریب الدّیار کا

جھونکا ادھر نہ آئے نسیمِ بہار کا
نازک بہت ہے پھول چراغِ مزار کا

عالم وہی ہے سِن سے اُتر کر بھی یار کا
جوبن خزاں نے چھین لیا ہے بہار کا

یارب مٹے نہ دل سے کبھی داغ آرزو
ٹھنڈا نہ ہو چراغ شب انتظار کا

شاخوں سے برگ گل نہیں جھڑتے ہیں باغ میں
زیور اُتر رہا ہے عروس بہار کا

شیشوں نے ہچکیوں کی بٹھائی ہے ڈاک کیوں
میخانے کو ارادہ ہے کس بادہ خوار کا

میری لگی بجھانے کو آتا ہے بار بار
ممنون ہوں میں گریۂ بے اختیار کا

ہر گل سے لالہ زار میں یہ پوچھتا ہوں میں
تو ہی پتا بتا دے دل داغدار کا

اس پیار سے فشار دیا گور تنگ نے
یاد آگیا مزہ مجھے آغوش یار کا

آنسو ادھر رواں ہیں اُدھر پھنک رہا ہے دل
نالہ مرا دھواں ہے سمندر کے پار کا

گردوں نے لیکے اُسکو ستاروں میں رکھ لیا
اُونچا ہوا جو ذرہ ہمارے غبار کا

ہلتی نہیں ہوا سے چمن میں یہ ڈالیاں
مُنہ چومتے ہیں پھول عروس بہار کا

پھولوں سے فرش خاک پہ تارے چھٹک گئے
دھاگا کبھی جو ٹوٹ گیا اُن کے ہار کا

آئینہ دیکھتے ہی وہ خود لوٹ ہو گئے
آخر پڑا ہی صبر دل بیقرار کا

لپٹا میں خواب میں بھی تو بولے الگ الگ
مُرجھا نہ جائے پھول کوئی میرے ہار کا

اُٹھتا ہے وہ نزع میں وہ سرہانے سے اے امیر
ٹلتا ہے آسرا دل امیدوار کا

جمال یار کو کہتے ہو تم کہ ہاں دیکھا
کلیم ہوش میں آؤ کبھی کہاں دیکھا

وہی چراغ وہی گل وہی قمر وہی برق
نئے لباس میں دیکھا اُسے جہاں دیکھا

دکھائی آئینے نے انکو عکس کی تصویر
تو ہنس کے بولے کہ تو نے مجھے کہاں دیکھا

نہیں ہے دختر رز سا بھی کوئی حسن پرست
ٹپک پڑی یہ جہاں کوئی نوجوان دیکھا

کہیں تو دیکھ چکے ہیں یقین ہے دل کو
مگر یہ یاد نہیں ہے تمہیں کہاں دیکھا

فنا ہے حسن کو دولت کو زندگانی کو
جہاں میں نہ کوئی باغ بے خزاں دیکھا

پھنسی جو دام میں بلبل تو کن نگاہوں سے
کبھی چمن کو کبھی سوئے آشیاں دیکھا

شبِ وصال وہ ساماں وہ روشنی وہ نشاط
ہوئی جو صبح تو اُجڑا ہُوا مکان دیکھا

بہار میں جو نکالا ہمیں تو کیا پایا
خزاں میں حالِ چمن تو نے باغباں دیکھا

ترے وصال کی فرقت میں ہم کو یاد آئی
لُٹا ہُوا جو کہیں کوئی کاروان دیکھا

کہیں گے وقتِ ملاقات اُن سے اتنی بات
جو کچھ سُنا تھا وہ آنکھوں سے مہرباں دیکھا

دکھائی ترکِ تعلّق نے شانِ بے رنگی
بڑھے مکاں سے آگے تو لامکاں دیکھا

نکیلی چتونیں آنکھوں میں کیا جگر میں چُھبیں
امیر آج عجب نوک کا جوان دیکھا

وہ پاؤں تھے جو شاہدِ آغوشِ نقشِ پا
افسوس اب ہیں خوابِ فراموشِ نقشِ پا

سر کے وہ پاؤں ہو کے جو ہمدوشِ نقشِ پا
فریاد کر اُٹھے لبِ خاموشِ نقشِ پا

کیا جانے آئی شہرِ خموشاں سے کیا خبر
اب تک اُسی طرف ہیں لگے گوشِ نقشِ پا

بیدرد جانے والو ٹھہر جاؤ دم تو لو
کچھ تم سے کہتے ہیں لبِ خاموشِ نقشِ پا

حیرت کی ہے نگاہ نہ سننا نہ بولنا
آنکھیں کھلی ہیں بند لب و گوشِ نقشِ پا

ہم بے زبان خاک نشینوں کا عیش کیا
تھا اک تبسّم لبِ خاموشِ نقشِ پا

کیا راہ چلنے والوں کا غربت میں آسرا
جب نقشِ پا کو چھوڑ گئے ہوشِ نقشِ پا

اے دل چل اُسکے ساتھ دبے پاؤں اسطرح
آوازِ پا ذرا نہ سُنے گوشِ نقشِ پا

ڈرتے ہیں پاؤں رکھتے کہ ایسا نہو کہیں
چُپکے سے چوم لیں لبِ خاموشِ نقشِ پا

نازک بہت ہیں پاؤں نہ رکھ اسطرح قدم
چھاپے نہ ڈالے گرمیِ آغوشِ نقشِ پا

کیا چین سے ہیں خواب میں آسودگانِ خاک
دیتے ہیں یہ خبر لبِ خاموشِ نقشِ پا

اُس گرم رو کی شوخیِ رفتار سے امیر
اُڑتے ہیں رنگِ رُخ کی طرح ہوشِ نقشِ پا

کیونکر رہے نہ زار تن و توشِ نقشِ پا
جز خاک کچھ نہیں ہے خور و نوشِ نقشِ پا

وحشتِ جنوں میں اب وہ کہاں جوشِ نقشِ پا
وہ تیز رو ہے زارتن و توشِ نقشِ پا
رکھدیں وہ آکے پاؤں سرِ دوشِ نقشِ پا
نسبت ہے راہِ عشق سے راہِ حرم کو کیا
اے مست ناز دیکھکے رکھ راہ میں قدم
رفعت سے تیرے خاک نشینوں کو کام کیا
بیٹھا ہے راستے میں ہدایت کے واسطے
دورِ خرام ناز ہے کس مستِ حسن کا
یہ تو کہاں نصیب کہ ہاتھ آئیں وہ قدم

سوتے ہیں دونوں پاؤں ہم آغوشِ نقشِ پا
ڈر ہے کہیں نہ جائے کہیں دوشِ نقشِ پا
اس شوق میں کشادہ ہے آغوشِ نقشِ پا
یاں کثرتِ سجود وہاں جوشِ نقشِ پا
چھلکے کہیں نہ بادۂ سرجوشِ نقشِ پا
افسرِ طلب نہیں سرِ مدہوشِ نقشِ پا
کیا رہنما ہے پیرِ صفا کوشِ نقشِ پا
ساغر بکف ہے دستِ قدح نوشِ نقشِ پا
آغوش جو رہے مجھے آغوشِ نقشِ پا

وحدت کی جلوہ گاہ ہے یہ مشتِ خاک امیر
ہیں ایک چشم و گوش و بر و دوشِ نقشِ پا

پہلو سے تو اُٹھا کہ میں سرد ہو گیا
ہنگامۂ جفائے فلک گرد ہو گیا
کترا جو اپنے دستِ نگارین سے یار نے
ہنگامِ سیرِ باغ جو وہ شوخ ہنس پڑا
دل کو ہمارے اب کسی پہلو نہیں قرار
سر سے اُٹھا کے ہاتھ ہوا سرفراز میں
یکتائی جمال کا لکھا جو میں نے وصف
مجھ سا کہاں ہے کوئی زمانے میں خاکسار

بیدردِ مہجاں کو تو درد ہو گیا
نالے جو گرم میں نے کئے سرد ہو گیا
کاغذ کا پھول برگِ گُل زرد ہو گیا
اتنا ساہو کے غنچہ کا مُنہ زرد ہو گیا
یہ دردِ آشنا ہمہ تن درد ہو گیا
دنیا پہ لات مار کے پا مرد ہو گیا
دیوان کا ہر ایک ورق فرد ہو گیا
رُخ سے مرے جو رنگ اڑا گرد ہو گیا

عالم کی سیر آٹھ پہر ہے نصیب امیر
خلوت میں بیٹھکر میں جہان گرد ہو گیا

آنکھ اُس نے نہ کھولی جیسے سفاک نے تاکا
منہ دیکھ کے اُٹھی نہ قضا کس کی ادا کا

ناداں ہو دھوکا ہے تمہیں زلفِ رسا کا
سایہ ہے بتو سر پہ تمہارے یہ خدا کا

غازہ ہی نہیں لوٹ ہے گالوں پہ تمہارے
ہاتھوں پہ کبھی لوٹا ہوا ہے رنگ حنا کا

مجھ مست کو گلشن کی ہوا راس نہ آئی
آنکھیں نکل آئیں کہیں انگور جو تاکا

ایسا تری رحمت پہ بھروسا ہے کہ مجھ سے
احسان اُٹھایا نہیں جاتا ہے دعا کا

اللہ رے شبِ غم کی سیاہی کہ سحر بھی
چڑھتی ہوئی آتی ہے عمل ردِّ بلا کا

کیا جانئے کیا ہے ترے بیمار کی حالت
عیسیٰ بھی یہ کہتے ہیں کہ ہے وقت دعا کا

گلزار میں پھولو نہ بہت لالہ و گل پر
مرغانِ چمن یہ کوئی جھونکا ہے ہوا کا

کیا خوف ہے آندھی کی طرح آئے جو دولت
رو بان بھی نہ میلا ہو گلیم فقرا کا

وعدہ جو کیا وصل کا آئے وہ پئے قتل
ہے حسن کے مشرب میں وفا نام جفا کا

کی آڑ سے مژگاں کی نگہ خیر ہو یارب
غمزے نے جھروکے سے مجھے جھانک کے تاکا

دم توڑ رہا ہے ترا بیمارِ محبت
یہ کوسنے کا وقت ہے ظالم کہ دعا کا

ماتم میں جو کھلتا ہے اُس شوخ کا جوڑا
اُڑ چلتا ہے رنگ اور مری بزمِ عزا کا

پرسش کو نکیرین کی جا آئیں گی حوریں
کشتہ ہوں میں اک صاحبِ عصمت کی حیا کا

خوش ہوں کہ ترے کوچے کی میں خاک ہوا ہوں
بے مانگے ملا کرتا ہے بوسہ کفِ پا کا

کیا کیا ہے شبِ وصل نگہبانیِ عصمت
چھپکی ہے نزاکت کی تو پہرہ ہے حیا کا

دل چھلنی کئے دیتے ہیں موئے مژۂ یار
ان ننھے سے تیروں میں بھی ہے توڑ بلا کا

کچھ نیند نے کچھ نشے نے شوخی کی کمک کی
مشکل ہے شبِ وصل اُٹھا پردہ حیا کا

رونے دے تڑپنے دے مجھے بیخودیِ شوق
کیوں ساتھ چھڑاتی ہے ندیمی رفقا کا

اللہ رے اُس گل کی کلائی کی نزاکت
بل کھا گئی جب بوجھ پڑا رنگِ حنا کا

مشتاقوں سے اپنے جو کیا کرتی ہے غمزے
کیا سیکھی ہے انداز قضا تیری ادا کا

کیا جانیے آجائیگا کس روز وہ جلّاد
انسان کو معلوم نہیں وقتِ قضا کا

بازو پہ اپنے دلِ بیمار کے باندھوں
تعویذ جو ہاتھ آئے مزارِ شہدا کا

اللہ ہی اُس ابرو و مژگان سے بچائے
یہ قہر کی تلوار وہ ناوک ہے بلا کا

مشتاق امیر اُٹھ گئے دنیا سے ہزاروں
پردۂ رُخِ محبوب سے اُٹھا نہ حیا کا

ایک دل ہمدم مرے پہلو سے کیا جاتا رہا
سب تڑپنے تلملانے کا مزا جاتا رہا

سب کرشمے تھے جوانی کے جوانی کیا گئی
وہ اُمنگیں مٹ گئیں وہ ولولہ جاتا رہا

درد باقی غم سلامت ہے مگر اب دل کہاں
ہائے وہ غم دوست وہ درد آشنا جاتا رہا

آنے والا جانے والا بیکسی میں کون تھا
ہاں مگر اک دم غریب آتا رہا جاتا رہا

آنکھ کیا ہے موہنی ہے سحر ہے اعجاز ہے
اک نگاہِ لطف میں سارا گلا جاتا رہا

مر گیا میں جب تو ظالم نے کہا افسوس آج
ہائے ظالم ہائے ظالم کا مزا جاتا رہا

درد باقی داغ باقی دل ہی پہلو میں نہیں
رہ گئے نا آشنا سب آشنا جاتا رہا

[illegible] درد دل سے [illegible] کا سہارا بھی گیا
وائے قسمت یاس کا بھی آسرا جاتا رہا

[illegible] سے ہم نے تو آنکھوں کر دیا
پردۂ شرمیلی نگاہوں کا مزا جاتا رہا

[illegible] کچھ ہو گئی
دیکھ لینے سے دوا کے درد کیا جاتا رہا

آیتِ لا تقنطوا اُتری جو عاصی بول اُٹھے
آج سب اندیشۂ روزِ جزا جاتا رہا

مجھ کو گلیوں میں جو دیکھا چھیڑ کر کہنے لگے
کیوں میاں کیا ڈھونڈتے پھرتے ہو کیا جاتا رہا

نیند کیسی فرقت میں کہاں [illegible] کی قسم
خواب میں بھی دیکھنے کا آسرا جاتا رہا

[illegible] تم تھے [illegible] دل [illegible]
تم گلے سے مل گئے سارا گلا جاتا رہا

مر گیا دشمن پہ کفِ افسوس تم ملتے تو ہو
کچھ [illegible] رنگِ حنا جاتا رہا

شیخ جی ہیں اور شب [illegible]
وہ تقدس ہو چکا وہ اتقا جاتا رہا

شوخیاں رگ رگ میں ہیں حِمّنا وہاں کس کا ہر رنگ
آتے آتے ہاتھ میں رنگِ حنا جاتا رہا

ہائے وہ صبحِ شبِ وصل انکا کہنا شرم سے
اب تو میری بیوفائی کا گلا جاتا رہا

بیخودی کا ہو بُرا محروم رکھا وصل سے
آپ جب آئے تو دل سے مدعا جاتا رہا

دل وہی آنکھیں وہی لیکن جوانی وہ کہاں
ہائے اب وہ تاکنا وہ جھانکنا جاتا رہا

تیرے دشمن ہوگ دشمن کا ارے جانے بھی دے
بوالہوس بدنام کن اچھا ہوا جاتا رہا

میں نے چھاتی سے لگا کر جسکو رکھا عمر بھر
ہائے وہ نازوں کا پالا دل مرا جاتا رہا

گھورتے دیکھا جو چشموں میں جھنجلا کر کہا
کیا لحاظ آنکھوں کا بھی اور بے حیا جاتا رہا

کیا بُری شے ہے جوانی رات دن ہے تاک جھانک
ڈرھیٹوں کا اک طرف خوفِ خدا جاتا رہا

کھو گیا دل کھو گیا رہنا تو کیا ہوتا امیر
جانے دو اک بیوفا جاتا رہا جاتا رہا

غنی ساتھ دنیا سے کیا لے گیا
مگر جو کسی کو دیا لے گیا

پڑی پیچ در پیچ تھی راہِ دیر
خدا ہم کو لایا خدا لے گیا

تری آنکھ کا تل وہ بادی ہے چور
اشاروں میں دل کو اڑا لے گیا

عجب تُرکِ غمزہ بھی چالاک تھا
لگاوٹ سے ہم کو لگا لے گیا

کیا غم نے تاراج جب صبر کو
کہا دل نے وہ لیگیا لے گیا

گیا سامنے یار کے میں تو یوں
کہ ہاتھوں سے دل کو سنبھالے گیا

گیا دل تو طاقت بھی جاتی رہی
تڑپنے کا بھی وہ مزا لے گیا

نظاہر رہا مجھ سے غافل مگر
کنکھیوں سے وہ دیکھے بھالے گیا

بہشت گئے اسیرانِ زندانِ ہوش
جنوں آکے سب کو چھڑا لے گیا

وہ جب تک رہا مجھ پہ برسا کیا
بُخار اپنے دل کا ابکا لے گیا

سگِ یار کا مستحق ہے امیر

مرے استخواں کیوں ہما لے گیا

پرسش کو مری کون مرے گھر نہیں آتا
تیور نہیں آتے ہیں کہ چکر نہیں آتا

تم لاکھ قسم کھاتے ہو ملنے کی عدو سے
ایمان سے کہہ دوں تجھے باور نہیں آتا

قاتل ہی کے کھنچنے کی شکایت نہیں ہمدم
خنجر بھی تو پہلو کے برابر نہیں آتا

میں واسطے دیتا ہوں وہ خط لے نہیں جاتا
قاصد کو ذرا خوف پیمبر نہیں آتا

ڈرتا ہے کہیں آپ نہ پڑ جائے بلا میں
کوچے میں ترے فتنۂ محشر نہیں آتا

غیروں نے برا مجھ کو کہا ہو تو کہا ہو
باور انہیں آیا ہو یہ باور نہیں آتا

ناوک کی خطا ہے نہ کماندار کی تقصیر
لے طائر دل وقت برابر نہیں آتا

جو مجھ پہ گزرتی ہے کبھی دیکھ لے ظالم
پھر دیکھوں کہ رونا تجھے کیونکر نہیں آتا

پھول اس نے کھلائے کہ بتو یہ نہ کہو تم
اللہ کے گھر سے ہمیں زیور نہیں آتا

دو دانوں پر اشکوں ہی کے دوں فاتحۂ دل
افسوس ہے اتنا بھی میسر نہیں آتا

کہتے ہیں یہ اچھی ہے تڑپ دل کی تمہارے
سینے سے تڑپ کر کبھی باہر نہیں آتا

بنجاتی ہیں چلمن رخ روشن کی شعاعیں
آتا بھی ہے باہر تو وہ باہر نہیں آتا

سلجھاتے ہیں جب زلف تو الجھاتے ہیں اک دل
فرق اس میں کبھی بال برابر نہیں آتا

چوٹ اس نگہ ناز کی کھاتا نہیں ناصح
یہ صید کبھی تیر کی زد پر نہیں آتا

دشمن کو بھی ہوتی ہے مرے حال پہ رقت
پر دل یہ ترا ہے کہ کبھی بھر نہیں آتا

غیروں سے اشارے مرے آگے سر محفل
پھر آپ کہیں گے کہ مجھے شر نہیں آتا

کب آنکھ اٹھاتا ہوں کہ آتے نہیں تیور
کب بیٹھ کے اٹھتا ہوں کہ چکر نہیں آتا

غربت کدۂ دہر میں صدمے سے ہیں صدمے
اس پر بھی کبھی یاد ہمیں گھر نہیں آتا

ہم جسکی ہوس میں ہیں امیر آپ سے باہر
وہ پردہ نشیں گھر سے بھی باہر نہیں آتا

کچھ ٹھکانا ہے ناتوانی کا
نہ اُٹھا بوجھ زندگانی کا

داغ دل میں جو ہے جوانی کا
گُل ہے یہ شمع زندگانی کا

جانتا ہوں کہ خود نما ہو تم
پردہ کب تک یہ لن ترانی کا

اور اے پیر چرخ کیا کوسوں
صبر تجھ پر مری جوانی کا

راہ میں وہ مجھے ملے تو ہُوا
سامنا مرگ ناگہانی کا

حلقۂ چشم وقت نزع نہیں
ہے یہ چھلا تری نشانی کا

جوشِ فصلِ بہار میں اے گُل
رنگ ہے تیری نوجوانی کا

ناز اُن سے کبھی اُٹھ نہیں سکتے
زور ہے آپ پہ ناتوانی کا

اسطرف بھی نگاہِ لطف کبھی
صدقہ اے نوجوان جوانی کا

مرگ جس کو جہاں میں کہتے ہیں
نام ہے میری زندگانی کا

مثلِ شبنم ہماری قسمت میں
ایک دانہ ہے وہ بھی پانی کا

رُخ ترا کس طرح میں دیکھ سکوں
زلف ہے لام لن ترانی کا

اے غمِ یار میں نہیں مٹتا
نام مٹتا ہے ناتوانی کا

جبکہ آیا مجھے تو یہ سمجھا
اُسنے چھلا دیا نشانی کا

ہے یہ نامِ سکندر آئینہ
چشمہ ہے آبِ زندگانی کا

سر چڑھیں بانکپن کر دیتا ہے
جوبن اُبھرا ہوا جوانی کا

گُل کے سمجھا ہوں میں کہ دیدۂ تر
چور ہے شمع زندگانی کا

چودھویں کا بھی چاند صاف نہ تھا
ہائے عالم تری جوانی کا

نہ اُٹھا مفلسی میں بارِ سوال
سہے یہ احسان ناتوانی کا

پورا پورا شبیہ یوسف ہیں
رنگ ہے تیری نوجوانی کا

کیوں نہ پیری میں داغ دل ہو عزیز
پھول ہے باغ نوجوانی کا

دل بتوں سے اُٹھا نہیں سکتا — شکر کرتا ہوں ناتوانی کا
منتظر حشر میں ہے دامن تر — مہرِ محشر کی مہربانی کا
رہ گیا ہے فراق میں مجھ کو — آسرا مرگِ ناگہانی کا
دل تو میں نذر کر چکا اے جان — اب سبب کیا ہے مہربانی کا

زیست کا اعتبار کیا ہے امیر
آدمی بُلبُلا ہے پانی کا

گھر میں تمہارے غیر سے جایا نہ جائیگا — آغوشِ نور میں کبھی سمایا نہ جائیگا
دل گیسوؤں میں ہم سے پھنسایا جائیگا — اس چاند کو یہ داغ لگایا نہ جائیگا
بیخود نہ کر وصال میں اے جلوۂ صنم — ہوں ناتوان پھر آپ میں آیا نہ جائیگا
کہتا ہے دل چھپاؤنگا میں خوابِ رازِ عشق — آنکھیں یہ کہتی ہیں کہ چھپایا نہ جائیگا
تلوار اُن سے کھچ نہیں سکتی نہ کھچ سکے — کیا سُرمہ آنکھ میں بھی لگایا نہ جائیگا
جب دیکھ لوگے پاس بھری میری شکل تم — پھر تم سے میرے دل کو دُکھایا نہ جائیگا
لاکھوں کو خاک میں نو ملادیگا آسمان — ظالم سے دو دلوں کو ملایا نہ جائیگا
چہرہ چھپالیں آنکھ چُرالیں حیا سے وہ — جوبن اُبھار پر ہے چھپایا نہ جائیگا
لاؤں میں ان سے دل میں کدورت مجال ہے — یہ لعل خاک میں تو ملایا نہ جائیگا
پہنائیے جن کو پھولوں کے ہار اُنسے بعدِ مرگ — دو پھولوں سے کفن بھی ایسا یا نہ جائیگا
ترکِ ادب ہے دل سے مٹاؤں جو داغِ عشق — مسجد کا ہے چراغ بجھایا نہ جائیگا

وہ اس چمن میں مرا دل ہے اے امیر
بادِ بہار سے بھی کھلایا نہ جائیگا

دل میں خیال اُن آنکھوں کا لایا نہ جائیگا — میخانہ گھر خدا کا بنایا نہ جائے گا
آہوں سے سوزِ عشق مٹایا نہ جائیگا — آندھی سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

یہ تیرہ شام غم ہے کہ کہتا ہے سایہ بھی
اب مجھ سے پاس آپ کے آیا نہ جائیگا

گر ہیں یہی جفائیں تو ظالم جزا کے دن
آڑے مری وفا سے بھی آیا نہ جائیگا

کیوں یاس توڑتی ہے مرے دل کا آسرا
یہ گھر اُجڑ گیا تو بسایا نہ جائیگا

وحشت میں کھنک کے مجھ سے یہ ہمزاد نے کہا
مجھ سے تو ساتھ آپ کے آیا نہ جائیگا

چلو ہی سے پلا دے مجھے ساقیا شراب
ہوں ناتوان جام اُٹھایا نہ جائیگا

دکھلا کے سب کو دستِ حنائی وہ کہتے ہیں
عاشق کا یہ لہو ہے چھپایا نہ جائیگا

روؤں گا دردِ دل سے کبھی میں جو باغ میں
پھولوں کو پھر صبا سے ہنسایا نہ جائیگا

دوزخ نے مجھ کو دیکھ کے مالک سے یہ کہا
مجھ سے تو یہ غریب جلایا نہ جائیگا

سو غمگسار لاکھ ہوں غمخوار آس پاس
دل میں جو درد ہے وہ بٹایا نہ جائیگا

مجھ رُوسیہ کو قبر میں رہنے دے اے کریم
یہ مُنہ کسی کو مجھ سے دکھایا نہ جائیگا

تیرے ہزار غمزے ہیں قاتل اُٹھاؤنگا
خنجر کا تیرے ناز اُٹھایا نہ جائیگا

دیدار یار کا نہ اُٹھے گا مزہ امیر
جب تک دوئی کا پردہ اُٹھایا نہ جائیگا

کھولے ہوئے جُوڑا اُسے اے جان نہیں دیکھا
اس باغ میں سنبل کو پریشان نہیں دیکھا

وہ خار ہوں جس نے کبھی دامان نہیں دیکھا
وہ پھول ہوں میں جس نے گریبان نہیں دیکھا

کیا کہتے ہو بس دیکھ لیا حال تمہارا
دیکھو گے ابھی تم نے مری جان نہیں دیکھا

ہاں دستِ جنوں کھینچیو ہم نے کبھی اب تک
آغوش میں دامن کے گریبان نہیں دیکھا

بیفائدہ تم کھینچتے ہو تیر کو دل سے
اس گھر سے نکلتے ہوئے مہمان نہیں دیکھا

برباد کیا مجھ کو ہوا آپ بھی برباد
ناداں کوئی تجھ سا دلِ ناداں نہیں دیکھا

کیا شوق ہے دکھلا کے وہ رُخ چھپتے ہیں مجھ سے
اب بھی نہیں دیکھا تو کہو ہاں نہیں دیکھا

دل لینے میں ہر طفل حسین ہوتا ہے اُستاد
اس فن میں تو ناداں کبھی ناداں نہیں دیکھا

شوخیاں رگ رگ میں ہیں چمنیا وہاں کس کا ہے رنگ
آتے آتے ہاتھ میں رنگ حنا جاتا رہا

ہائے وہ صبح شب وصل انکا کہنا شرم سے
اب تو میری بیوفائی کا گلا جاتا رہا

بیخودی کا ہو برا محروم رکھا وصل سے
آپ جب آئے تو دل سے مدعا جاتا رہا

دل وہی آنکھیں وہی لیکن جوانی وہ کہاں
ہائے اب وہ تاکنا وہ جھانکنا جاتا رہا

تیرے دشمن سوگ دشمن کا ہیں جانے بھی دے
بوالہوس بدنام کُن اچھا ہُوا جاتا رہا

میں نے چھاتی سے لگا کر جسکو رکھا عمر بھر
ہائے وہ نازوں کا پالا دل مرا جاتا رہا

گھورتے دیکھا جو چتونوں میں جھنجھلا کر کہا
کیا لحاظ آنکھوں کا بھی او بے حیا جاتا رہا

کیا بری شے ہے جوانی رات دن ہے تاک جھانک
ڈر بتوں کا اک طرف خوف خدا جاتا رہا

کھو گیا دل کھو گیا رہنا تو کیا ہوتا امیر
جانے دو اک بیوفا جاتا رہا جاتا رہا

غنی ساتھ دنیا سے کیا لے گیا
مگر جو کسی کو دیا لے گیا

بڑی پیچ در پیچ تھی راہِ دیر
خدا ہم کو لایا خدا لے گیا

تری آنکھ کا تل وہ بادی ہے چور
اشاروں میں دل کو اڑا لے گیا

عجب تُرکِ غمزہ بھی چالاک تھا
لگاوٹ سے ہم کو لگا لے گیا

کیا غم نے تاراج جب صبر کو
کہاں سے وہ لیگیا لے گیا

گیا سامنے یار کے میں تو یوں
کہ ہاتھوں سے دل کو سنبھالے گیا

گیا دل تو طاقت بھی جاتی رہی
تڑپنے کا بھی وہ مزا لے گیا

بظاہر رہا مجھ سے غافل مگر
کنکھیوں سے وہ دیکھ بھالے گیا

بہت تھے اسیرانِ زندانِ ہوش
جنوں آکے سب کو چھڑا لے گیا

وہ جب تک رہا مجھ پہ برسا کیا
غبار اپنے دل کا نکالے گیا

سگ یار کا مستحق اے امیر

مرے استخوان کیوں ہما لے گیا

پرسش کو مری کون مرے گھر نہیں آتا
تیور نہیں آتے ہیں کہ چکر نہیں آتا

تم لاکھ قسم کھاتے ہو ملنے کی عدو سے
ایمان سے کہہ دوں مجھے باور نہیں آتا

قاتل ہی کے کھنچنے کی شکایت نہیں ہمدم
خنجر بھی تو پہلو کے برابر نہیں آتا

ہیں واسطے دیتا ہوں وہ خط لے نہیں جاتا
قاصد کو ذرا خوف پیمبر نہیں آتا

ڈرتا ہے کہیں آپ نہ پڑ جائے بلا میں
کوچے میں ترے فتنۂ محشر نہیں آتا

غیروں نے برا مجھ کو کہا ہو تو کہا ہو
باور انہیں آیا ہو یہ باور نہیں آتا

ناوک کی خطا ہے نہ کماندار کی تقصیر
لے طائرِ دل وقت برابر نہیں آتا

جو مجھ پہ گزرتی ہے کبھی دیکھ لے ظالم
پھر دیکھوں کہ رونا تجھے کیونکر نہیں آتا

پھول اس نے کھلائے کہ بتو یہ نہ کہو تم
اللہ کے گھر سے ہمیں زیور نہیں آتا

دو دانوں پر اشکوں ہی کے دو فاتحۂ دل
افسوس ہے اتنا بھی میسر نہیں آتا

کہتے ہیں یہ اچھی ہے تڑپ دل کی تمہارے
سینے سے تڑپ کر کبھی باہر نہیں آتا

پہنچاتی ہیں چلمن رخِ روشن کی شعاعیں
آنا بھی ہے باہر تو وہ باہر نہیں آتا

سلجھاتے ہیں جب زلف تو الجھاتے ہیں اک دل
فرق اس میں کبھی بال برابر نہیں آتا

چوٹ اس نگہِ ناز کی کھاتا نہیں ناصح
یہ صید کبھی تیر کی زد پر نہیں آتا

دشمن کو بھی ہوتی ہے مرے حال پہ رقت
پر دل یہ ترا ہے کہ کبھی بھر نہیں آتا

غیروں سے اشارے مرے آگے سرِ محفل
پھر آپ کہیں گے کہ مجھے شر نہیں آتا

کب آنکھ اٹھاتا ہوں کہ آتے نہیں تیور
کب بیٹھ کے اٹھتا ہوں کہ چکر نہیں آتا

غربت کدۂ دہر میں صدمے سے ہیں صدمے
اس پر بھی کبھی یاد ہمیں گھر نہیں آتا

ہم جس کی ہوس میں ہیں امیر آپ سے باہر
وہ پردہ نشیں گھر سے بھی باہر نہیں آتا

کچھ ٹھکانا ہے ناتوانی کا
نہ اُٹھا بوجھ زندگانی کا

داغ دل میں جو ہے جوانی کا
گُل ہے یہ شمع زندگانی کا

جانتا ہوں کہ خود نما ہو تم
پر وہ کب تک یہ لن ترانی کا

اور اے پیر چرخ کیا کوسوں
صبر تجھ پر مری جوانی کا

راہ میں وہ مجھے ملے تو ہوا
سامنا مرگِ ناگہانی کا

حلقۂ چشم وقتِ نزع نہیں
ہے یہ چھلا تری نشانی کا

جوشِ فصلِ بہار میں اے گُل
رنگ ہے تیری نوجوانی کا

ناز اُن کے بھی اُٹھ نہیں سکتے
زور ہے اب یہ ناتوانی کا

اس طرف بھی نگاہِ لطف کبھی
صدقہ اے نوجوان جوانی کا

مرگ جس کو جہاں میں کہتے ہیں
نام ہے میری زندگانی کا

مثلِ شبنم ہماری قسمت میں
ایک دانہ ہے وہ بھی پانی کا

رُخ ترا کس طرح میں دیکھ سکوں
زلف ہے لام لن ترانی کا

اے غمِ یار میں نہیں مٹتا
نام مٹتا ہے ناتوانی کا

چکر آیا مجھے تو یہ سمجھا
اُس نے چھلا دیا نشانی کا

ہے یہ نامِ سکندر آئینہ
چشمہ ہے آبِ زندگانی کا

برچھیاں بانکپن کو دیتا ہے
جوبن اُبھرا ہوا جوانی کا

گُل سے سمجھا ہے میں کہ دیدۂ تر
چور ہے شمع زندگانی کا

چودھویں کا بھی چاند صدقے تھا
ہائے عالم تری جوانی کا

نہ اُٹھا مفلسی میں دستِ سوال
ہے یہ احسان ناتوانی کا

چہرا پورا شبیہ یوسف ہے
رنگ ہے تیری نوجوانی کا

کیوں نہ پیری میں داغِ دل ہو عزیز
پھول ہے باغِ نوجوانی کا

دل ہتوں سے اُٹھا نہیں سکتا
شکر کرتا ہوں ناتوانی کا

منتظر حشر میں ہے دامن تر
مہر محشر کی مہربانی کا

رہ گیا ہے فراق میں مجھ کو
آسرا مرگِ ناگہانی کا

دل تو میں نذر کر چکا اے جان
اب سبب کیا ہے مہربانی کا

زیست کا اعتبار کیا ہے امیر
آدمی بلبلا ہے پانی کا

گھر میں تمہارے غیر سے جایا نہ جائیگا
آغوش نور میں کبھی بسایا نہ جائیگا

دل گیسوؤں میں ہم سے پھنسایا جائیگا
اس چاند کو یہ داغ لگایا نہ جائیگا

بیخود نہ کر وصال میں اے جلوۂ صنم
ہوں ناتوان پھر آپ میں آیا نہ جائیگا

کہتا ہے دل چھپاؤں گا میں خواب رازِ عشق
آنکھیں یہ کہتی ہیں کہ چھپایا نہ جائیگا

تلوار اُن سے کچھ نہیں سکتی نہ کھنچ سکے
کیا سُرمہ آنکھ میں بھی لگایا نہ جائیگا

جب دیکھ لوگے پاس بھری میری شکل تم
پھر تم سے میرے دل کو دُکھایا نہ جائیگا

لاکھوں کو خاک میں تو ملا دیگا آسمان
ظالم سے دو دلوں کو ملایا نہ جائیگا

چہرہ چھپا لیں آنکھ چرا لیں حیا سے وہ
جوبن اُبھار پر ہے چھپایا نہ جائیگا

لاؤں میں ان سے دل میں کدورت مجال ہے
یہ لعل خاک میں تو ملایا نہ جائیگا

پہنائے جن کو پھولوں کے ہار اُنسے بعد مرگ
دو پھولوں سے کفن بھی بسایا نہ جائیگا

ترکِ ادب ہے دل سے مٹاؤں جو داغِ عشق
مسجد کا ہے چراغ بجھایا نہ جائیگا

وہ اس چمن میں مرا دل ہے اے امیر
بادِ بہار سے بھی کھلایا نہ جائیگا

دل میں خیال اُن آنکھوں کا لایا نہ جائیگا
میخانہ گھر خدا کا بنایا نہ جائے گا

آہوں سے سوزِ عشق مٹایا نہ جائیگا
آندھی سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

یہ تیرہ شامِ غم ہے کہ کہتا ہے سایہ بھی
اب مجھ سے پاس آپ کے آیا نہ جائیگا

گر ہیں یہی جفائیں تو ظالم جزا کے دن
آڑے مری وفا سے کبھی آیا نہ جائیگا

کیوں یاس توڑتی ہے مرے دل کا آسرا
یہ گھر اُجڑ گیا تو بسایا نہ جائیگا

وحشت میں تھک کے مجھ سے یہ ہمزاد نے کہا
مجھ سے تو ساتھ آپ کے آیا نہ جائیگا

چُلّو ہی سے پلا دے مجھے ساقیا شراب
ہوں ناتوان جام اُٹھایا نہ جائیگا

دکھلا کے سب کو دستِ حنائی وہ کہتے ہیں
عاشق کا یہ لہو ہے چُھپایا نہ جائیگا

روؤں گا دردِ دل سے کبھی میں جو باغ میں
پھولوں کو پھر صبا سے ہنسایا نہ جائیگا

دوزخ نے مجھ کو دیکھ کے مالک سے یہ کہا
مجھ سے تو یہ غریب جلایا نہ جائیگا

سو غمگسار لاکھ ہوں غمخوار آس پاس
دل میں جو درد ہے وہ بٹایا نہ جائیگا

مجھ رُوسیہ کو قبر میں رہنے دے اے کریم
یہ مُنہ کسی کو مجھ سے دکھایا نہ جائیگا

تیرے ہزار غمزے ہیں قاتل اُٹھاؤنگا
خنجر کا تیرے ناز اُٹھایا نہ جائیگا

دیدار یار کا نہ اُٹھے گا مزہ امیر
جب تک دوئی کا پردہ اُٹھایا نہ جائیگا

کھولے ہوئے جوڑا تجھے اے جاں نہیں دیکھا
اس باغ میں سنبل کو پریشاں نہیں دیکھا

وہ خار ہوں جس نے کبھی داماں نہیں دیکھا
وہ پھول ہوں میں جس نے گریباں نہیں دیکھا

کیا کہتے ہو بس دیکھ لیا حال تمہارا
دیکھو گے ابھی تم نے مرِجاں نہیں دیکھا

ہاں دستِ جنوں دیکھیں تو ہم نے کبھی اب تک
آغوش میں دامن کے گریباں نہیں دیکھا

بیفائدہ تم کھینچتے ہو تیر کو دل سے
اس گھر سے نکلتے ہوئے مہماں نہیں دیکھا

برباد کیا مجھ کو ہوا آپ بھی برباد
ناداں کوئی تجھ سا دلِ ناداں نہیں دیکھا

کیا شوق ہے دکھلا کے وہ رُخ چھپتے ہیں جو مجھ سے
اب بھی نہیں دیکھا تو کہو ہاں نہیں دیکھا

دل لینے میں ہر طفلِ حسیں ہوتا ہے اُستاد
اس فن میں تو ناداں کبھی ناداں نہیں دیکھا

تیر نگہِ یار نے بھی رُخ نہ کیا ہائے
اُجڑے ہوئے دل کا کوئی خواہاں نہیں دیکھا

وہ دل تھا ہمارا کہ تری تیغِ نظر نے
تلوار کے مُنہ پر بھی ہراساں نہیں دیکھا

ہے محفلِ دنیا بھی عجب درد کی محفل
وہ آنکھ نہ دیکھی جسے گریاں نہیں دیکھا

دیکھا تو مرے حال کو سو مرتبہ تم نے
پر دیکھنے کی طرح مری جان نہیں دیکھا

جان آنکھوں سے دم تن سے نکلتے ہوئے دیکھے
پر دل سے نکلتے ہوئے ارماں نہیں دیکھا

آنکھوں نے جو دیکھا اُسے تو دل یہ پکارا
میں نے ابھی اے جلوۂ جاناں نہیں دیکھا

افسردہ امیر اپنی تباہی سے ہے تو کیوں
کیا حوصلۂ کلبِ علی خاں نہیں دیکھا

میں کبھی وقت پہ مقتل سے نہ ٹل جاؤنگا
کچھ زمانہ نہیں کروٹ جو بدل جاؤنگا

لاکھ دنیا میں پھنسوں چال وہ چل جاؤنگا
کہیں اس بھول بھلیاں سے نکل جاؤنگا

اس سرا میں ہیں مسافر نہیں رہنے آیا
رہ گیا تھک کے اگر آج تو کل جاؤنگا

خبر آئی کہ وہ آتا ہے عیادت کے لئے
اب کچھ امید بڑی ہے کہ سنبھل جاؤنگا

سوچتا ہے مری تپ دیکھکے فرقت میں طبیب
نبض کو ہاتھ لگاؤنگا تو جل جاؤنگا

ہوں سبک روح کریگا مجھے کیا قید کوئی
مثلِ آواز سلاسل سے نکل جاؤنگا

مستی اُن آنکھوں میں آتی ہے تو کہتا ہے حجاب
دیکھ تو آئی تو میں گھر سے نکل جاؤنگا

باغِ عالم میں ہوں گویا شجرِ آتشباز
اور بھی پھولوں پھلوں گا جو میں جل جاؤنگا

سامنے سے جو وہ سرکیں گے تو ہوگی یہ تڑپ
عکسِ آئینہ صفت گھر سے نکل جاؤنگا

دیکھنے دے مجھے رخسار ترا حرج ہے کیا
دو گھڑی دیکھکے پھولوں کو بہل جاؤنگا

مر کے بھی دل سے مٹے گا نہ حسینوں کا خیال
ساتھ لیکر میں یہی حسنِ عمل جاؤنگا

جوشِ وحشت میں مجھے قیدیٔ زنداں نہ کرو
سیل ہوں توڑ کے دیوار نکل جاؤنگا

آتشِ عشق مجھے ہو گئی گلزارِ خلیل
دل میں سمجھا تھا وہ کافر کہ میں جل جاؤنگا

قدر دانِ مصحفی و حضرتِ سودا تھے امیر
لیکے تربت پہ انہیں کی یہ غزل جاؤنگا

چال وحشت کی کسی روز جو چل جاؤنگا
دو قدم میں ہیں دو عالم سے نکل جاؤنگا

جوہری ہو کہ نہ ہو کوئی سخن کا پسِ مرگ
تھوک کر میں تو لہو لعل اُگل جاؤنگا

اب میں گر یاں ترے کوچے میں جو آیا آیا
کوئی چھالا ہوں برس کر جو نکل جاؤنگا

کوئے جاناں میں یہ کہتا ہے مرا دل مجھ سے
تو اُٹھانا مجھے میں گر کے مچل جاؤنگا

مجھ سے کہتا ہے شبِ وصل یہ جوبن اُنکا
تیرے آغوش کے سانچے میں میں ڈھل جاؤنگا

پھونکنے آتی ہے کیوں آتشِ فرقت مجھ کو
میں پتنگے کی طرح وصل میں جل جاؤنگا

غش سنبھلنے نہیں دیتا مجھے اے شوقِ وصال
ہاں اگر تو نے سنبھالا تو سنبھل جاؤنگا

چھینک دیگی جو مجھے آگ میں قسمت میری
میں سپند بخت وصال بن کے نکل جاؤنگا

آج بوسہ تجھے دینے ہی بنے گا اے جان
کچھ ترا وعدہ نہیں ہوں کہ میں ٹل جاؤنگا

نورِ شمع تہِ فانوس ہوں میں زیرِ فلک
قید رہنے کا نہیں صاف نکل جاؤنگا

چکنی چپڑی تری باتیں نہیں سنتا ناصح
ڈر رہا ہے کہ نہ سنبھلوں گا پھسل جاؤنگا

وعدۂ وصل پہ چاہی جو قسم ہنس کے کہا
رنگِ رخ میں نہیں تیرا کہ بدل جاؤنگا

وصل میں اُس سے مرا حوصلہ کہتا ہے امیر
کیا میں ارمانِ عدو ہوں کہ نکل جاؤنگا

شہیدِ غم کو جو چپ قاتل کی راہ گر لینا
سمندِ عمر سے ہو شہسوار اُتر لینا

جگر سے اُٹھتے ہیں شعلے کسلیے اے ہمدم
کہیں پہ آگ لگی ہے ذرا خبر لینا

یہ مجھ کو دیکھ کے پلکوں کو حکم ابرو نے
لگے تیغ سے تم [illegible] لینا

پڑا ہے دیر سے مٹی خراب ہوتی ہے
لگا وہ ہاتھ جنازے کو پھر سنوار لینا

لٹک کے کہتی ہے وہ زلف لاکھ پیچ پڑیں
بلائیں اس کی تجھے سر تا کمر لینا

مزے اڑا کے در توبہ باز ہے زاہد
حسین شراب جو دیں پی کے توبہ کر لینا

وہ مسکرا کے مرے چھیڑنے کو کہتے ہیں
کہاں چمک کے یہ بجلی گری خبر لینا

کہا بسیج کی گردش سے کم نہیں اے دل
شب فراق میں کروٹ ادھر ادھر لینا

شہید ناز کا تابوت اٹھا تو فرمایا
برات جاتی ہے کس کی ذرا خبر لینا

امیر جاتے ہو بتخانے کی زیارت کو
پڑیگا راہ میں کعبہ سلام کر لینا

دم اخیر ہے لازم نظارہ کر لینا
خدا سے کام پڑا ہے بتو خبر لینا

چلا تو ہے طرف کعبہ دیکھیے اے حاجی
جو دیر راہ میں آئے طواف کر لینا

پکارتے ہیں یہ کشتے تمہارے مقتل میں
رہے ہیں کھیت ہماری ذرا خبر لینا

مریض غم کی عیادت کو جب ہوئے وہ سوار
کہا قضا سے کہ بڑھ کر ذرا خبر لینا

بہ نیم غمزہ سے کہتی ہے تیغ ناز اسکی
جو دل پہ قبضہ مرا ہو تو تو جگر لینا

ہجوم ہوگا بہت جلوہ گاہ حشر میں یار
اگر پہنچ نہ سکوں میں مری خبر لینا

نہ توڑ شام سے اے دل شب فراق میں دم
ابھی تو رات ہی ساری پڑی ہے مر لینا

گلے سے قتل کے دن عضو عضو کہتا ہے
مری طرف سے بھی خنجر کو پیار کر لینا

چمک کے ابر سے عالم پہ گر پڑی بجلی
یہ کس نے پردے سے جھانکا ذرا خبر لینا

تڑپ کے منہ سے کلیجا نکل پڑے نہ امیر
بہت جو درد اٹھے دل پہ ہاتھ دھر لینا

ناوک ناز سے مشکل ہے بچانا دل کا
درد اٹھ اٹھ کے بتاتا ہے ٹھکانا دل کا

لوٹ جاتے تھے حسین دیکھ کے آنا دل کا
کیا موافق تھا جوانی میں زمانہ دل کا

کہتے ہیں کیا میں کروں حسن کے نشانہ دل کا
وہی جھگڑا وہی دکھڑا ہے پرانا دل کا

آفریں کہنے سے رک جاتا ہے قاتل میرا
لذت قتل گھٹاتا ہے بڑھانا دل کا

اسنے دیکھا اُسے اور اُسنے اِسے دیکھ لیا
اب تو دشوار ہے پہلو میں چھپانا دل کا

آج اس شوق سے پیکاں میرے لبیں آیا
آگیا یاد کسی شوخ پہ آنا دل کا

ہائے وہ پہلی مُلاقات میں میرا رکنا
اور اُس کا وہ لگاوٹ سے بڑھانا دل کا

عشق میں صبر کہاں ضبط کہاں تاب کہاں
جان جانا نہیں ہمدم ہے جانا دل کا

نچلے بیٹھے رہو قدموں میں پڑا ہے دو
دیکھو اچھا نہیں اے جان اُٹھانا دل کا

قیس کم ظرف تھا فرہاد تُنک حوصلہ تھا
دل لگی ہم تو سمجھتے ہیں لگانا دل کا

سینہ چھلنی کیے دیتی ہیں نگاہیں اُنکی
ڈھونڈتے پھرتے ہیں تیر ٹھکانا دل کا

یوں نہ ہاتھ آئیگا یہ مال کبھی دزدِ حنا
سیکھو دزدیدہ نگاہی سے چُرانا دل کا

متصل آہ کی پہلو سے صدا آتی ہے
اب وہ ہے درد کا گھر تھا جو ٹھکانا دل کا

نگہ ناز سے کہتے ہیں اُڑا دے اس کو
سامنے آہی گیا اب تو نشانا دل کا

جی لگے آپ کا ایسا کہ کبھی جی نہ بھرے
دل لگا کر جو سنیں آپ فسانا دل کا

حسرت و درد کا اللہ رے فرقت میں ہجوم
کہ نہیں اب کسی گوشے میں ٹھکانا دل کا

دل مرا لیکے دکھادی مجھے مٹھی خالی
پھر کہا دیکھ لیا ہاتھ سے جانا دل کا

ہائے وہ دیکھ کے اُبھرا ہوا جوبن اُن کا
دونوں ہاتھوں سے مرا اُسکو دبانا دل کا

مشربِ عشق میں کیسی ہیں یہ اُلٹی باتیں
دلکے جانے کو یہ کیوں کہتے ہیں آنا دل کا

تیر پر تیر لگا کر وہ کہا کرتے ہیں
کیوں جی تم کھیل سمجھتے تھے لگانا دل کا

دل جو دیں اُن سے تو اے جان یہ کہرا پردہ
اور روا رکھتے ہو پردے میں بھی آنا دل کا

کسی پہلو پہ وہ آئیں مگر آئیں تو سہی
نہ سنیں بات مری سُن لیں فسانا دل کا

گرمیاں کرنے کا ہے خوب سلیقہ اُنکو
سیکھو آنکھوں کی شرارت سے جلانا دل کا

پھیر کر منہ مجھے تڑپاتے ہیں اور کہتے ہیں
رخ بدلکر ہم اڑاتے ہیں نشانا دل کا

جانے ارمان تھے جی بھر کے نکالے اے جان
وصل میں لوٹ لیا تم نے خزانا دل کا

نگہ ناز سے غمزے نے کہا تڑپا کر | یوں اڑا دیتے ہیں استاد نشانا دل کا

ہر نگہ وصل میں اس شوخ کی کہتی ہے امیر
ہو جسے حکم اڑا دے وہ نشانا دل کا

کیا میں اے پردہ نشیں قتل کا خواہاں ہوتا
شرم آتی تجھے خنجر بھی جو عریاں ہوتا

رونے والا کوئی ہوتا تو کچھ آنسو ٹپکتے
ابر ہی آکے مری خاک پہ گریاں ہوتا

داغ ہی دینے کو لیتا کوئی لیتا تو سہی
کوئی بے رحم ہی دل کا مرے خواہاں ہوتا

درد ہی تھا دل بیمار کا غمخوار قدیم
اچھا ہو صورت ہے کہ وہ کبھی میں پرساں ہوتا

حلقۂ زلف میں وہ رخ جو جھلک دکھلاتا
جلوہ گر کفر کے آغوش میں ایماں ہوتا

لطف تھا دست درازی کا جب اے وحشت دل
بڑھ کے دامن سے ہم آغوش گریباں ہوتا

دیکھتے چاہ سے تم پیار سے ہم تو شب وصل
دل میں جو کچھ تھا سب آنکھوں سے نمایاں ہوتا

پیچھے واعظ سے گناہوں مرے دشمن چھپائیں
تیر کے کھینچنے سے چھپتا تو پشیماں ہوتا

بوسہ کیا مجھ کو دیا ہے کہ شرمایا ہے غلام
اس سے احسان جو کرتے وہ تو احساں ہوتا

ہلکے زخموں سے مزہ کچھ نہ دیا خوب ہوا
مفت ان اوچھوں کا شمشیر کا احساں ہوتا

ایسے ہنگامے بہت دیکھے ہیں اس کوچے میں
حشر کیا فتنہ ہے جس سے میں پریشاں ہوتا

جب وہی حور نہیں خلد میں تو داور حشر
پھیر تک دیتا ہے مجھے دوزخ میں تو احساں ہوتا

ایک ارماں نکلتا ہے تو سو آتے ہیں
دل مجھے گھر ہے کہ ہرگز نہیں ویراں ہوتا

چھوٹ پڑتی نہ اگر شیخ و برہمن میں یہاں
توبہ کافر کوئی ہوتا نہ مسلماں ہوتا

کہتا اس لئے منصور انا الحق کہ وہ تھا
خون ناحق سے لب قاتل لپٹ پیماں ہوتا

کیا مزہ دیتی ہے رہ رہ کے کھٹک اس کی امیر
دل کے بدلے بھی مرے سینے میں پیکاں ہوتا

تجھ سے دل درد محبت کا اٹھایا نہ گیا | زخم کھایا کبھی ناوک کبھی کھایا نہ گیا

نبض کی چال سکھائی تپش دل نے مجھے
عمر چلتے ہوئے گزری کہیں آیا نہ گیا

کتنا نازک تھا دلِ زار کہ پژمردہ رہا
رنگ کا بوجھ بھی اس گل سے اٹھایا نہ گیا

کبھی کاجل کبھی آنکھوں میں لگایا سرمہ
رات تھا کونسا جادو کہ جگایا نہ گیا

یہ صفا دل ہے کہ ہو اس میں نہاں الفت زلف
دیکھو آئینے سے اک بال چھپایا نہ گیا

کبک طاؤس نے ہر گام پہ کھائی ٹھوکر
تیری رفتار کا انداز اڑایا نہ گیا

دخترِ رز شوخ تھی مستوں ہی کی صحبت میں رہی
چار دن پردے میں ساقی سے بٹھایا نہ گیا

قیس کی خاک اڑانے کو ہوا آندھی تھی
پردۂ محمل لیلیٰ کو اٹھایا نہ گیا

جام مے فرقت جاناں میں پلانا کیسا
قدح زہر بھی ساقی سے پلایا نہ گیا

لاش بے گور و کفن وادی غربت میں رہی
مر کے بھی غیر کا احسان اٹھایا نہ گیا

بزم غم میں مجھے قسمت نے بنایا ہے چراغ
کس کا مہمان ہوا میں کہ جلایا نہ گیا

چرخ مسکت نے مٹانے میں بہت کوشش کی
نام ماتم تھا مگر میں کہ مٹایا نہ گیا

تیغ قاتل بھی ہے کیا چشمۂ فیض امیر
کوئی قطرہ کسی پیاسے کو پلایا نہ گیا

در پہ الفت سے وہاں سے کبھی نکالا ہوتا
قید اگر عرش کی زنجیر میں نالا ہوتا

کان میں بجلیوں کے حسن دوبالا ہوتا
اشہب ناز کو چمکا کے نکالا ہوتا

طور پہ موسیٰ اگر دیکھنے والا ہوتا
دیکھتے برق تجلی کو سنبھالا ہوتا

جیب میں کہتا ہوں جھگڑا سر گریبان کا مٹا
تیغ کہتی ہے مجھے بیچ میں ڈالا ہوتا

اور سامان جنوں میں ہمیں درکار نہیں
کوئی نشتر کوئی کانٹا کوئی چھالا ہوتا

ناتوانوں کو گرایا تو فلک کیا پایا
کسی گرتے ہوئے بیکس کو سنبھالا ہوتا

مختصر ساغرِ جم ہی پہ نہیں بادہ کشی
لوٹتا پھرتا کوئی مٹی کا پیالا ہوتا

مجھ سے آنکھیں جو لگا لیں تو ہوا کیا حاصل
کوئی ارمان مرے دل کا نکالا ہوتا

شوق ہوتا مرے قاتل کو جو گلبازی سے
میں نے سر کاٹ کے مقتل میں اچھالا ہوتا

ہاتھ سے یار کے مے پیتے تو ہوتا نہ گناہ
کوزۂ سر بچ جاتے چھوتا جو پیالہ ہوتا

حسن بے پردہ سرِ طور پکارا آ کر
چھپتے جب ہم کہ کوئی دیکھنے والا ہوتا

دلِ بیتاب پہ بجلی کی طرح گرتی تھی
شرم نے وصل میں شوخی کو سنبھالا ہوتا

غاریں دوڑیں مجھے کھانے ہیں عدم کو بھاگا
لاکھ منہ ایک میں کس کس کا نوالا ہوتا

پھول ہنس ہنس کے مرے زخمِ جگر بن جاتے
کوئی خوش ہو کے اگر دیکھنے والا ہوتا

وادیِ گرمِ محبت میں ہیں کانٹے پیاسے
کاش اک چھوٹی سی چھاگل لیے چھالا ہوتا

او بتِ اللہ تو ہے آپ رگِ گردن میں
ہاتھ ہی تو نے گلے میں مرے ڈالا ہوتا

رگِ جاں آپ ہی گر ڈوب کے اچھلی تو کیا
اس کے ڈوبے ہوئے نشتر کو اچھالا ہوتا

پیاس سے حلق میں بل کے پڑے ہیں کانٹے
چھیڑتے خنجرِ قاتل میں جو چھالا ہوتا

کیا بلا جھوم کے گھنگھور گھٹا آئی ہے
ہائے اس وقت سراگیسوؤں والا ہوتا

لذتِ داغِ محبت سے جو ہوتا آگاہ
ہوتی ہر پھول کو حسرت کہیں لالا ہوتا

لطف حسرت کی نگاہوں کا تو جب تھا کہ امیر
ان نگاہوں کا کوئی دیکھنے والا ہوتا

اٹھ کے اس محفل سے گھبراہٹ کا احسان رہ گیا
زانوئے جاناں کے نیچے دب کے داماں رہ گیا

قافلہ منزل پہ پہنچا ہائے رے واماندگی
میں پریشاں صورتِ گردِ بیاباں رہ گیا

یوں تو رکھا سیکڑوں نے تیرے مقتل میں قدم
رہ گیا جو کھیت اُسکے ہاتھ میداں رہ گیا

بوسے کی لذت میں بھولے شکوۂ دشنامِ یار
عیبِ منعم پردۂ ہمت میں پنہاں رہ گیا

جانتے ہیں گل اُسی کو ہم اسیرانِ قفس
دل میں جو داغِ تماشائے گلستاں رہ گیا

قالبِ بے روح کی کیا خاک ہو عالم میں قدر
کوچ یوسف نے کیا خالی یہ زنداں رہ گیا

دیدۂ بسمل پہ حیرانی نے پٹی باندھ دی
مرتے دم نظارۂ قاتل کا ارماں رہ گیا

پردہ پوشی تو بہت کی زخمِ دامن دار نے
خنجرِ قاتل مگر عریان کا عریان رہ گیا

پردہ الٹا رخ سے اسنے سبکو دکھلایا جمال
رہ گیا تو اک مری آنکھوں سے پنہان رہ گیا

شکر کی جا ہے بڑی سینہ شگافی کی امید
جذب دل سے ٹوٹ کر قاتل کا پیکان رہ گیا

وائے حسرت مار ڈالا مجھ کو شوقِ قتل نے
ذبح کرنے کا مرے قاتل کو ارمان رہ گیا

پردۂ وحشت ہوا افراطِ نقاہت سے نہ فاش
ہاتھ دامن سے جو پہنچا تا گریبان رہ گیا

سامنے ہی گیا سوکے آیا مصحفِ رخ کا خیال
خیر گذری جا چکا تھا آج ایمان رہ گیا

دل جو میرا بہ گیا ہو کر لہو تو بہ گیا
شکر ہے اسکی جگہ پہلو میں پیکان رہ گیا

کوچ ہے در پیش سب کو ہو گدا یا بادشاہ
آگیا اس گھر میں جو وہ روز مہمان رہ گیا

آئے بیٹھے اٹھ گئے کتنے حسین لیکن امیر
شکلِ آئینہ میں اس محفل میں حیران رہ گیا

تصور میں زلفوں کے رویا کیا
میں بالوں میں موتی پرویا کیا

وہ ہنس ہنس کے نشتر چبھویا کیا
میں رو رو کے دامن بھگویا کیا

وہاں دیکھ کر دیکھا کر وہ بت
مجھے دونوں عالم سے کھویا کیا

عجب چشم قدرت حق کے لئے بیٹھیں [illegible]
کہ [illegible] کو گویا کیا

برا خواب غفلت کا ہو وقت کو [illegible]
گزاری جوانی میں سویا کیا

ہوا جب سے وہ گل طرفدار غیر
مرے حق میں کانٹے ہی بویا کیا

تصور مژہ کا تری رات بھر
رگِ جاں میں نشتر چبھویا کیا

تڑپنے کی بسمل کے دیکھی نہ سیر
لہو سے وہ تلوار دھویا کیا

رہا خواب میں ان سے شب بھر وصال
مرے بخت جاگے میں سویا کیا

خط سبز کے غم نے غوطے دئے
خضر میری کشتی ڈبویا کیا

جوانی میں بھی یہاں شادی نہیں
میں اپنے لڑکپن کو رویا کیا

مزا وصل کی شب کا یوں بڑھ گیا | کہ کچھ دن چڑھے تک وہ سویا کیا

پس مرگ مٹی بھی اس نے نہ دی
امیر آبرو مفت کھویا کیا

ہر جام میں ہے جلوۂ مستانہ کسی کا
میخانہ ہمارا ہے جلو خانہ کسی کا

جس آنکھ کو دیکھا ہے جلو خانہ کسی کا
جس دل پہ نظر کی وہ ہے کاشانہ کسی کا

جب دیکھتے ہیں ابر سیاہ کہتے ہیں ہم مست
جاتا ہے یہ اڑتا ہوا میخانہ کسی کا

بو زلف کی لائی جو صبا ہیں نے یہ جانا
دل لینے کو آیا ہے یہ بیعانہ کسی کا

بادل ہے کہ میخانہ ہے بجلی ہے کہ شیشہ ہے
یہ رعد ہے یا نعرۂ مستانہ کسی کا

لے چل مجھے اس قاتل عالم کی گلی میں
کچھ کام کرا سے ہمت مردانہ کسی کا

ساقی نہ دکھا پھر یہ ذرا ساغر خالی
لبریز ہوا جاتا ہے پیمانہ کسی کا

چشمن کے بازار میں کیا لوٹ پڑی ہے
سو بیٹھے ہیں بھرتا نہیں پیمانہ کسی کا

اے طالع بیدار میں سوتا ہوں خبردار
پہلو سے مرے ہو نہ جدا شانہ کسی کا

کیا تم سے کہوں دل کی خرابی کا میں احوال
برباد ہو اللہ نہ گھر ایسا کسی کا

ساقی ہے حیا ہو چکے ہے نگہ شرم
وہ چھپی ہوئی آنکھ ہے پیمانہ کسی کا

فرہاد پہ کیا گزری جو تجھ پہ نہیں گزری
میں اپنے رکیوں کہوں افسانہ کسی کا

کچھ اور بڑھا دی ہے اس حسن کی مستی
آئینہ چھوٹا سا ہے پیمانہ کسی کا

آواز پری صور کی آواز کو سمجھا
حشر میں ہے مست اور دیوانہ کسی کا

نادان سمجھتے ہیں کہ پڑا بار رہا ہے
کیا جانئے کس دھن میں ہے دیوانہ کسی کا

مستوں میں کبھی دل جو ہے سو ڈھونڈا
ہو گا انہیں دیوانوں میں دیوانہ کسی کا

ہوتی ہے جگہ گنج کی ویرانے ہمیشہ
جو دل ہے شکستہ ہے کاشانہ کسی کا

نکلا ہے کسی شمع جہاں سوز کی دھن میں
ہر شب جو پھرا متانہ پروانہ کسی کا

کیونکر نہ سنیں شوق سے گل کان لگا کر
مرغان چمن کہتے ہیں افسانہ کسی کا

وہ حسن ہے اللہ کی قدرت کا تماشا
رنگ اور بتوں سے ہے جداگانہ کسی کا

بیکار امیر اپنے دل و دیدہ نہیں ہیں
آئینہ کسی کا ہے تو وہ شانہ کسی کا

حیا بولی ابھرا جو جوبن کسی کا
مٹا دوں گی میں چلبلا پن کسی کا

کہا میں نے حاضر ہے دل تو وہ بولے
کہ احسان لیں میرے دشمن کسی کا

خراماں ہوئے وہ تو بولی نزاکت
کہ مجھ سے نہ سنبھلے گا دامن کسی کا

مہ چاردہ ہو کہ خورشید محشر
کسی سے دبے گا نہ جوبن کسی کا

رقیبوں سے وہ خوش رقیب ان سے راضی
برا کہئے میں کیوں ہوں دشمن کسی کا

چمکتی نہیں ابر سے برق تاباں
لٹکتا ہے پردے سے دامن کسی کا

نہیں پہلوئے گل میں دل تنگ غنچہ
جوانی سے روٹھا ہے جوبن کسی کا

ادھر بھی کرم اے نسیم بہاری
ترستا ہے پھولوں کو مدفن کسی کا

نظر جاتے ڈرتی ہے چین جبیں سے
یہ چلمن چھپائے ہے جوبن کسی کا

نہ کر خشک اے سوز غم خون میرا
مجھے اس سے رنگنا ہے دامن کسی کا

وہ کیا جانے ہوتی ہے کیسی جوانی
ابھی کھیلتا ہے لڑکپن کسی کا

کچھ اس درد سے عشق میں کوئی رویا
اثر چیخ اٹھا سن کے شیون کسی کا

جوانی کی آمد ہے ہوتا ہے رخصت
وہ نازوں کا پالا لڑکپن کسی کا

شباب آ چکا اب کسے دیکھتا ہے
امیر اٹھ گئے سر بار جوبن کسی کا

تا بہ گویائی نہیں رکھتا دہن تصویر کا
خامشی کہتے ہیں جس کو ہے سخن تصویر کا

ساتھ جائیگا عدم تک پیرہن تصویر کا
پیرہن تصویر کا ہوگا کفن تصویر کا

دل مرا سینے میں کیا اتنے دو عالم میں نہیں
چلدیا پھینکے خیال اُس بت ہرجائی کا

تجھ کو بھی جلوہ گرِ ناز ہیں رو کا تھا ما
حوصلہ دیکھ لیا اپنے تماشائی کا

پھرتی ہے حسرتِ پابوس دو عالم میں تباہ
اک جگہ پاؤں ٹھہرتا نہیں ہرجائی کا

اپنے جلوے کو وہ خود دیکھ کے کہہ اٹھتے ہیں
واہ کیا آنکھ ہے کیا دل ہے تماشائی کا

دشت میں لالہ ہے گلزار میں گل بزم میں شمع
ہر جگہ رنگ نیا ہے مرے ہرجائی کا

دوڑ کر برقِ تجلی نے سنبھالا اُس کو
لڑکھڑایا جو قدم تیرے تماشائی کا

سرِ شب و روز جو وحشت سے ہے چکر میں امیر
یہ بھی شاید ہے قدم اُس بت ہرجائی کا

موقوف بیخودی پہ ہے جلوہ حبیب کا
اپنی خودی پہ ہے مجھے دھوکا رقیب کا

صیاد دیکھ تو پاس ہے لازم غریب کا
لٹکا ہے شاخِ گل سے قفس عندلیب کا

اللہ رے پاس عشق میں مجھ کو حبیب کا
آنسو ٹپک پڑے جو دکھا دل رقیب کا

ہوں وہ مریضِ غم کہ بدلتا ہے روز رنگ
ٹھہرا مرا مزاج کبھی نسخہ طبیب کا

عشاق کی خزاں سے ہے معشوق کی بہار
تازہ ہے روئے گل کو لہو عندلیب کا

کس نے دہن پہ غنچے کو یارب دکھا دیا
اتنا سا ہو گیا ہے جو منہ اس غریب کا

سمجھے جسے تجلیِ نورِ خدا کلیم
در پردہ تھا جمال خدا کے حبیب کا

ہر سرو پر نثار ہوں ہر گل پہ سینہ چاک
قمری کا دل ملا ہے جگر عندلیب کا

مارے خوشی کے جامے سے باہر ہے آئنہ
منہ دیکھ کر اٹھا تھا یہ کس خوش نصیب کا

تار ایک ہی ہے سبحہ و زنار کا امیر
اسلام و کفر میں بھی ہے رشتہ قریب کا

شبنم و گل کو جو ہنستے ترے ہوتے دیکھا
تونے سے چاک گریباں اُسے روتے دیکھا

کبھی موتی نہ ہوئے یار کے دانتوں سے سفید
آبرو مفت میں جھوٹوں کو ڈبوتے دیکھا

گھر مرا گورِ غریبان سے بھی بڑھ کر ہے خراب
بن پڑی کیسی کہ غفلت میں لیا بوسۂ رُخ
عیش میں سوختہ بختوں کو ہے اندوہ نصیب
دِل ترے عاشقِ حیران کا شگفتہ کیا ہو
ہوں وہ عاشق کہ جلادیم رقابت سے جگر
فتنہ ہے سارے زمانے کا ترا دانۂ خال
کیا بُرا عشق کا کوچہ ہے کہ اس میں سبکو

گُل کو ہنستے نہ یہاں شمع کو روتے دیکھا
جاگ کُر بیٹھے بخت مرے اُسکو جو سوتے دیکھا
شمع کو محفلِ شادی میں بھی روتے دیکھا
کس نے گُل غنچۂ تصویر کو ہوتے دیکھا
شمع کو اشک سے دامن جو بھگوتے دیکھا
سیکڑوں محفلوں میں بس اسے بوتے دیکھا
جان کو مال کو ایمان کو کھوتے دیکھا

ہے مرض تم کو تو رونے کا ہمیشہ سے امیر
یوں ہی رومال پہ رُومال بھگوتے دیکھا

تنہا وہ بیاں میں نقشہ جو تری جلوہ گری کا
آخر ہوں میں عالم ہے چراغِ سحری کا
ہر صبح کو یہ شور ہے مرغِ سحری کا
وقفہ نہیں آب بزم سے ہوتا ہے یہ رخصت
دیتا ہے خبر پر خبر احباب کا اُٹھنا
مستی میں کہیں دیکھ لی اُس ماہ کی رفتار
اللہ کی قدرت کا تماشا وہ صنم ہے
میخانے میں دَورِ ہے گر رنگ نہیں ہے
یاد آتا ہے گلزار میں اُس گُل کا وہ سونا
ڈر ہے یہ خبر اُڑ کے نہ صیاد کو پہنچے
کچھ روز ابھی صبر کرلے پنجہ وحشت
احباب دمِ نزع مجھے دیکھ رہے ہیں

مُنہ پھیر لیا دیکھ کے رُخ ہنسنے پری کا
لو چل خبر وقت نہیں بے خبری کا
چونکو کہ زمانہ نہ رہا بے خبری کا
مُنہ دیکھ رہا ہوں میں چراغِ سحری کا
پردہ نہیں اُٹھتا ہے مگر بیخبری کا
ہلکا ہوا پڑتا ہے قدم کبک دری کا
چہرہ ہے اگر حور کا جوبن ہے پری کا
اندر کے اکھاڑے میں ہے رقص پری کا
آنا وہ دبے پاؤں نسیمِ سحری کا
اچھا نہیں چرچا مری بے بال و پری کا
ہے موسمِ گل لطف نہیں جامہ دری کا
مُنہ تکتے ہیں پروانے چراغِ سحری کا

گھبرا کے چلے آئے مرے گھر وہ امیر آج
احسان ہؤا مجھ پر مری بے خبری کا

عمر برق و شرار ہے دنیا
کتنی بے اعتبار ہے دنیا

داغ سے کوئی دل نہیں خالی
کیا کوئی لالہ زار ہے دنیا

ہر جگہ جنگ ہر جگہ ہے نزاع
عرصۂ کارزار ہے دنیا

نشۂ عیش یاں نصیب کسے
کہ سراپا خمار ہے دنیا

یار باشی کا شوق ہے اس کو
یار لوگوں کی یار ہے دنیا

اہل رغبت سے کرتی ہے نفرت
بڑی پرہیزگار ہے دنیا

آنے جانے پہ سانس کے ہے مدار
سخت ناپائدار ہے دنیا

اپنے مستوں سے بھاگتی ہے مدام
کس قدر ہوشیار ہے دنیا

ایک جھونکے میں ہے اِدھر سے اُدھر
چاروں کی بہار ہے دنیا

کوئی کافر کوئی مسلمان ہے
مجمعِ نور و نار ہے دنیا

بدتر اسکو سمجھ خزاں سے امیر
دیکھنے کو بہار ہے دنیا

جی ہی لے گا غمِ جاناں میرا
مجھ کو کھا جائیگا ہجران میرا

ملک الموت جسے کہتے ہیں
زندگی بھر ہے نگہبان میرا

تجھ سے دامن ہے ترا چیں بہ جبیں
تنگ ہے مجھ سے گریبان میرا

شرم کی بات ہے لے دُزدِ کفن
گور دیکھے تن عریان میرا

چھیڑ ہے یہ بھی پریزادوں کی
[illegible] میرا

ہوں وہ غمِ دوست جلوں میں جو آگ
بھُن کے دانہ ہو جو خندان میرا

رنگ لائی ہے یہ خونبازیِ چشم
دامنِ گل ہے گریبان میرا

دفترِ دہر پریشان ہوا کبھی — دل جو ہو جائے پریشان میرا
بیت ابرو کے لکھے ہیں مضمون — دفترِ حسن ہے دیوان میرا
چار آنسو جو ندامت سے بہے — دھو گیا نامۂ عصیان میرا
پھر کہاں ہیں غمِ محبوب کہاں — اور دو دن ہے یہ مہمان میرا
ضعف سے ہوں صفتِ تارِ نظر — کیا کرے گی صفتِ مژگان میرا
رحم کر رحم کر اے دستِ جنوں — پاؤں پڑتا ہے گریبان میرا
کیوں اٹھا درد مرے پہلو سے — کیوں خفا مجھ سے ہے مہمان میرا

کیا دو رنگی ہے زمانے کی امیر
ہیں خزیں زخم ہے خندان میرا

میرے دل میں اگر آپ آئیے گا — درد کی طرح چمک جائیے گا
میری تربت پر اگر آئیے گا — عمرِ رفتہ کو بھی بلوائیے گا
سب کی نظروں پہ نہ چڑھیے اتنا — دیکھیے دل سے اتر جائیے گا
آپ کے در سے ہیں اٹھنے کا نہیں — کیا جنازہ ہے جو اٹھوائیے گا
دیر کو چلیے ابھی حضرتِ دل — کبھی کعبے کو بھی ہو آئیے گا
میں تو ہوں حضرتِ ناصح مدہوش — کون سمجھے گا جو سمجھائیے گا
زندگی میں تو نہ آئے اک دن — آپ مرقد پہ ضرور آئیے گا
شیخ ناکیں تو کہے دخترِ رز — کیا ہیں شربت ہوں جو پی جائیے گا
اس قدر کیوں ہے دلِ زار سے ناز — بوجھ بیمار سے اٹھوائیے گا
حکم ہے شمع بجھا دو شبِ وصل — کیا اندھیرے میں نہ گھبرائیے گا
آئیے نزع میں بالیں پہ مری — کوئی دم بیٹھ کے اٹھ جائیے گا
وصل میں بوسۂ لب دیکے کہا — منہ سے کچھ اور نہ فرمائیے گا

زرق برق آپ کی بیوجہ نہیں / درد دل کو مرے چمکائیے گا

ہاتھ میں نے جو بڑھایا تو کہا / بس بہت پاؤں نہ پھیلائیے گا

زہر کھانے کو کہا تو بولے / ہم جلا لیں گے جو مر جائیے گا

حسرتیں نزع میں بولیں مجھ سے / چھوڑ کر ہم کو کہاں جائیے گا

رنگ گل ہو کے چمن میں رہیئے / بوئے گل ہو کے نہ اُڑ جائیے گا

دل مرا لے تو چکے ہیں سرکار / کہیں ناز اس سے نہ اُٹھوائیے گا

آپ سُنیئے تو کہانی دل کی / نیند آ جائے گی سو جائیے گا

آنکھ میں کھیل نہ جائے کاجل / دیکھئے بن کے بگڑ جائیے گا

جس طرح عمر گذرتی ہے امیر / آپ بھی یوں ہی گزر جائیے گا

ہو چکا وعدہ کہ کل آئیے گا / دیکھئے اب نہ بدل جائیے گا

آئنہ دیکھ کے پچھتائیے گا / دیکھیے دیکھیے شرمائیے گا

رنگ لے حضرت دل لائیے گا / کسی مہندی میں جو پس جائیے گا

وعدہ آنے کا جو فرمائیے گا / جیسے آج آئے تھے کل آئیے گا

دل کو قابو میں اگر لائیے گا / شوخ ہے خوب اسے تڑپائیے گا

اتنی گھر جانے کی جلدی کیا ہے / بیٹھئے جائیے گا جائیے گا

داغ پر داغ وہ دے کر بولے / دل کو ان پھولوں سے بہلائیے گا

داور حشر سے میں ڈرتا ہوں / وہ زبردست ہے چھن جائیے گا

کہتے ہیں کہہ تو دیا آئیں گے / اب یہ کیا ضد ہے کہ کب آئیے گا

ڈبڈبائے مرے آنسو تو کہا / روئیے گا تو ہنسے جائیے گا

ہائے کیا دیکھ کے دل دے کوئی / آنکھ کی طرح بدل جائیے گا

لاکھ پردوں میں وہ ہیں حضرتِ دل / کہیں دھوکا نہ کوئی کھائیے گا

ہے شبِ وصل حیا شام سے کیوں / جانِ من صبح کو شرمائیے گا

گھر سے چلیے مرے تابوت کے ساتھ / کہیں کترا کے نکل جائیے گا

بولے وہ آئنہ دکھلانے پر / کیا مجھی سے مجھے لڑوائیے گا

بیخودی کہتی ہے غش میں مجھ سے / آپ میں اب نہ کبھی آئیے گا

رات اپنی ہے ٹھہریئے تو ذرا / آئیے بیٹھیے گھر جائیے گا

کہتے ہیں ہجر کا رونا کیا ہے / میں نہ آؤنگا تو آپ آئیے گا

گرمیاں دیکھیے کہتی ہے وہ تیغ / ٹھنڈے ہو لیجیے پھر جائیے گا

گرمیِ شوق یہی ہے تو امیر
آپ اسی آگ میں جل جائیے گا

کہا مژہ نے ہوا جب مقابلہ دل کا / کہ اتنے نیشتر اور ایک آبلہ دل کا

اٹھو گلے سے لگا لو مٹے گلہ دل کا / ذرا سی بات میں ہوتا ہے فیصلہ دل کا

دم آکے آنکھوں میں اٹکے تو کچھ نہیں کھٹکا / اٹک نہ جائے الٰہی معاملہ دل کا

مری بغل میں وہ بیٹھا تو غیر کو لیکر / دبا کے توڑ دیا اس نے آبلہ دل کا

کڑی نگاہ کی او سنگدل اٹھیگی نہ چوٹ / کہ شیشے سے کہیں نازک ہے آبلہ دل کا

تمہارے غمزوں نے کھوئے ہیں ہوش صبر و قرار / انہیں لٹیروں نے لوٹا ہے قافلہ دل کا

خدا ہی ہے جو کڑی چتونوں سے جان بچے / ہے آج دلشکنوں سے مقابلہ دل کا

تم اپنی اٹھتی جوانی کی شوخیاں دیکھو / ابھر ابھر کے بڑھاتی ہے ولولہ دل کا

لپٹ گئے مرے سینے سے اٹھ کے وصل کی شب / انہیں بھی آج مزہ دیگیا مزہ دل کا

بدل کے یار نے چتون ہٹائے جھگڑے / نہ میں رہا نہ رہا دل نہ وہ گلہ دل کا

ہوئی رسائی تو ظالم نے کھول دی چوٹی / کہاں پہنچ کے ہوا قطع سلسلہ دل کا

تڑپ ہے اُسکو جو ناوک کی اُسکو پیکانکی
وہ مشغلہ ہے جگر کا یہ مشغلہ دِل کا

پڑی نگاہ جو دل پر تو حسرتوں نے کہا
کہ تیر بھر کا ہے دلبر سے فاصلہ دل کا

جرس پکار رہا ہے کہ خیر ہو یا رب
چلا ہے راہِ محبت میں قافلہ دِل کا

ہیں کاروان میں اڑاؤ نگا تم کو یوسف سے
جرس سے نالوں میں ہوگا مقابلہ دِل کا

وہ دن کہاں ہیں جو رہتا تھا دلسے شکوہ یار
اب اُس سے چلکے ہیں کرنے لگا گلہ دِل کا

نگاکے یار کی تصویر اپنے سینے سے
نکال لیتے ہیں فرقت میں عوض صلہ دِل کا

عجب بہار جنوں خیز ہے کہ غنچے بھی
چٹک چٹک کے دکھاتے ہیں ولولہ دِل کا

نہ سیرِ عرش ہے مشکل نہ قطعِ راہِ حرم
خدا کرے کہیں طے ہو یہ مرحلہ دِل کا

تعلّیاں دلِ سوزاں کی عشق میں دیکھو
بنا ہے عرش کی قندیل آبلہ دِل کا

یہ جُھک کے کہتی ہیں کانوں میں بجلیاں اُنکی
تڑپ میں ہوگا نہ ہمسے مقابلہ دِل کا

امیر بھول بھلیاں ہے کوچۂ گیسو
تباہ کیوں نہ پھرے اس میں قافلہ دِل کا

پرتو نہیں کب اسمیں کسی خوش جمال کا
بزمِ پری ہے آئنہ اپنے خیال کا

ہر ذرّہ آفتاب سے کرتا ہے ہمسری
اللہ رے داغ ترے پایمال کا

سمجھے ہیں جس کو اہلِ نہیں چرخِ آبگوں
اِک شیشہ ہے مرے عرقِ انفعال کا

روشن دلوں کا عیب بھی بے شبہہ ہے ہنر
کیونکر نہ بڑھ کے ہار ہو ناخنِ ہلال کا

اے چشمِ یار بھاگ نہ مجھ تیرہ بخت سے
ہمراہ ہے غزال کے سایہ غزال کا

تیرِ نگہ جب اُس کا چلا ہے سوئے فلک
چلّہ اڑا دیا ہے کمانِ ہلال کا

کس زلفِ مشکفام کا عکس اسمیں پڑ گیا
عالم ہے آرسی میں جو نافِ غزال کا

ہل ہل کے اپنی دامنِ گیسو نے دی ہوا
شعلہ بھڑک گیا ترے حسنِ جمال کا

کیا کام آئیگی تری گردش پھرے فلک
فرقت کی شب سے روز بدلدے وصال کا

مجھ تک کب آسکیگی سپاہِ سزائے جرم / دریا ہے بیچ میں عرقِ انفعال کا
احمدؐ جو تھے رحیم نہ تھا سایہ اسلیے / دل پس نہ جائے زیرِ قدم پائمال کا

شوقِ جوابِ خط ہے دمِ نزع بھی امیر / ہوں منتظر میں قاصدِ فرخندہ فال کا

گور میں تم نے جو لاشے کو اُتارا ہوتا / اے بتو خاتمہ بالخیر ہمارا ہوتا
رخِ جاناں کا میسّر جو نظارا ہوتا / مہرِ تاباں مری قسمت کا ستارا ہوتا
دیکھتے چہرے کو اپنے اگر آئینے میں / حال جو کچھ ہے ہمارا وہ تمہارا ہوتا
دل کو اُس زلف کا لازم تھا تصوّر اتنا / کہ دھواں آہ کا بھی عنبرِ سارا ہوتا
ہم وہ میکش ہیں کہ ہے اپنی نگاہوں میں اثر / سر کے بل دوڑتے شیشے جو اشارا ہوتا
وعدۂ قتل میں منظور تھا ایسا جو خلاف / ہاتھ پہ ہاتھ نہ جلّاد نے مارا ہوتا
چاہی فرعون نے موسیٰ سے مدد چوک گیا / غرق ہوتا نہ اگر تم کو پکارا ہوتا
کیا نگہ بھی نہیں اُٹھ سکتی تھی خنجر کیطرح / تاک کر تم نے کوئی تیر ہی مارا ہوتا
نزع کے وقت چھپائی تھیں نہ تم کو پلکیں / ڈوبتے وقت تو تنکے کا سہارا ہوتا
خط مرا لیکے کبوتر جو پہنچتا اُس تک / نسرِ طائر مرے طالع کا ستارا ہوتا
غیر کے ساتھ پلاتے تو نہ پیتا میں شراب / ننگ کیونکر یہ مرے دل کو گوارا ہوتا

برخلاف ایسی ہوا باغِ جہاں کی ہے امیر / پھول کو ہاتھ لگاتا تو شرارا ہوتا

میری طرح نہ اک دن ابرِ بہار رویا / وہ ایک بار رویا میں لاکھ بار رویا
مجنوں سے میں نے پوچھا کل حال بیخودی کا / کچھ کہہ سکا نہ منہ سے پر زار زار رویا
کیا بیکسی کا عالم میرے مزار پر ہے / جو آگیا وہ بنکر شمعِ مزار رویا
آواز دے رہے ہیں مقتل میں زخمِ بسمل / خنداں ہوا جو پہلے انجام کار رویا

پوچھی امیر سے کل میں نے جو دل کی حالت
سینے پہ ہاتھ رکھ کر بے اختیار رویا

یہ گرم اپنا داغِ جگر ہو گیا
پسینے میں خورشید تر ہو گیا

سفر میرے حق میں حضر ہو گیا
جہاں تھک کے بیٹھا میں گھر ہو گیا

غضب اشکباری سے عقدے پڑے
کہ کوتاہ تارِ نظر ہو گیا

دکھائی مرے عشق نے شانِ حسن
تنِ زار موئے کمر ہو گیا

غضب ہیں تری چٹکیاں ای فلک
کلیجہ گلِ نیلوفر ہو گیا

دیا مژدۂ آبروِ اشک کو
جو پانی کا قطرہ گہر ہو گیا

گیا اُڑ کے اُس شوخ کے ہاتھ تک
مرا نامہ خود نامہ بر ہو گیا

ملے ہیں شرر کے مجھے بال و پر
اُڑا اور بے بال و پر ہو گیا

کہاں ہم کہاں [illegible] ترا شاہِ حسن
فقیرانہ یاں بھی گزر ہو گیا

وہاں پُرزے پُرزے ہُوا خط امیر
یہاں خاک سیدا جگر ہو گیا

موقوف جرم ہی پہ کرم کا ظہور تھا
بندے اگر قصور نہ کرتے قصور تھا

میرے سیاہ خانے میں شب کو وہ حور تھا
پُتلی کی طرح پردۂ ظلمت میں نور تھا

اے برقِ حسنِ یار یہ اچھا ظہور تھا
دیدار کو کلیم تھے جلنے کو طور تھا

واعظ دبی زبان سے کرتا تھا ذکرِ حور
اتنا لحاظ دخترِ رز کا ضرور تھا

بانٹا تمام خلق کو اللہ نے وہی
جو کچھ بچا ہُوا تری خلقت سے نور تھا

اے شورِ حشر قہر کیا کیوں جگا دیا
گوشہ مزار کا مجھے آغوشِ حور تھا

ہم کیا کہ میکدے میں ترے جامِ چشم سے
جو شیشہ تھا وہ نشۂ مستی سے چور تھا

آیا بڑا مزہ مجھے مجلس میں وعظ کی
واعظ تھا مست ذکرِ شرابِ طہور تھا

آجائے بس میں وہ تو کہوں میں شب وصال
وہ شوخیاں کہاں گئیں جن پر غرور تھا

عجز و نیاز اِدھر تو اُدھر تو تھا غرور و ناز
جتنے تھے ہم قریب وہ اُتنا ہی دُور تھا

میرے عمل تو قابلِ دوزخ ہی تھے مگر
کرنا جو وہ نہ رحم تو رحمت سے دُور تھا

لپٹا میں بوسہ لیکے تو بولے کہ دیکھئے
یہ دوسری خطا ہے وہ پہلا قصور تھا

کس کس کو روکتا شبِ فرقت کہ میں تو ایک
اور جان بیقرار تھی دلِ ناصبور تھا

تھا اُن کی شوخیوں سے مقابل جگر بھی کچھ
پورا مگر جواب دلِ ناصبور تھا

نیچی رقیب سے نہ ہوئی آنکھ عمر بھر
جھکتا میں کیا نظر میں تمہارا غرور تھا

فرقت میں کیوں نہ تھا کسی کروٹ مجھے قرار
کیا دونوں پہلوؤں میں دلِ ناصبور تھا

کیا بات امیر جوش نشاطِ شباب کی
غم آتے آتے دل میں ہمارے سرور تھا

اُستاد میل جل میں اُس کا ظہور تھا
پریوں میں تھا پری وہ حوروں میں حور تھا

جب تک کہ چشمِ شوق میں وحدت کا نور تھا
جب بام پر نگاہ پڑی کوہِ طور تھا

ہم سے گناہگار جو محروم رہ گئے
ساقی مگر یہ جامِ شرابِ طہور تھا

صورت تیری دکھا کے کہونگا یہ روزِ حشر
آنکھوں کا کچھ گناہ نہ دل کا قصور تھا

قاتل نہ چھوڑتا تھا غریبوں کو نیم جان
ایک آدھ ہاتھ اور لگانا ضرور تھا

وہ لطفِ انتظار وہ سامانِ وصل ہائے
دل کو غمِ فراق میں بھی کیا سرور تھا

مہمان ایک آن کی تھی آن حسن کی
اتنی سی بات پر تمہیں اتنا غرور تھا

پیتے تھے ہم ادب سے وضو کر کے جن دنوں
ہر ایک جام جامِ شرابِ طہور تھا

اس شان سے وہ آئے کہ ہم کر سکے نہ بات
آنکھیں تھیں مستِ ناز نظر میں غرور تھا

دشمن مرے بُرائی کریں اور تم سنو
اُن سے نہ تھا بعید مگر تم سے دُور تھا

تڑپا جو وقتِ ذبح تو میری تھی یہ خطا
خنجر کیا نہ تیز یہ کس کا قصور تھا

آغازِ عشق ہی سے سب آثار تھے بُرے
پہلے ہی تجھ سے صبر دلِ ناصبور تھا

شکوہ کسی سے دل شکنی کا کروں میں کیا
یہ شیشہ چوٹ کھانے سے پہلے ہی چُور تھا

اُس حُور نے نقاب اُٹھا کر دکھا دیا
ستر ہزار پردوں میں پنہاں جو نور تھا

وہ شوخ آنکھ شوخ نگہ شوخ تھی مگر
سب کا جواب ایک دلِ ناصبور تھا

ہمزاد کا پتہ تو کہاں دستِ عشق میں
سایہ بھی میرا مجھ سے بہت دُور دور تھا

اک نیم جان کا کام نہ پورا ہُوا اسیر
قاتل کو تیغِ ناز پہ ناحق غرور تھا

پہلو میں میرے بیٹھ کے بھی مجھ سے دُور تھا
تصویر کی طرح وہ سراپا غرور تھا

جنت تھا جسم روح میں اندازِ حُور تھا
سمجھے نہ ہم یہ فہم کا اپنے قصور تھا

اُس حُور نے جو ہاتھ سے اپنے پلا دیا
پانی میں بھی سرورِ شرابِ طہور تھا

جتنی تھی عاجزی وہ مجھی کو عطا ہوئی
بخشا خدا نے آپ کو جتنا غرور تھا

ہُو حق تمام وعظ کی مجلس میں مچ گئی
چوتھی شراب ذکرِ شرابِ طہور تھا

سمجھے تھے جس کو مردمکِ چشمِ یار ہم
دستِ پری میں دامنِ گیسوئے حُور تھا

شاہوں سے پوچھتی ہے تہِ خاک عاجزی
کیسی یہ تمکنت تھی یہ کیسا غرور تھا

وحدت میں قرب و بُعد کی گنجائشیں کہاں
کیونکر کہوں قریب کہ وہ مجھ سے دُور تھا

صبحِ شبِ وصال وہ بولے کہ واہ واہ
کیا سستے چھوٹے کہکے کہ میرا قصور تھا

جب تک وہ آئیں آئیں تڑپ کر یہ چل دیا
کیا جلد باز ہائے دلِ ناصبور تھا

اُسکی کڑی نظر کی اُٹھائی گئی نہ چوٹ
لگتے ہی ٹھیس شیشۂ دل چُور چُور تھا

کیا کہئے تھا وصال میں کس کس کو اضطراب
رگ رگ میں میری رنگِ دلِ ناصبور تھا

تھے خالِ رُخ پہ رُخ تھا تو گیسوئے سیاہ
ظلمت وہ نور میں تھی یہ ظلمت میں نور تھا

پہلو میں وہ جو آئے تو کیسا ٹھہر گیا
بگڑا ہوا کبھی سے دلِ ناصبور تھا

آئی جو شام وعدہ تو منہ دی طلب ہوئی / مطلب کے وقت دیکھئے کیسا شعور تھا

بجلی چمک گئی تو یہ عشاق سے کہا / تم میں سے کسی کا دل نا صبور تھا

سو شعر ایک جلسے میں کہتے تھے ہم امیر / جب تک نہ شعر کہنے میں ہم کو شعور تھا

غیر تو زندہ ہے پھر غم ہے مری جان کس کا / سوگ رکھے ہوئے ہے زلف پریشان کس کا

عمر گزری مجھے اس بزم میں لیکن نہ کھلا / میزبان کون ہے میرا میں ہوں مہمان کس کا

وصل میں بھی جو نکلتا نہیں دل سے باہر / منہ چھپائے ہوئے بیٹھا ہے یہ ارمان کس کا

دیکھ کر مجھ کو وہ انداز و ادا سے بولے / کہ اسے کس نے بلایا یہ ہے مہمان کس کا

منہ ترا چومتی ہے روز شکایت کس کی / ذکر رہتا ہے بدی سے یہ مری جان کس کا

میں بھی ہوں تم بھی ہو آئنہ بھی ہو محفل میں / دیکھو پھر حال زیادہ ہے پریشان کس کا

رو رہا ہوں میں یہ کس پردہ نشین کے غم میں / ڈھونڈنے نکلے ہیں آنسو مرے دامان کس کا

یاں تو ہے دل میں کھٹک اور وہ فرماتے ہیں / سچ کہو تم یہ جگر لائے ہو پیکان کس کا

خون میں بھر کے جو نکلا مرے دل سے تو کہا / لپٹ آیا یہ مرے تیر سے پیکان کس کا

جب کہا روز نمک زخم پہ چھڑکے کوئی / بولے وہ مفت کا ایسا ہے نمکدان کس کا

بوسہ جبڑے کو دیا میں نے تو ہنس کر بولے / آ گیا کفر کی مٹھی میں یہ ایمان کس کا

لٹ گیا وصل میں جوبن تو یہ غمزے سے کہا / ہٹ مرے پاس سے تو ہے یہ نگہبان کس کا

سوچ تو کس کے نکلنے کی یہ حسرت ہے امیر / بیمروت یہ ترے دل میں ہے ارمان کس کا

پردہ اس چہرے سے جدا نہ ہوا / ہائے دم بھی مرے جدا نہ ہوا

پہلا ہوا وعدہ اور وفا نہ ہوا / ہو گیا ایک سب ہوا نہ ہوا

کام جان حسب مدعا نہ ہوا / دل پسا تو نا حنا نہ ہوا

ہائے بیدرد کیا مزہ ہوتا
تیرے پہلو میں دل مزا نہوا

یار ثابت قدم تھا شوقِ وصال
کہ شبِ ہجر بھی جدا نہوا

دھوم تھی اُن کی لن ترانی کی
کیا کہیں ہم سے سامنا نہ ہُوا

ہائے رے شرم اُس پریرو کی
آئنہ صورت آشنا نہ ہُوا

خامشی میں بھی کیا حلاوت ہے
گو کبھی لب سے لب جدا نہ ہُوا

تیس دن مے پلائی ساقی نے
ایک روزہ مرا قضا نہ ہُوا

فتنے کہتے ہیں اُن نگاہوں سے
چشم بد دور تم سے کیا نہ ہُوا

کیوں نہ منصور دار پر کھینچتا
رازداری کا حق ادا نہ ہُوا

داغ دلسوز تو ہُوا اے درد
تو کسی درد کی دوا نہ ہُوا

آئنہ دل کا بے مثال رہا
کسی صورت سے آشنا نہوا

شکر اس نمک فشانی کا
منہ تو زخموں کا بے مزا نہوا

کھیت لاکھوں بہے مگر قاتل
سبزۂ شمشیر کا ہرا نہوا

پتلیاں بھی بدل گئیں وہم نزع
وقت پر کوئی آشنا نہ ہُوا

شرم عصیاں سے جو بہا آنسو
اُس کی رحمت کو اک بہانہ ہُوا

مجھ کو درد آشنا کیا لیکن
درد خود درد آشنا نہوا

اسنے سو سو طرح گلا گھونٹا
خوف سے دم مرا خفا نہوا

دل ہوا خون پر وفا ہے وہی
رنگ اس پھول سے جدا نہوا

بیوفائی کو تیری لگتا داغ
وعدہ اچھا ہُوا وفا نہ ہُوا

کہتے ہیں اب تو رشک ہے شکووں کی
چترہ ہماری ہوئی گلا نہوا

کوئی دم رکھدے ہاتھ سے خودبیں
آرسی ٹھہری آشنا نہوا

کنگھی کیسی جو پھول کنگھی کا
چھولیا اُس نے درد شانہ ہُوا

صورتِ لالہ اس چمن میں امیر
داغ دل سے مرے جدا نہوا

اے فلک یہ رُت یہ متوالی گھٹا
اب تو راتیں ہجر کی کالی گھٹا

لائے ساقی کو بھی متوالی گھٹا
کچھ مزہ دیتی نہیں خالی گھٹا

تم بھی جوڑا کھول دو وہ آگئی
بال کھولے گیسوؤں والی گھٹا

گل نہیں پھولے چمن میں لائی ہے
میکشوں کی نذر کو ڈالی گھٹا

پھونک دیگی اُسکی ٹھنڈی گرمیاں
جیت لیگی برق سے پالی گھٹا

پان کی لالی پہ ہے بجلی نثار
مِسّی پر قربان ہے کالی گھٹا

جان پر توبہ کی ٹوٹیں بجلیاں
خوب برسی بجلیوں والی گھٹا

حلقۂ گیسو نہیں پھرتی ہے گرد
دیکھ کر اُس کان کی بالی گھٹا

پھول چلکر باغ میں مستو پیو
آئی ہے لینے کو متوالی گھٹا

رنگ پھیکا آئے بجلی کا نظر
دیکھ لے اُس لب کی گر لالی گھٹا

ہے سبو مستوں سے ایسا میل جول
رعد نہیں گھڑ کے توڑے گالی گھٹا

کچھ تو ہو اے چرخ برسے یا کھلے
کیسی امسال جنجالی گھٹا

کیا گلے ملتی ہے متوالوں سے آج
کھول کر آغوش متوالی گھٹا

ہجر ساقی میں برستی یہ نہیں
کرتی ہے رو رو کے دل خالی گھٹا

ساقیا اے چھان کر اس میں پلا
چھاننے کو لائی ہے جالی گھٹا

گورے گورے گال تیری بجلیاں
کالی کالی کاکلیں کالی گھٹا

لوٹتے ہیں سانپ سینے پر امیر
دیکھ کر فرقت کی شب کالی گھٹا

دیکھ ان کانوں کی گر بالی گھٹا
اپنی بجلی پھینکدے کالی گھٹا

وحشت رز کو لاتی ہے مستوں کے پاس
کرتی ہے در پردہ دلّالی گھٹا

رات دن لٹتے ہیں موتی ہر طرف
کیا تری سرکار ہے عالی گھٹا

ایسی ہے سرکار ساقی کی بلند
رعد ہے گھڑیال گھڑیالی گھٹا

مست تجھ کو دیکھ کر پیتے ہیں مے
ہے بڑی تیری خوش اقبالی گھٹا

جان کو مستوں کی تھی تو یہ عذاب
یہ بڑی تو نے بلا ٹالی گھٹا

والپہ غم چھایا ہے بکلی کی طرح
اے مرے مولا مرے والی گھٹا

آ گئیں پھر واعظوں کی شامتیں
آج پھر آئی وہ کل والی گھٹا

ساقیا کرتی ہے مستوں کو نہال
تیری پھلواری کی ہے مالی گھٹا

تاک میں تیری ہوا میخوار مست
کس سے ہوگی تیری رکھوالی گھٹا

آپ اچھے وقت پر آئے امیر
خوب میخانے پہ جب چھالی گھٹا

نکالتی ہے چاند سا منہ کسی کا
ستارہ ہے چمکا ہوا آرسی کا

ہنسی آنے ہیں کیوں لجائیں نہ آنکھیں
تبسم یہ منہ چومتا ہے کسی کا

لڑاتی ہے آنکھ اس سے ڈرتی نہیں ہے
ذرا دیدہ دیکھے کوئی آرسی کا

یہ کیا ہے کہ جب مانگیے اُن سے بوسہ
تو منہ دیکھنے لگتے ہیں آرسی کا

دبائے تو لاکھا ہی شاید دبائے
بہت شوخ ہے رنگ اُنکی مسّی کا

چڑھائی ہے منہ جب وہ ملتے ہیں مسّی
میں پاؤں تو منہ توڑ دوں آرسی کا

ودم رقص ہاتھوں کو اتنا نہ پلیسو
کہیں یار دل پس نہ جائے کسی کا

ہنسا عکس ہنسنے پر اُنکے تو بولے
کہ میرے ترے واسطہ کیا ہنسی کا

نہ غیروں کی حسرت بر آئی نہ میری
کبھی کام تم سے نہ نکلا کسی کا

جھلک کے سکے ہونٹوں نے دکھلا کے چلدی
لجانا ذرا کوئی دیکھے ہنسی کا

قضا نے کچھ اس ناز سے جان مانگی
کہ یاد آگیا مجھ کو غمزہ کسی کا

کبھی اُس کے لب پر کبھی اُسکے لب پر
ٹھہرتا نہیں پاؤں چنچل ہنسی کا

کیا دل نے یہ کہکے سینے کو خالی
کہ ارمان اب اس میں رہیگا کسی کا

یہ اوچھا پن اے زخم اچھا نہیں ہے
کہ رونا ہے انجام ایسی ہنسی کا

مجھے موت آئی تو حسرت پکاری
کہ دُنیا سے وارث اُٹھا بیکسی کا

یہی ہے نزاکت جو اُنکی تو لے دل
کبھی وقت آ جائیگا بے بسی کا

پہ گورِ غریبان میں کہتی ہے حسرت
کہ اصلی وطن ہے یہی بیکسی کا

کوئی اُن کو چھیڑے زہے بدگمانی
وہ کہتے ہیں یہ کام تو ہے اُسی کا

مرے ساتھ تربت میں حسرت تو آئی
ہوا حال کیا جانے کیا بیکسی کا

نہالِ محبّت مرا رنگ لایا
وہ پھولوں میں آئے یہ پھل ہے اُسی کا

کوئی بوسہ مانگے کوئی وصل چاہے
وہ کہتے ہیں لو ہو گیا میں اُسی کا

نہ پلٹا کبوتر نہ قاصد ہی آیا
وہاں جو گیا ہو رہا وہ اُسی کا

امیر اک مرقع ہے یہ دارِ فانی
غم و کلفت و حسرت و بیکسی کا

مرے پھولوں میں کیا ہے موقع ہنسی کا
نہ اتنا بھی بے درد ہو دل کسی کا

اُٹھانے کو رکھا ہے لاشہ کسی کا
یہ کیا وقت ہے آئنے آرسی کا

نہیں وصل و ہجر اک مرقع کھنچا ہے
تری بے بسی کا مری بیکسی کا

دکھاتی ہے ہر صبح اُن کو وہ عالم
کہ مُنہ چوم لیتے ہیں وہ آرسی کا

وہ کہتے ہیں ہونٹوں کا بوسہ نہ دونگا
اُتر جائیگا رنگ میری مسی کا

مری چشمِ حیران میں دیکھ اپنا جلوہ
ترے پاس کیا کام ہے آرسی کا

بہم ملتی جلتی ہے دونوں کی رنگت
سلامت رہے جوڑا سُرمے مسی کا

نہ منھ ہی ملیں وہ نہ لاکھا جمائیں
دہاں رنگ جمتا نہیں ہے کسی کا

ترے لب جو نازک ہیں پڑتی ہے آنچ
جھجکتی ہے پڑتا نہیں منہ ہنسی کا

گھٹا کالی کالی جو آئی میں سمجھا
کھلا ہوگا اس وقت جوڑا کسی کا

تبسم ہے غنچوں میں پھولوں میں خندہ
چمن میں کوئی رنگ دیکھے ہنسی کا

مناسب ہے ارمان دل سے نہ نکلے
اکیلے میں گھبرائے گا غم کسی کا

لب زخم مقتل میں کیسا تبسم
بھلا یہ بھی موقع ہے کوئی ہنسی کا

یہ بے چھیڑے ہی روئے دیتی ہے ساقی
مزہ دختر رز سے کیا ہے ہنسی کا

ترس کھا کے کی اس نے زہ بیکس نوازی
مرے سر پر احسان ہے بیکسی کا

بنا ہی ہے حنا ناخنہ پاؤں میں انکے
ابھی چھیڑ لوں وقت ہے بے لبسی کا

شب غم اجل کو بلایا تو بولی
مجھے دل دکھانا نہیں بے کسی کا

بناوٹ سمجھتے ہو رونے کو میرے
مجھے تو ہے ایجان رونا اسی کا

شب غم کبھو درد اٹھے آہ نکلے
مزہ آج بھی پھر کے ہو بے کسی کا

وہ کہتے ہیں وہ اور مجھکو دعائیں
یہ سب گالیاں ہیں نتیجہ اسی کا

دکھا کر اسے روز محشر کہونگا
کہ سرکار میں نالشی ہوں اسی کا

نہ بھولوں گا جب تک مرے دم میں دم ہے
دم نزع بھی دم بھرونگا اسی کا

غنی ہے مرا دل یہ کیا کم ہے دولت
گدا میرے دشمن کریں مفلسی کا

لگے برچھیاں غمزہ چھریاں لگائے
مرا ایک دل ہو گیا وہ اسی کا

شب غم نہ دیگا کوئی ساتھ میرا
امیر آسرا ہے تو کچھ بیکسی کا

دھیان آیا دل میں اس ہنسی کا
ان ہونٹوں پہ کھیلنا ہنسی کا

غم کو موقع ملا خوشی کا
کھلنا دکھلا گیا کلی کا

گھورا جو انہیں بہت تو بولے
کچھ تو حق چھوڑو آرسی کا

کیں دست درازیاں صبا نے
اُمگا جوبن کلی کلی کا

مرنے نہیں دیتی مجھ کو یہ کوفت
وارث نہیں کوئی بیکسی کا

ڈورے نشے کے وخشت زر سے
در پردہ ہیں رشتہ دل لگی کا

جان بخش لبوں پہ ان بتوں کے
مرنے میں مزہ ہے زندگی کا

تھا عکس حریف کیوں نہ روکا
کیا مُنہ ٹوٹا تھا آرسی کا

ہے نازہ طلسم رُخ پہ وہ زُلف
اک حور پہ سایہ ہے پری کا

گلگیر ہوں ہیں وہ شمع محفل
رہتا ہے مزہ جلی کٹی کا

بجلی کی پڑے نقاب اُس پر
نقشہ جو کھنچے تری ہنسی کا

کاجل یہ نہیں ہے انکھڑیوں میں
اُٹھتا ہے دھواں تری مستی کا

ہنس ہنس کے چمن میں میرے گل نے
عقدہ کھولا کلی کلی کا

بجلی چمکی تو میں یہ سمجھا
آنچل اٹکا کسی پری کا

تجلی شب مہ ہیں وہ آنکھیں
جل جائے نہ کھیت چاندنی کا

تکیوں میں مٹی ہوئی بھی قبریں
دیتی ہیں پتہ کسی کسی کا

آجا سے ادھر بھی دور کرتا
ساغر ترا چشم نرگسی کا

آتی ہے صدائے درد چھن کر
سینہ چھلنی ہے بانسلی کا

کیا ساتھ دیا امید میرا
قائل ہوں ہاں وضع بیکسی کا

ردیف بائے موحدہ

اپ نہ دو پیار دل ہو کہ چھوٹ مرا نصیب
بہانا ... قائل کو یا نصیب

اُس رشکِ مہر کو ہے خود آرائیوں کا شوق
اِن روزوں آئنے کا ہے چمکا ہُوا نصیب

وہ دل مجھے خدا نے دیا ہے کہ عشق میں
آیا یہاں جو غم تو پکارا خوش نصیب

چاہِ ذقن سے چھٹ کے پھنسا گیسوؤں میں دل
دیکھے نہیں زمانے میں ایسے بلا نصیب

دیکھا نہ ایک رنگ جہانِ دو رنگ میں
اچھا کسی کا ہے تو کسی کا بُرا نصیب

مقتل میں دیکھ کر مجھے بیکس ہوا وہ نرم
اُس جنگجو سے صلح ہوئی لڑ گیا نصیب

وہ داغ ہوں نہیں ہے جو مرہم سے آشنا
وہ درد ہوں میں جس کو نہیں ہے دوا نصیب

جا ہی چکا تھا گھر میں پسِ دیوار پھاند کر
دربانِ یار جاگ اُٹھا سو گیا نصیب

ساقی نے دے کے جام کفِ رعشہ دار میں
مجھ سے کہا کہ لے مگر آگے ترا نصیب

گزرا مہِ صیام وہی پھر ہے میکشی
دروازے میکدوں کے کھلے کھل گیا نصیب

پہنچے ہیں منتوں سے درِ یار تک امیر
دیکھیں اب آگے ہم کو دکھاتا کیا نصیب

حالِ فنا سے دہر سے غافل نہیں حباب
ہر دم کو جانتا ہے دمِ واپسیں حباب

اعلیٰ پر اسفلوں کو ہے بحرِ جہاں میں فوق
دریا میں موتیوں سے ہے بالانشیں حباب

دیتا ہے بے ثباتیِ افلاک کی خبر
جامِ جہاں نما سے ہمیں کم نہیں حباب

تقلید میرے دیدۂ تر کی اگر کرے
کر لے تمام بحر کو زیرِ نگیں حباب

پہچانتے ہیں خوب جو ہیں معنی آشنا
دیتا ہے نقشِ آب سپہرِ بریں حباب

ساحل پہ بہرِ غسل اُتارو نہ پیرہن
دیکھے نہ تم کو آنکھ بچا کر کہیں حباب

دروازہ روئے خلق پہ گھر کا کیا ہے بند
رکھتا ہے طرفہ دیدۂ انجام بیں حباب

چشمِ غضب سے تم کبھی دیکھو تو کیا عجب
گھبرا کے پائے موج پہ رکھ دے جبیں حباب

ہے پانی پانی آنکھ اُٹھاتا نہیں امیر
کیا میری چشمِ تر سے ہُوا شرمگیں حباب

عشق بت سے بھی تھا خدا مطلب | اور واللہ کچھ نہ تھا مطلب

ایک دیدار ہے مرا مطلب | دوسرا ہے نہ تیسرا مطلب

مانتے گو تو میں نہیں کہتا | جان من سن تو لو ذرا مطلب

خط مرا کچھ ادھر ادھر سے پڑھا | بیچ سے وہ اڑا گیا مطلب

وصل کے نام پر کہا کیا خوب | جو سری چڑھے وہ آپ کا مطلب

اُس سے آنکھوں میں ہو گئیں باتیں | بے عبارت ادا ہوا مطلب

ایک جان اور حسرتیں لاکھوں | ایک دل اور ہزار ہا مطلب

مُنہ لگے کون روز ناصح کے | بات سمجھے نہ بات کا مطلب

کیوں ملائیں وہ آنکھ اب ہم سے | بے چکے دل نکل گیا مطلب

بے ادب کا لحاظ تھا شب وصل | دِل سے لب تک نہ آسکا مطلب

عیش ہو اور امیر کا آقا
ہے یہ بندے کا یا خدا مطلب

ردیف بائے فارسی

کہتا ہوں یہیں سو رہو دیکھو ہے بڑی دھوپ | اِسوقت کہاں جاؤ گے پڑتی ہے کڑی دھوپ

ہو جائیگا اے شیخ مرا دامن تر خشک | میدان قیامت میں پڑیگی جو کڑی دھوپ

دونوں کو بڑا عشق ہے اُس گیسو و رُخ کا | آپس میں رقابت ہوئی سائے سے لڑی دھوپ

اے دل نہ شب وصل کی آمد میں ہو بیتاب | ہے شام قریب اور ہے دو چار گھڑی دھوپ

موقوف کرو قصد سفر آنے دو جاڑے | گرمی کا یہ موسم ہے بڑے دن ہیں بڑی دھوپ

اے ابر کرم باغ میں ہو سایہ فگن جلد | نرگس نہ کہیں غش ہو کہ کھاتی ہے کڑی دھوپ

اللہ بچائے جو حلیم آئے غضب ہیں | ظاہر ہے کہ برسات میں ہوتی ہے کڑی دھوپ

[illegible]نوں سے ہوا گرم یہ گلشن جو ہلے نخل | شبنم کے عوض رات کو پتوں سی جھڑی دھوپ

سختی سے دن اُس گل کی جدائی میں ہوا ختم
کانٹے کی طرح آبلۂ دل میں گڑی دھوپ

کیا نور ہے فراش نے اُس مہر کے گھر میں
جب فرش کو جھاڑا عوض گرد جھڑی دھوپ

برسات میں دکھلاؤ کبھی رخ کبھی گیسو
دو چار گھڑی سایہ ہو دو چار گھڑی دھوپ

اُس گھر میں امیر آئی ہے لیکر مجھے تقدیر
ہے شب کو جہاں اوس پڑے دن کو کڑی دھوپ

میری تربت پر کھلے بالوں اگر آئیں گے آپ
حشر تک خواب پریشاں مجھ کو دکھلائیں گے آپ

چُن کے افشاں چاند سا چہرہ جو دکھلائیں گے آپ
جا نہ نی چھٹکے گی خود تارے نکل آئیں گے آپ

کہد و رضوان سے یہی کیسا پھول سبزہ وان بھی ہے
اور کیا جنت میں رکھا ہے جو دکھلائیں گے آپ

دیکھ کر زلف اُن سے کہتے ہیں ہوا خواہان عشق
کیا اسی دامن سے دل کی آگ بھڑکائیں گے آپ

وصل میں جب رنگ چہرے کا ہو زرد آنکھیں ہیں سرخ
حسرت دل ہجر میں کیا رنگ دکھلائیں گے آپ

کیا ندامت کی ہے حاجت میں ہوں مجرم تو کریم
دیکھنا دریا تری رحمت کے لہرائیں گے آپ

مجھ سے ہمچشموں میں تو سرکار کا یہ حال ہے
جب نہ ہوگا کوئی تو کس طرح پیش آئیں گے آپ

حضرت غم دل مرا گھر آپکا ہے آئیے
پر میں بے سامان بہت ہوں لے کے کیا پائیں گے آپ

کوئی ایذا آج ہی چھوڑی نہیں بہر امیر
کل جو وہ آئیگا تو کس طرح تڑپائیں گے آپ

مجھ کو کیا جس کو جب ملیں گے آپ
وہ یہ پوچھے گا کب ملیں گے آپ

آنے پائے جو بزم عیش میں ہم
مثل ساز طرب ملیں گے آپ

ہاتھ پھیلا کے لی جو انگڑائی
ہم یہ سمجھا کہ اب ملیں گے آپ

ہوش عاشق کے کھو کے وصل کی شب
مثل بنت العنب ملیں گے آپ

خاک میں بھی ملا چکے ہم کو
نہ ملے اب تو کب ملیں گے آپ

حرف مدغم کی طرح وصل کی شب
نہ جدا ہونگے جب ملیں گے آپ

شکر صد شکر کہ ہے وصل میسر دن رات

اُسے میرے گھر تک نہ لائیگی رات ۔ قیامت تلک آئیگی جائے گی رات

بلا ہجر جاناں میں لائے گی رات ۔ سیاہی کی صورت دکھائے گی رات

سپیدی ہے انجام موئے سیاہ ۔ سحر ایک دن ہو گی جائے گی رات

یقیں ہے وہ چھپ کر چلے آئیں گے ۔ مرے کام بگڑے بنائے گی رات

کمان کہکشاں تیر تیرِ شہاب ۔ یہ کس کو نشانہ بنائے گی رات

چلو دل کے بیٹھو غنیمت ہے وصل ۔ نہ دن ہو گا ایسا نہ آئے گی رات

تڑپتے تڑپتے ہوا دن تمام ۔ خدا جانے اب کیا دکھائے گی رات

نہ آئیں گے فرقت میں تارے نظر ۔ غریبوں سے آنکھیں چرائے گی رات

مداوائے غم ہو گا فرقت میں غم ۔ اُڑا دیں گے نالے جو آئے گی رات

جو فرقت میں ہے تیرہ روزی یہی ۔ تو دن کو بھی گھر سے نہ جائے گی رات

رُلاتی ہے ہم کو سرِ شام ہجر ۔ جو بھیگی تو طوفان لائے گی رات

وہ گیسو جو افشاں کے طالب ہوئے ۔ ستارے ابھی لوٹ لائے گی رات

ازل سے ہے یاں تیرہ بختی اسیر
بھلا ہم کو کیا آزمائے گی رات

خدا دکھائے کسی گلعذار کی صورت ۔ شگفتہ دل ہو گلِ نو بہار کی صورت

کہاں ہے دار فنا میں قرار کی صورت ۔ نمودِ عمر ہے برق و شرار کی صورت

برنگِ سرو ہیں آزاد باغ عالم میں ۔ ہے ایک اپنی خزاں و بہار کی صورت

ہزار حیف کہ منزل پہ قافلہ پہنچا ۔ ہمیں کھڑے رہے یوں پریشاں غبار کی صورت

شرر کے دود سے کوئی تمام عمر ہوا ۔ بنا گیا ہمیں جب چراغ مزار کی صورت

کیا شکیب پہ غم نے کچھ ایک ہو گئی ۔ تری ہی کر گئی مرے تسنیم زار کی صورت

ہماری آنکھ ہے یارب کہ چشمِ قربانی
مرے پہ بھی ہے وہی انتظار کی صورت

نہ راستی کا نشان سرو میں گُل میں ہے بُو
بدل گئی چمن روزگار کی صورت

اس اشتیاق میں ہاتھوں پہ ہم نے کھائے ہیں گل
پڑے ہیں کسی کے گلے میں یہ ہار کی صورت

فراقِ یار نے مژدہ سنا دیا ایسا
مکان بھی نظر آیا مزار کی صورت

نہ چھیڑ اے دل انہیں گالیاں ہیں منھ پہ دھری
برس پڑیں گے وہ ابرِ بہار کی صورت

شگفتہ کیوں نہ ہوں بارش کا تار دیکھ کے مست
بندھی تو ہے بطِ مے کے شکار کی صورت

خوشا اسیر وہ منعم کہ ہو کے دولتمند
جھکائے سر شجرِ میوہ دار کی صورت

ردیف تائے ثقیلہ

ہے میل جو آغاز میں کب تک ہے نئی چوٹ
ہے یہ تو کھلاڑی تری مدت کی نئی چوٹ

چین اب کسی پہلو کسی کروٹ میں نہیں آتا
سچ ہے کہ دل لگی کی بھی ہوتی ہے بڑی چوٹ

کیا اس نگہِ ناز کی چوٹوں میں مزہ تھا
دیکھا کیے آنکھوں سے بچائی نہ گئی چوٹ

اللہ ری محبت میں نزاکت مرے دل کی
دیکھا جو کڑی آنکھ سے اس نے تو پڑی چوٹ

تم ناز سے چلتے ہو چمن میں مجھے ڈر ہے
کھا جائے نہ ٹھوکر سے کہیں کبکِ دری چوٹ

آیا یہ کس اُبھرے ہوئے جوبن کا تصور
گھونسا مری چھاتی پہ لگا دل پہ لگی چوٹ

آسان نہیں صدمۂ الفت کا تحمل
دل تھا ہمارا ہی کہ سہتے یہ سہی چوٹ

اللہ ہمارے دلِ نازک کو بچالے
آتی ہے لگانے کو تری عشوہ گری چوٹ

مر کر بھی محبت کی کسک دل سے نہ نکلی
بیٹھے مرے پہلو میں تو کیا خوب جمی چوٹ

کیا دردِ محبت کا مزہ تجھ کو بتاؤں
کھائی نہیں بیدرد ترے دل نے کبھی چوٹ

مجروح ہوا جلوۂ دیدار سے عاشق
مارا نگہِ ناز نے چتون نے بھی کی چوٹ

نکلی نہ مرے سر سے گئی قبر میں ہمراہ
پڑ کر دلِ عاشق پہ مصیبت میں پڑی چوٹ

کہتی ہے امیر اُس کی ادا تیغ قضا سے
دعویٰ ہے پھکیتی کا تو لے روک مری چوٹ

لچک گئی کمر اُسکی تو دل نے کھائی چوٹ — دوتا جو زلف ہوئی چوٹ پر لگائی چوٹ
کمر کے عشق میں ہم نے جگر پہ کھائی چوٹ — یہی سبب ہے جو دیتی نہیں دکھائی چوٹ
مقابل آئینہ آیا تو منہ کو پھیر لیا — کڑی نگاہ جو دیکھی تو کیا بچائی چوٹ
بڑھا کے رتبہ گھٹایا غضب کیا قاتل — جھکا کے سر کو کمر کی عبث لگائی چوٹ
فسردہ دل ہوں مگر فصل گل تو آنے دو — اُبھر ہی آئیگی پچھلی دبی دبائی چوٹ
اُمید کیا ہو کسی سے کہ اُس زمانے میں — بلا پہ چوڑ ہے یار وں کی آشنائی چوٹ
نشان زخم ہوا بوجہ ناتوانی سے — زمین سے اُٹھ نہ سکے ہم اگر اُٹھائی چوٹ
جو وقت قتل اُٹھا ہاتھ کھل گئی وہ گات — اُبھر کے غنچے کے مانند مسکرائی چوٹ

امیر دردِ دلِ سنگ کو کہن سمجھا
لگا کے سر پہ جو تیشے کی آزمائی چوٹ

کسی پہ زخم پڑا یاں جگر پہ آئی چوٹ — بھلا ہو رحم کا اپنی ہوئی پرائی چوٹ
رقیب پر اگر اُس ترک نے لگائی چوٹ — ہُوا یہ رشک مجھے پہلے میں نے کھائی چوٹ
پڑا ہوں رنج میں میں اپنے رحم کے ہاتھوں — چپیٹ دیتی ہے دلکو مرے پرائی چوٹ
یہ مجھ سے کہتی ہے غیرت کہ ہائے مر نہ گیا — خفیف اُس کو کیا تو نے کیوں بچائی چوٹ
مصیبتیں نہ خنجر ہزارہا جھیلیں — نہ کی زبان سے اُف دل نے لاکھ کھائی چوٹ
ضرور کیا تھا کسی سنگدل کو دل دینا — جگر پہ بیٹھے بٹھائے عبث اُٹھائی چوٹ
جو پھول پھینک کے اُس نے رقیب کو مارا — ہُوا یہ صدمہ کہ پتھر کی ہم نے کھائی چوٹ
مٹا نہ دیار کا لپکا نہ تاک جھانک گئی — ہزار بار اُٹھائی زک اور کھائی چوٹ
عیاں ہو زخم جو گل کی طرح ہے دل مجبور — سمٹ کے غنچے کی صورت بہت چھپائی چوٹ

جہاں میں کوئی نہیں اُس صنم سا سنگین دل ۔۔۔ کہ دل لگانے کے بدلے کڑی لگائی چوٹ

یہ کس کے سامنے فریاد کر رہا ہے امیرؔ
کسی کے دل کو لگی ہے کہیں پرائی چوٹ

ردیف ثاے مثلثہ

ہجر میں ہے فضا عبث ابر عبث ہوا عبث ۔۔۔ بادۂ جانفزا عبث نغمۂ دلکشا عبث

پوچھو نہ لاغری کی حد لقمۂ مور ہے جسد ۔۔۔ کھولے ہوئے ہے منہ لحد صورت اژدہا عبث

قافلہ سب ہے پیش و پس پر نہیں کوئی ہمنفس ۔۔۔ کون سنا ہے داد رس چیخ نہ اے درا عبث

آئی نہ اپنے کام عمر غم میں کٹی مدام عمر ۔۔۔ تنکے چنے تمام عمر صورت کہربا عبث

دل بھی خدا کا ہے مکاں پر نہیں آتی ہے یہاں ۔۔۔ ہوتی ہے عرش کو رواں دونمری دعا عبث

ہوتے ہیں لاکھ ہم ملول کب ہے وہاں دعا قبول ۔۔۔ گریۂ بے اثر فضول نالۂ نارسا عبث

منزل سیل ہے جہاں ہو گئے کتنے بے نشاں ۔۔۔ بیٹھے ہیں جم کے ہم یہاں صورت نقش پا عبث

ہوتی ہیں حاجتیں روا کس سے کریم کے سوا ۔۔۔ کرتے ہیں حرص آشنا غیر سے التجا عبث

طرفہ امیرؔ غم ہوئے پھر نہ کبھی بہم ہوئے
اُس گل تر سے ہم ہوئے صورت بوئے عبث

سبزہ مرے مزار پر بعد فنا اُگا عبث ۔۔۔ عمر کی جب خزاں ہوئی باغ میں ہے فضا عبث

ہنستے ہیں میرے چارہ ساز فکر میں مبتلا عبث ۔۔۔ مجھ کو مزہ ہے درد کا کرتے ہیں یہ دوا عبث

زار ہوا ہوں اس قدر جسم نہاں ہے مثل جان ۔۔۔ آتی ہے روز ڈھونڈنے مجھ کو مری قضا عبث

عیش کا دہر میں نشاں دیگا کبھی نہ آسماں ۔۔۔ گر لے ماہ مصر کا لو پیتے ہو بنا عبث

دولت دہر کی نہیں زخمیوں کو کچھ آرزو ۔۔۔ صرف کیے ہیں تیر ہیں تم نے یہ نیمچا عبث

قوت جسم اگر نہیں علم پہ تکیہ ہے فضول ۔۔۔ مثل ہیں جو پانے را تھ ہاتھ میں عصا عبث

گوش کریم تک کبھی جا نہیں پہنچ کے جا ۔۔۔ پہیل ... نہیں سائلوں کی صدا عبث

سرمے سے کام اب نہیں چشمِ سیاہ یار کو
پس کے ہمارے استخواں ہوگئے سرمہ سا عبث

عقدۂ دل مرا کھلے اسکی امید ہی نہیں
ناخنِ سعیِ خلق ہیچ فکرِ گرہ کشا عبث

مال تلف ہوا ہوا تم نہ بہاؤ اشک امیر
خاک میں اب ملاتے ہو گوہرِ بے بہا عبث

ردیف جیم تازی

اس شان سے وہ برق وش آتا ہے ادھر آج
ہونا ہی تو ہے فیصلۂ گردن و سر آج

غیروں سے کبھی ہے کبھی مجھ سے ہے لگاوٹ
گلنار وہ پٹے سے کبھی اُڑتے ہیں شرر آج

گو جاتے ہیں آہستہ نزاکت سے وہ لیکن
وہ قتل پہ ہیں مرگ پہ باندھے ہوں کمر آج

گلزار میں سکیش ہوئے بے شبہہ بہشتی
بہکی ہوئی پھرتی ہے محبّت کی نظر آج

ڈر ڈر کے ملک بھی ہوئے کاندھوں سے گریزاں
دوڑی ہوئی جاتی ہے خوشی غیر کے گھر آج

غربت میں میں آیا تو اُڑی خاک وطن میں
بیعت انہیں ساقی سے ہوئی زیرِ شجر آج

باران نہیں پتھر ہی گرا کشت پہ میری
اب ہجر میں کوئی نہ اِدھر ہے نہ اُدھر آج

گزرے گی شبِ ہجر نہ تا روزِ قیامت
اُڑتی ہوئی دی ہے یہ بگولوں نے خبر آج

جنت میں کریموں سے کہیں گے یہ فرشتے
اے ابرِ کرم خواہ غضب کچھ تو ادھر آج

کس شان سے بیٹھے ہیں سرِ بزم وہ آکر
بے پر کی اُڑاتا ہے عبث مرغِ سحر آج

شیشے کی طرح جوشِ مئے عشق ہے دل میں
بوسے تھے جو کل نخل بنے اُن کے ثمر آج

عالم میں رواج اب یہ ہوا ہے ہنری کا
ذرّوں میں ہیں خورشید چکوروں میں قمر آج

بیگانے ہوئے نزع میں جتنے تھے یگانے
ہو مُہرِ دہن منہ کو کہیں آکے جگر آج

ہم عیب کے مانند چھپاتے ہیں ہنر آج
آنکھیں جو پھریں پھر گئی عالم کی نظر آج

شاید کسی دلبر پہ امیر آہی گیا دل
کیوں ہاتھوں سے تھامے ہوئے پھرتے ہو جگر آج

پردے سے جو اُس حور نے دیکھا ہو ادھر آج
آنکھوں کو مری چوندھتی ہے میری نظر آج

شوخی سے ہے بے چین وہ بجلی سی نظر آج
کہتی ہے حیا دیکھیے گرتی ہے کدھر آج

اللہ رے حیا وصل میں اُٹھتی ہی نہیں آنکھ
کیا بنکے دُلہن بیٹھی ہے پردے میں نظر آج

اُس ماہ سے ہے وصل تو اندھیر یہ دیکھو
شام آتی ہے لپٹی ہوئی ساتھ اپنے سحر آج

کس لطف سے جھنجلا کے وہ کہتے ہیں شبِ وصل
ظالم تری آنکھوں سے گئی نیند کدھر آج

دیدار طلب تو بھی ہے اور میں بھی ہوں زاہد
لیکن ترے گھر کل ہے وہ دن اور مرے گھر آج

سب اچھے بُرے حشر میں ہیں حاضرِ دربار
دیکھیں نظرِ لطف و عنایت ہو کدھر آج

یاد آتی ہے رہ رہ کے یہ کس کی مرے دل میں
اُٹھ اُٹھ کے بٹھاتا ہے کسے دردِ جگر آج

قاصد کمرِ یار کے مضمون میں خط ہیں
ڈرتا ہوں کہ تیری بھی نہ غائب ہو کمر آج

آنکھیں مری نشے سے نہیں سُرخ ہیں زاہد
کچھ کچھ چھلک آیا ہے اِدھر خونِ جگر آج

اے طولِ جدائی یہ بنا ہے ترا اندھیر
دن سامنے زمانے میں ہے اور شب ہے مگر آج

دوزخ کے بھی جنت کے بھی دروازے کھُلے ہیں
اے شانِ کرم تجھ کو ہے کیا مدِ نظر آج

کہتی ہے قضا طولِ امل دیکھ کے مجھ سے
سامان توکل زادِ سفر کا ہے سفر آج

اک عمر ہوئی ہم ہیں تری یاد سے بیہوش
اے بیخبری تجھ کو ہوئی ہے یہ خبر آج

مانگی ہے دعا کس نے الٰہی کہ کھلا ہے
آغوشِ تمنا کی طرح بابِ اثر آج

پریاں بھی ہیں دیوانی اُسی رشکِ پری کی
آئی ہے پرستان سے اُڑ کر یہ خبر آج

کل کوچ ہے کچھ لیتے ہوئے بن نہ پڑیگی
لینا ہے مسافر کو تو لے زادِ سفر آج

تھی یاس جن اُمیدوں سے بر آنے لگی ہیں
ٹوٹی ہوئی شاخیں مجھے دیتی ہیں ثمر آج

رہ رہ کے دکھاتے ہیں وہ تیرِ نگہِ ناز
ڈرتا ہوں کہ مُنہ سے نکل آئے نہ جگر آج

خورشیدِ قیامت کا بہت گرم ہے بازار
دے اُسکو بھی چھینٹا کوئی اے دامنِ تر آج

ہنستے ہیں وہ رخصت میں یہاں رہ کے رُدن کیا
ساتھ اپنے لیے چل مجھے اے شمعِ سحر آج

کچھ کچھ جو شریک آنسوؤں میں خونِ جگر ہے
یاقوت سے رنگت میں نکلتے ہیں گہر آج

کس غیرتِ خورشید سے ہوتی ہے جُدائی
اوڑھے ہوئے کیوں شام کی کملی ہے سحر آج

بیٹھا ہے امیرؔ اُسکی بغل میں مرا دشمن
رہ رہ جو اُٹھتا ہے مرا دردِ جگر آج

جو تجھ سے رُخ ملائیں چاند سُورج
ابھی تو منہ کی کھائیں چاند سورج

سحر کو شام کو بھی یاد رکھیں
نہ اتنا سر اُٹھائیں چاند سورج

ترے رخساروں میں ایسی چمک ہے
کہ لیتے ہیں بلائیں چاند سورج

گزران کا جو تیری راہ میں ہو
ابھی آنکھیں بچھائیں چاند سورج

ترے نقشِ قدم کا پائیں رُتبہ
یہ کرتے ہیں دعائیں چاند سورج

فروغ اپنا جو اس سے بڑھ کے چاہیں
تری چوٹی میں آئیں چاند سورج

ترے چہرے سے اُٹھ جائے جو گیسو
گہن میں منہ چھپائیں چاند سورج

وہ غازہ ملتے ہیں اب منہ پہ کہدو
کہ خیر اپنی منائیں چاند سورج

سپید و زرد ہیں اُس رُخ کے آگے
ذرا آنکھیں ملائیں چاند سورج

خدا کے نور ہیں سبطینؑ احمدؐ
کہاں یہ نور پائیں چاند سورج

امیرؔ اُس عارضِ روشن کے آگے
بگڑ کر کب بنائیں چاند سُورج

ردیف جیم فارسی

عاشقِ ابرو کی یوں تصویر کھینچ
اے مصور حلق پر شمشیر کھینچ

اُس کمر سے مُوقلم مانی بنا
ناتواں ہوں یوں مری تصویر کھینچ

مُدعا اے دل ہے ترکِ مدعا
جتنی آہیں کھینچ بے تاثیر کھینچ

ہیں کہاں عشق اُسکی مژگاں کے کہاں
دیکھہ کانٹوں میں نہ اسے تقدیر کھینچ

قید ہیں اے دل کہاں تک ضبطِ غم
تو بھی نالے کے صورتِ زنجیر کھینچ

اُس عرق آلودہ رُخ کے لکھ صفات
اے قلم عطرِ گُل تصویر کھینچ

بڑھ کے آئے ہاتھ میں اول وہ زلف
ابکے ایسا نالۂ شبگیر کھینچ

اُس دہانِ تنگ پر عاشق نہ کر
یوں شکنجے میں نہ اے تقدیر کھینچ

جلوہ گر مانی ہو رنگِ اتحاد
میری اُس کی ایک جا تصویر کھینچ

عاشقِ احباب ہوں بہزاد میں
رنگِ صحبت سے مری تصویر کھینچ

راہ پاکر زخم سے نکلے نہ چور
پھر نمک قاتل جو دل سے تیر کھینچ

اے مصور جب وہ دیکھے آئنہ
پاکے موقع عکس کی تصویر کھینچ

قتل کی حسرت ہے تو اے دستِ شوق
اک ذرا بڑھ دامنِ شمشیر کھینچ

اے مصور ہے ترقی پردہ حسن
کھینچنی ذلت جو ہو تصویر کھینچ

کیا حیا ہے کہتے ہیں مانی سے وہ
کھینچ پردہ رُخ پہ جب تصویر کھینچ

دولتِ عقبیٰ اگر چاہے امیر
دستِ دل سے دامنِ شبیر کھینچ

منتِ قاتل نہ احسانِ کمان و تیر کھینچ
ہاتھ سے اپنے گلے پر آپ ہی شمشیر کھ

تیر کھا کر شکر کر نالے نہ او نخچیر کھینچ
سر جھکا کر ناز قاتل کے تہِ شمشیر کھ

مجھ کو ہو تیرا تصور تجھ کو ہو میرا خیال
میں تری تصویر کھینچوں تو مری تصویر کھ

جانِ نثار و دل میں ہے سچا کون جھوٹا کون ہے
یار ابھی کھل جائیں گے جوہر ذرا شمشیر کھ

سامنا بیدرد سے ہے دیکھنا خفت نہ ہو
اے دلِ پُر درد جب کھینچ آہ تاثیر کھ

ہو کے پابندِ محبت بندِ غم سے چھوٹ جا
ہاتھ دنیا سے پہنکر پاؤں میں زنجیر کھ

قتل گہ میں کچھ میسر قاتل سے بن پڑتا نہیں
روکتی ہے شرم کہتی ہے ادا شمشیر کھ

چارہ گر تدبیرِ دردِ عشق پیچھے سوچنا
خطِ رد تو پہلے بالائے خطِ تقدیر کھ

ایک دن تیری بھی یوں ہی کھال کھینچی جائیگی / پوست آہو کا نہ اے صیاد آہو گیر کھینچ

ہاتھ میں اس مست کے تلوار سے پھر سیر دیکھ / چشم میگوں میں ذرا سرمے کی بھی تحریر کھینچ

سبزۂ خط اس کا دکھلا کر نہ دیوانہ بنا / بیگنہ ہوں مجھ کو کانٹوں میں نہ اے تقدیر کھینچ

بادہ خواروں پر عنایت چاہیے اے پیر مغاں / ان مریدوں کو بھی اپنے رنگ میں اے پیر کھینچ

بندگی مولیٰ کی یکسو ہو کے کرنا چاہیے / اے مصلّی ہاتھ دنیا سے دم تکبیر کھینچ

طول گیسو کی درازی کا ٹھکانا ہے کہیں / اس کشش سے ابتو ہاتھ اے کاتب تقدیر کھینچ

جھیل کڑیاں سلسلۂ گیسو سے رکھنا ہے اگر / قید زنداں سے نہ گھبرا صدمۂ زنجیر کھینچ

تیر پڑتے ہیں جگر پر برچھیاں دل پر مرے / بار بار آہیں نہ لے قاصد دم تقریر کھینچ

کشتۂ مژگاں ہوں مانی ہاتھ سے رکھدے قلم / کھنچ سکے تو نوک خنجر سے مری تصویر کھینچ

ساتھ پیکاں کے لپٹ کر دل نہ کھنچ آئے کہیں / دیکھ او ظالم ذرا آہستگی سے تیر کھینچ

رو لے اپنے حال پر جاتی جوانی میں امیر
رات تھوڑی رہ گئی ہے نالۂ شبگیر کھینچ

ردیف حاے حطی

چلتے ہی گزری ہیں دم کی طرح / ٹھہرے کہاں نقش قدم کی طرح

حفظ لسان سے ہوں میں مشہور خلق / نطق خموشی ہے قلم کی طرح

قصد سفر ان کو ہوا مجھ کو مرگ / گھر سے وہ نکلے مرے دم کی طرح

زار یہ اے ترک ہوں میں سخت جان / خون نکلتا نہیں دم کی طرح

دیکھیے جب میکدے میں ہے بلند / دست سبو دست کرم کی طرح

عشق میں مر کر مری ہوگی نمود / نام نکل جائیگا دم کی طرح

سر ہی غم عشق میں پٹیا کیے / ہاتھ رہا سر پہ علم کی طرح

ہوں وہ سیہ روز چلوں جس طرف / شام رہے ساتھ قلم کی طرح

ضعف ہے ایسا کہ زمیں گیر ہے سایہ مرا نقشِ قدم کی طرح
دیر میں ٹھہرو تم اگر دم کے دم صاحبِ حرمت ہو حرم کی طرح
پان کبھی بھیجے ہیں تو غیروں کے ہاتھ لطف وہ کرتے ہیں ستم کی طرح
ہوں میں وہ غم دوست کہ ہے مجھکو عزیز برقِ غضب ابرِ کرم کی طرح
راہ ہے کعبے کی رہِ کوے یار سجدہ کناں چلیے قدم کی طرح
حیف کہ رستے میں سبھے ہم سفر چھوڑ گئے نقشِ قدم کی طرح
زندہ محبت سے ہوں میں ناتواں ہے یہ ہوا سینے میں دم کی طرح

بیٹھے امیر اُسکی گلی میں جو ہم
مٹ کے اُٹھے نقشِ قدم کی طرح

مژہ بھی کرتی ہے بل ابروِ بتاں کی طرح ستم ہے تیر بھی کھنچنے لگے کمان کی طرح
مزہ یہ ذوقِ شہادت کا ہے کہ لے قاتل زبانِ تیغ کو چوسوں تری زبان کی طرح
یہ لطف مقتلِ اُلفت میں ہے شہادت کا تڑپ بھی ساتھ چلے عمر جاودان کی طرح
نوید وصل مٹاتی ہے دل کے داغوں کو بہار لوٹتی ہے باغ کو خزان کی طرح
یہ میکدہ ہے کہ کوئی طلسم ہے ساقی جو آئے پیر کی صورت گئے جوان کی طرح
فراقِ یار میں رویا جو میں تو غم اُس کا لپٹ گیا وہیں معشوق مہربان کی طرح
بل ابروؤں پہ ہے اللہ آبرو رکھے کھنچے ہیں خود بھی وہ شمشیر امتحان کی طرح
جو تیز رو تھے مسافر وہ پہنچے منزل پر ہیں اُٹھ کے بیٹھ گیا گردِ کاروان کی طرح

گلا یہ ضبط نے گھونٹا کہ تنگ آ کے امیر
نکل گیا مرے سینے سے دم فغان کی طرح

ہے دل میں ٹھنی اب کہ اگر آئے گا ناصح سمجھاؤں گا ایسا کہ سمجھ جائیگا ناصح
میں اُس کی نہ مانوں گا تو نقصان سر کیا میری جو نہ مانے گا تو پچھتائے گا ناصح

آتا ہے مرے پاس تو آنے دو نہ روکو
دو چار گھڑی بیٹھ کے اُٹھ جائے گا ناصح

پہلے اُسے دیکھ آئے یہ کہنا مرا مانے
پھر میرے سر آنکھوں پہ جو فرمائے گا ناصح

کہدو کہ نہ بانوں میں مری شاخ نکالے
کہدونگا پتے کی میں تو پچتائے گا ناصح

سُنکر میں نصیحت نہیں لاتا جو حرارہ
اتنا ہے مجھے دھیان کہ جل جائے گا ناصح

رونا جو میں چھوڑونگا تو تڑپوں گا مقرر
بیکار تو مجھ سے نہ رہا جائے گا ناصح

آیا ہے اگر صحبتِ رندان میں تو بیٹھے
گھبرا کے امیر آپ ہی اُٹھ جائیگا ناصح

ردیف خائے معجمہ

ہے جسقدر کہ وہ صنمِ شوخ و شنگ شوخ
ایسے کبھی نہ ہونگے بتانِ فرنگ شوخ

آئینہ دیکھو جانتے ہو کیا سیرِ باغ کو
پھیکا گلوں کا رنگ تمہارا ہے رنگ شوخ

مانگا جو بوسہ میں نے جلیبوں سے یہ کہا
دیکھو تو کس قدر ہے یہ بے نام و ننگ شوخ

ساقی شراب شوخ وہ مجھ مست کو پلا
یاقوتِ آبدار سے جس کا ہو رنگ شوخ

مضمون جو سُو جھنے لگے اُڑنے لگا قلم
میدان پا کے اور ہوا یہ سمندِ رنگ شوخ

گھر والوں پر بھی ہوتی ہیں ہر وقت پھبتیاں
کتنا نرا مزاج ہے اے خانہ جنگ شوخ

ہے رنگ باندھنا تو ڈبو اس میں انگلیاں
منہدی سے تیری میرے لہو کا ہے رنگ شوخ

معشوق وہ ہے جسکی طبیعت بھی شوخ ہو
کیا فائدہ فقط ہو جو چہرے کا رنگ شوخ

بینش پہ ناز شیخ کو عینک سے ہے عبث
کیا وصف ہے جو مرکبِ تیمور لنگ شوخ

کہنے کی یہ غزل تو نہ تھی لیکن اے امیر
میں کیا کروں ہے میری طبیعت کا رنگ شوخ

ردیف دال مہملہ

عاقلوں کو ہے آبادی کا نشانہ پسند
ہم ہیں وحشی ہمیں سنسان ہے ویرانہ پسند

قصہ گویوں سے جو سن لی ہے کہانی میری
انگلیاں کانوں میں اب دیتے ہیں افسانہ پسند

جان دی شمع پہ پروانوں نے گر کر سر بزم
ایسی آتی ہے ہمیں ہمتِ مردانہ پسند

مسجد و ظرفِ وضو تجھ کو مبارک زاہد
ہم کو ہے بزم مے و شیشۂ و پیمانہ پسند

مٹ گئے سامنے اُس شوخ کے جتنے تھے حسین
حسن پریوں کا کرے اب کوئی دیوانہ پسند

دل کو کیا لطف جو معشوق نہ ہو گرما گرم
شمع خاموش کو کرتا نہیں پروانہ پسند

آبلے پاؤں کے کافی ہیں مجھے وحشت میں
تاج سلطان کو ہے گوہر یکدانہ پسند

دونوں گھر اُسکے ہیں تمیز کہاں وحدت میں
ہم کو کعبے ہی کی مانند ہے بتخانہ پسند

آئینہ جان کے زانو پہ جگہ دی اُس نے
جانتا دل جو مرا تو کبھی کرتا نہ پسند

مر گیا میں تو حسینوں نے بھی کی زینت ترک
رخ کو آئینہ نہ اب زلف کو ہے شانہ پسند

اپنے مضمون تو پسند آتے ہیں عالم کو امیر
ہے وہ شاعر جو کرے معنیِ بیگانہ پسند

سچ کہو پسند کس کی ہے اے خوبرو پسند
تجھ کو عدو پسند ہے مجھ کو ہے تو پسند

سب کو تری پسند ہے اے ماہرو پسند
عالم پسند تو ہے کرے جسکو تو پسند

اللہ رے جوش ناز و ادا بزم یار میں
پس پس گیا ہے آج دلِ آرزو پسند

خنجر دکھا کے کہتے ہیں وہ بات بات پر
ہم کو تو اُس زبان سے ہے گفتگو پسند

آئے جو میرے قتل کو اتنا ہے لحاظ
آؤ کہ [illegible] ہو خنجرِ گلو پسند

رحمت ہی رحمت اُسکی ہے کر لے اگر قبول
میری نماز اُس سے ہے نہ میرا وضو پسند

دیکھیں کہ میرے یار سے کیونکر نباہ ہو
وہ دشمن آبرو کا ہے میں آبرو پسند

زینت کے وقت بھی ہے جو انجام کا خیال
مٹی سے عطر کی نہیں آتی ہے بو پسند

احسان کسی کا کب ہے گوارا برنگ گل
ہے چاک آپ پیرہن نہیں اپنا رفو پسند

زاہد نگاہ کم سے کسی رند کو نہ دیکھ
کیا جانے اُس کریم کو وہ ہے کہ تو پسند

آجائے جسپہ دل ہے وہی جان سی عزیز
کھلکر کہو کہ بوسۂ گیسو نہ دینگے ہم
بُلبُل نثار گُل پہ ہے پروانہ شمع پر
پیدا کیا ہے حُسن نے دولت کا خاصہ
سب آفتوں سے چھوٹ گیا کرکے ترک حرص

یعقوبؑ کو ہے جامۂ یوسف کی بو پسند
یہ اُلجھی اُلجھی ہم کو نہیں گفتگو پسند
ذرّے کو مہر ہم کو ہے وہ ماہرو پسند
وہ کون ہے جہان میں نہیں جسکو تو پسند
کیونکر نہو مجھے دِل بے آرزو پسند

دن رات ذکرِ شعر و سخن سے ہے کام امیر
باتیں یہی پسند یہی گفتگو پسند

جسدن سے اُس غریب کو آیا ہے تو پسند
ساقی ہے وخترِ رز سے زیادہ عروس کون
عاشق کو ذبح کرکے وہ خنجر ہو کیوں نہ مست
منہ دیکھے کا ہے اُنس فقط شکلِ آشنا
یہ جھُک پڑا جہان وہیں دریا بہا دیا
کہتے ہیں کوئی جم کے نہ بیٹھے ہمارے پاس
کیا مجھ کو سبز باغ دکھاتا ہے آسمان
دل ہے ترا جگر ہے ترا جان ہے تری
بحرِ جہاں میں گوہرِ یکتا ہے میری ذات
اللہ رے پاسِ خاطرِ اغیار یار کو
اے دل خدا کے واسطے اَبْ میری جان چھوڑ
ہم چاہیں دل ملے وہ ملاتے نہیں ہیں آنکھ
سو آفتیں ہزار بلائیں قبول ہیں
ہم بے زبان یار ہمارا زبان دراز

ہے کس غضب میں جانِ دلِ آرزو پسند
کیا بھینی بھینی اُسکی ہے مستوں کو بو پسند
خونخوار کو ہے مے سے زیادہ لہو پسند
کرتے ہیں دل مرادہ مرے روبرو پسند
ساقی مجھے ہے ہمتِ دستِ سبو پسند
اُکھڑی ہوئی یہ ہم کو نہیں گفتگو پسند
مشتاقِ مے ہوں میں نہیں خالی سبو پسند
ہرگز نہیں دریغ کرے جس کو تو پسند
اس تھوڑی سی بساط پہ ہے آبرو پسند
لایا ہے قتلِ دوست کو خنجر عدو پسند
تجھ کو نہیں پسند نہ مجھ کو ہے تو پسند
واں جام سے دریغ یہاں ہے سبُو پسند
منہ پاس نہ دیکھے دلِ آرزو پسند
یاں خامشی پسند ہے واں گفتگو پسند

بے ذوقِ عشق دیدۂ و دل دونوں ہیچ ہیں
خالی قدح پسند نہ خالی سبُو پسند

زاہد کو گریہ وقتِ عبادت ضرور ہے
اللہ کو نماز نہیں بے وضو پسند

چھلکے جو پیشِ یار تو آنسو بہائیے
ہے اس نماز کے لیے ایسا وضو پسند

ہے لکھنؤ کی جان تو کلکتے میں امیر
خاک آئے میری آنکھ اب لکھنؤ پسند

میرا کلام صاف ہو کیونکر عدو پسند
آئینے کو کرے نہ کبھی زشت رُو پسند

نکلے اُمید جس سے وہ ہے گفتگو پسند
مجھ کو ہے درد آیۂ لَا تَقْنَطُوا پسند

کرتا ہوں پیار غیر کو بھی میں تری طرح
وہ بھی پسند مجھ کو ہے جسکو ہے تو پسند

آنکھوں کو میری مدِ نظر ہے تو روئے یار
کانوں کو میرے ہے تو وہی گفتگو پسند

افشا ہو رازِ عشق تو کاٹیں زبان ہم
مستوں کی طرح ہم کو نہیں ہاؤ ہو پسند

چھوٹے بڑے پہ کچھ نہیں موقوف ساقیا
میکش ہوں مجھ کو خُم کی طرح ہے سبُو پسند

وہ ہاتھ میں کریگا وہ کیا خاک فیصلہ
ہے جسکو طولِ قصۂ تیغ و گلو پسند

خاکِ لحد ہے ریگِ رواں کی طرح رواں
مرنے کے بعد بھی ہے تری جستجو پسند

شُکرِ خدا کہ اب ہوئی اُمید قتل کی
مہندی کے بدلے اُن کو ہے میرا لہو پسند

ہے تو ہی شرق و غرب و جنوب و شمال میں
کیوں سجدہ مثلِ کعبہ نہو چار سُو پسند

میکش وہ ہیں کہ اور ہے اپنا دل و دماغ
ساغر ہے مہر کا نہ فلک کا سبُو پسند

دوں میں دلِ شکستہ تو رُک کر کہے وہ مست
ٹوٹا ہوا کسی کو نہیں ہے سبُو پسند

ناداں ہے قیس سے جو ہمیں ہے مناسبت
لیلےٰ اُسے پسند ہے ہم کو ہے تو پسند

تعریف دوستوں کی نہیں معتبر امیر
اچھا ہے وہ کلام کرے جو عدو پسند

چاہِ ذقن میں دل کو کیا بے گناہ بند
اُلٹی بسنو کہ ہوتے ہیں واں دادخواہ بند

ملہ اشارہ ہے واجد علی شاہ کی طرف جو کلکتے میں نظربند تھے ۱۲

یارب پڑی ہے کس رُخِ پُرنور پر نظر
ہوتے نہیں جو دیدۂ خورشید و ماہ بند

اچھا بندھا نہ ایک بھی مضمون زلف کا
لکھ کر کیے قلم نے ہزاروں سیاہ بند

اے چشمِ تر ٹھہر بھی کہ خط یار کو لکھوں
بارش میں نامہ بر کی ہے پہروں سے راہ بند

راہی ہیں صبح و شام مسافر سوئے عدم
ہوتی نہیں ہے شب کو بھی یہ شاہراہ بند

اُس شاہِ حُسن کا کوئی دربار کیا کرے
جب جا کے دیکھیے ہے درِ بارگاہ بند

بادِ بہار نے یہ لپیٹے ہیں برگِ گُل
رنگین تری قبا کے ہیں کیا واہ واہ بند

زاہد بھی میکدے کی طرف کیا چلے گئے
مدت سے ہے امیر درِ خانقاہ بند

مشاطہ کیا ہے آئنے کا بھی سلام بند
سرکارِ حُسن کا نظر آتا ہے کام بند

کرتا ہے غیر یار سے بدگوئیاں مری
کچھ دوں تو منہ حریص کا ہو لا کلام بند

گھبرا کے رند جانبِ دوزخ چلے گئے
پایا جو بابِ روضۂ دارالسلام بند

وہ در شود کشادہ اگر بستہ شُد درے
رہتا نہیں کسی کا زمانے میں کام بند

مسجد میں جا کے بیٹھ رہا مے فروش کیا
کیا وجہ کیوں دکان ہے مے کی مدام بند

چھُوٹے جو ایک غم سے پھنسے اور غم میں ہم
جیسے قفس میں ہوتے ہیں مرغانِ دام بند

لازم ہے بہرِ گریہ بھی دل کی کُشادگی
آئے عرق کہاں سے اگر ہوں مسام بند

ساقی کے ہجر میں ہے اذیت خمار کی
دل کیا کہ ٹوٹتے ہیں بدن کے تمام بند

اے ابرِ چشم کچھ تو برسنے میں کر کمی
ہے کاروبارِ خلق خدا کا تمام بند

ساقی یہ بزمِ عیش ہے سُن لے امیر کی
ہو شام سے نہ صبح تلک دورِ جام بند

ردیف دال ثقیلہ

چھو سکے اُس ابرو کو سے مجھ کو بھی شایاں گھمنڈ
کرتے ہیں شمشیر زن جیت کے میدان گھمنڈ

تو ہے سلامت تو کیا صبحِ قیامت کا ڈر
تیری درازی پہ ہے اے شبِ ہجراں گھمنڈ

کہتے ہیں آئینے میں دیکھ کے زلفوں کا بل
ہم سے بھی کرتے ہیں اب گیسوئے پیچاں گھمنڈ

دہر کو بھی کسوف ماہ کو بھی ہے خسوف
حُسن پہ زیبا نہیں اے بُتِ ناداں گھمنڈ

عشقِ فسوں گر سے ہے آج ترا سامنا
پڑھ لے جس افسوں پہ ہو تجھ کو پریخواں گھمنڈ

ایسے ہیں کس کس کے ناز حشر کے دن اُٹھ سکیں
کھینچتی ہے مجھ سے صراط کرتی ہے میزاں گھمنڈ

نوک کی ہم سب سے لیں جائیں جو گلزار کو
گُل سے جو گریباں کرے خار سے داماں گھمنڈ

وحشیوں کے غول ابھی آنکھ سے گذرے نہیں
کرتا ہے وسعت پہ کیا حشر کا میداں گھمنڈ

ہے جو امیر اس قدر حشر کے دن بے خطر
تیری حمایت پہ ہے اے شہِ مرداں گھمنڈ

ردیف ذال

چشمِ بد دور کھلا خوب ہی سر کا تعویذ
باندھ دوں لکھ کے میں بازو پہ نظر کا تعویذ

مہر و مہ چاہتے ہیں دیکھ کے بازو تیرے
ایک ادھر کا تو بنے ایک اُدھر کا تعویذ

داغ دینا کسے منظورِ نظر ہے صاحب
ہاتھ میں کیوں ہے یہ طاؤس کے پر کا تعویذ

چاند کہتے ہیں کسے عقد ثریا کیا ہے
یہ گلے کی ترے ہیکل ہے وہ سر کا تعویذ

آنکھ دکھلاتے ہیں وہ دیکھ کے مجھ کو بیتاب
یہ نکالا ہے نیا دردِ جگر کا تعویذ

پھر بُلائی گئی مشاطہ کہ باندھے کس کر
اک ذرا بھی کہیں بازو سے جو سرکا تعویذ

چشمِ بد دور ترقی پہ ہے جوبن اُن کا
چاہیے روز نیا ایک نظر کا تعویذ

مر گئے عشق میں ہر رنج سے راحت پائی
داغِ دل بڑھ کے ہوا دردِ جگر کا تعویذ

جتنی تاثیر ہے انسان کے دل میں ہے امیر
نقشِ کامل ہے نہ کوئی نہ اثر کا تعویذ

نہیں ہے غنچہ عروسِ بہار کا تعویذ
یہ کھل پڑا ہے کسی گلعذار کا تعویذ

ملوں نہ آنکھوں سے کیوں اُس کے خط کو اے قاصد
یہ ہے مرے مرضِ انتظار کا تعویذ

پیوں جو مے مرضِ غم ہو دور اے ساقی
کہ خطِ جام ہو میرے بخار کا تعویذ

اثر دکھائے گی الفت پسِ فنا تو حضور
ملیں گے آنکھوں سے میرے مزار کا تعویذ

کبھی تو فاتحہ پڑھنے ادھر بھی وہ آجائیں
اثر دکھائے الٰہی مزار کا تعویذ

چمن میں جاؤ تو نرگس لگائے آنکھوں سے
تمہاری چوٹی میں ہے کس بہار کا تعویذ

خط اُن کا آیا ہے رکھ لوں میں اپنے سینے پر
کہ ہے یہ میرے دلِ بیقرار کا تعویذ

گیا جو یہ تو بلا سے امیر وہ تو ملا
رہے گا دل کی جگہ دستِ یار کا تعویذ

ردیف راے مہملہ

تیر کھانے کی ہوس ہے تو جگر پیدا کر
سرفروشی کی تمنا ہے تو سر پیدا کر

کوہکن کوہکنی شیوۂ عشاق نہیں
ہے جو عاشق دلِ معشوق میں گھر پیدا کر

رنگ چاہے اگر اس باغ میں آزادی کا
نکہتِ گل کی طرح شوقِ سفر پیدا کر

قطرۂ اشک بنے گوہرِ گوشِ جاناں
آبرو اتنی تو اے دیدۂ تر پیدا کر

اڑ چلے گا ابھی اے یار ذرا بال تو کھول
تجھ کو بننا ہے پری زاد تو پر پیدا کر

کونسی جا ہے جہاں جلوۂ معشوق نہیں
شوقِ دیدار اگر ہے تو نظر پیدا کر

میرے ہی دل پہ گرے کاش یہ بجلی بنکر
اے فلک آہ میں اتنا ہی اثر پیدا کر

آخرت میں عملِ نیک ہی کام آئیں گے
پیش ہے تجھ کو سفر زادِ سفر پیدا کر

عشقِ حسنِ نمکیں کا جو اٹھانا ہے مزا
پہلے کچھ ذائقۂ زخمِ جگر پیدا کر

اپنی گردش پہ بہت پھولا ہے اے چرخ گھمنڈ
جب میں جانوں کہ شبِ غم کی سحر پیدا کر

صدمے الفت کے اٹھانے ہیں الٰہی مشکل
دل اگر ایک دیا لاکھ جگر پیدا کر

عشقبازی کا اگر حوصلہ رکھتا ہے امیر

دل جو لوہے کا تو پتھر کا جگر پیدا کیا

جو دل ہے حلقۂ بزم شراب سے باہر
وہ ذرہ ہے عمل آفتاب سے باہر

سوال کرنے نکیرین شوق سے آئیں
وہ دو ہیں میں نہیں سننے کے جواب سے باہر

خدا کو دل ہی میں ڈھونڈو ادھر ادھر نہ پھرو
نہیں کتاب کا مطلب کتاب سے باہر

شریک ہو کے رہے یا الگ بنائے گھر
کسی طرح نہیں دریا حباب سے باہر

جو بوسے دیکے حسین پھیر لیں تو دُونے ہوں
یہ لین دین تو ہے ہر حساب سے باہر

یہی ہے اشک کا طوفان تو مثل قصر حباب
محال ہے کہ مرا گھر ہوا آب سے باہر

ڈرے حساب کے دن سے تو تو ڈرے مجھے کیا
مرے گناہ ہیں زاہد حساب سے باہر

تڑپ ہی جائیں وہ گھر میں کروں جو آہ امیر
نکل کھڑے ہوں ابھی اضطراب سے باہر

کونسا گل ہے نہیں جو زیب دامان بہار
کونسا غنچہ نہیں گوٹے گریبان بہار

کسقدر روشن ہے پھولوں سے شبستان بہار
شاخ ہر گلبن کی ہے سرو چراغان بہار

قاضی و مفتی و زاہد سب گھروں میں چھپ رہے
ایک دیوانہ ہے تیرا مرد میدان بہار

نشے کے ڈورے جو ہیں اے مست آنکھوں میں تری
ہے بجا ان کو اگر کہئیے رگ جان بہار

دونوں عاشق ہیں مگر ہے عشق میں الٹا فرق
ہیں نثار حسن ہوں بلبل ہے قربان بہار

ابر پر آسان حکومت سہل تسخیر ہوا
داغ ہر لالے کا ہے مہر سلیمان بہار

تازگی ہر رخ پہ ہے جاتی رہی افسردگی
پتے پتے بوٹے بوٹے پر ہے احسان بہار

زلف سنبل سرو قد غنچہ دہن عارض سمن
چشم نرگس گوش گل کانٹے ہیں مژگان بہار

گوہر شہوار شبنم نذر دیتی ہے صبا
تخت گل پر رونق افزا ہے جو سلطان بہار

مے فروشوں سے کہو بیچیں انگوری شراب
کونپلیں پھوٹیں ہوا گلشن میں سامان بہار

باغباں کانٹوں کو سکھلا رکھ کہ ہنگام خزاں
کھینچ میں ڈالیں خلل الجھائیں دامان بہار

کیوں نہ کہیے شاہ پتے تاج ہیں شاخیں ہیں تخت — ہے نگین لالہ تو نافرمان ہے فرمانِ بہار
برگِ گل سے قطرۂ شبنم گراتی ہے صبا — کیوں نہ لوٹے دل جو دیکھے دُرِّ غلطانِ بہار

جوشِ گل سے ہے یہ ارزان نرخ بازار ای امیر
کوڑی کوڑی بک رہے ہیں ماہِ کنعانِ بہار

شیدا دل فدائے صاحبِ فرمانِ رامپور — ہے رامپور جسم وہ ہے جانِ رامپور
بالا ہے قاف سے بھی کہیں شانِ رامپور — زلفِ پری ہے سایۂ ایوانِ رامپور
غازہ بنائیں لے کے جو پائیں بُتانِ چین — رنگِ شکستۂ چمنستانِ رامپور
محوِ خرامِ ناز نسیم و صبا نہیں — گلگشت کر رہے ہیں حسینانِ رامپور
گلیاں یہاں کی باغ کی ہیں کیا ریاں — رضوان ہے باغبانِ گلستانِ رامپور
نرگس کے پھول گر یہ انگور کے نہیں — ہیں دخترِ رز کی تاک میں مستانِ رامپور
آشفتگی یہاں کی ہے طُرّہ بہار پر — زُلفِ بتاں ہے خواب پریشانِ رامپور
سونے کے مزے ہیں بشر کو یہاں نصیب — دونوں جہان سے سیر ہیں مہمانِ رامپور
اہلِ نظر کو ملتی ہے آنکھوں میں یاں جگہ — اللہ چشمِ بد سے نگہبانِ رامپور
چکر میں بے سبب نہیں دن رات آسمان — کرتا ہے مہر و ماہ کو قربانِ رامپور
شہنا کی بام سے نہیں آتی ہے یہ صدا — زُہرہ ہے آسمان پہ ثنا خوانِ رامپور
سائے پہ فرطِ نور سے عالم ہے دھوپ کا — ہے آفتاب شمسۂ ایوانِ رامپور
بھولیں گے خلد میں بھی نہ اُنکے ادا و ناز — یاد آئیں گے وہاں بھی حسینانِ رامپور
لاتے نہیں خیال میں شاہانِ دہر کو — حضّار بارگاہِ سلیمانِ رامپور

حصّہ امیر کو بھی ملے خوانِ جود سے
مہمان نواز یہ بھی ہے مہمانِ رامپور

بادۂ سُرخ پیوں ساغر و مینا بھر کر — موسمِ گل میں کروں کیا میں خزینہ بھر کر

دل پہ ہے بحرِ محبّت میں ہجومِ غم و یاس
خوف ہے بیٹھ نہ جائے یہ سفینا بھر کر

باندھ دیں عشق کے بازو پہ یہ اچھّی ہو صلاح
دل کے تعویذ میں ہم نقشِ رضینا بھر کر

فصل گرمی کی ہے رکھنا نہ کمر میں قاصد
حرفِ مکتوب نہ مٹ جائیں پسینا بھر کر

حُسن کی نذر کو پھولوں کی لگائی ڈالی
عشق نے داغِ الم سے مرا سینا بھر کر

ساقیا رحم کر بے بادہ مجھے گورے ہیں
چند اور ابھی خالی کا مہینا بھر کر

حال کیا پوچھتے ہو میرے دلِ پُر خون کا
دیکھ لو بادۂ گلرنگ سے مینا بھر کر

محضرِ قتل پہ مرے اسلیے کرتے ہیں وہ مُہر
لعل ہو خون میں پتھر کا نگینا بھر کر

نشۂ دولتِ دنیا ہے خمارِ عقبیٰ
مستِ منعم ہیں عبث زر سے خزینا بھر کر

عطر تحفے میں نہ بھیجو مجھے بھیجو کسی دن
شیشیوں میں گلِ عارض کا پسینا بھر کر

مستِ میخانۂ غم کب نہیں رہتا میں امیر
خون چُلّو میں ہمیشہ مجھے پینا بھر کر

آمادہ وہ مژگاں سے ہیں ناوک فگنی پر
مینہ تیروں کا برسے گا غزالِ ختنی پر

ناصح نہ زبان کھول مری طعنہ زنی پر
عاشق خدا کبھی تو رسولِ مدنی پر

ہر آیۂ قرآن سے فصیحوں کو ہے حیرت
حیران ہیں کہ ایسا سخن اس بیدہنی پر

گلشن میں بہار آکے کرے گرم تو بازار
زہّاد تُلے بیٹھے ہیں توبہ شکنی پر

اب قافلۂ صبر و تحمل کا خدا ہے
باندھی ترے غمزے نے کمر راہزنی پر

ساتھ اپنے جو لیجائیں مجھے بھی وہ سفر میں
قربان وطن ایسی غریب الوطنی پر

مارا مجھے اُسنے ترے لب یاد دلا کر
ثابت ہے مرا خون عقیقِ یمنی پر

آیا ہے شہیدوں کی طرف دیکھیے اب خلق
کیا باندھنو باندھے تری گل پیرہنی پر

یوں اور حسین دیکھ رہے ہیں ترے رُخ کو
محتاج کی جسطرح پڑے آنکھ غنی پر

چھینی فلکِ دون نے جو محتاج کی چادر
ڈالیگا یہ کمبخت مگر قبرِ غنی پر

چھو جائے ہوا بھی تو تنِ صاف ہو میلا
ہے قطع یہ جامہ تری نازک بدنی پر

فرہاد نے کچھ لطف نہ محنت کا اُٹھایا
پتھر کے تلے ہاتھ رہا کوہکنی پر

صیاد نہ سمجھے رنج اسیرانِ قفس کو
کر رحم غریبوں کی غریب الوطنی پر

کیا خط کا جواب اُسنے تسلی سے دیا واہ
بھیجا سرِ قاصد مجھے نیزے کی انی پر

کیا رتبہ امیر اُسکو ملا عرش پہ پہنچا
سر جس کا جھکا پائے رسولؐ مدنی پر

تعجب ہے جو سرکش ہیں یہ زردار
کہ ہے سر بر زمیں شاخِ ثمردار

ہیں جس قاصد کو دوں اپنا خطِ شوق
ابھی وہ صورتِ طائر ہو پردار

نبہا قول کھنچکر دار پر بھی
کہیں منصور سے ہوتے ہیں سردار

مٹاتے ہو مجھے اتنا تو کہدو
کہاں پاؤگے ایسا ناز بردار

جہاں میں وجہ شادی ہے تو دولت
نہ ہنستے گل اگر ہوتے نہ زردار

کہاں تک شورشِ بیہودہ اے دل
کوئی نالہ تو پیدا کر اثردار

قد و گیسو کا ہے عاشق سے ایکا
رسن پر یاں رسن ہے دار پر دار

امیر اُس قامتِ موزوں کے آگے
چمن میں سرو آتا ہے نظر دار

دلِ ابرو پہ فدا ہو مفت کا الزام دلبر پر
گلا شمشیر کا کاٹے خون ہو جلاد کے سر پر

خرابِ عشق لاکھوں تاک میں ہیں چشمِ ساقی کی
زمانے کے شرابی آگرے ہیں ایک ساغر پر

دکھا کر آنکھ قاصد کو صنم نے کرلیا بندہ
خدا کی شان دیکھو چل گیا جادو پیمبر پر

دلِ بیتاب عاشق جاکے ٹھہرا کوے قاتل میں
سپاہی نے کمر کھولی پہنچکر اپنے بستر پر

نہیں یہ گرمیِ مے سے لبِ جاناں پہ تبخالے
الٹ کر رکھدیئے ساقی نے ساغر حوضِ کوثر پر

شہیدِ تیغِ قدِ یار ہوکر اسقدر تڑپا
کہ اُڑ اُڑ کر خون کی چھینٹیں پڑیں دامانِ محشر پر

یہ شوقِ نامہ بر ہے انتظارِ خطِ جاناں میں
پھڑک جاتا ہے دم آوازِ پروازِ کبوتر پر

گڑے مردے اکھیڑے جائینگے پھر روبکاری کو
زمانے بھر کے جھگڑے اٹھ رہے ہیں روزِ محشر پر

سیہ کاری سے جی بھرتا نہیں پر شرم آتی ہے
کہاں تک بوجھ رکھیئے کاتبِ اعمال کے سر پر

نہیں بیوجہ جوہر سے مشابہ بخیے کے ٹانکے
دہانِ زخم کا بھر دانت ہے قاتل کے خنجر پر

مجھے بھی کوئی بوسہ دے لبِ شیریں کا اے ساقی
جہاں سیراب میں پیاسا کھڑا ہوں نہرِ کوثر پر

جو اُس بلقیس وش سے لیکے نامے کا جواب آئے
تصدّق کر کے چھوڑوں سیکڑوں ہدہد کبوتر پر

لگائے گا وہ سرمہ آنکھ میں کس کے دکھانے کو
ہمارے دم تلک رکھتا ہے قاتل باڑھ خنجر پر

وہ مست آئے تو میکش کیا ہیں بیحس مست ہو جائیں
صراحی پر صراحی خُم پہ خُم ساغر پہ ساغر پر

ریاضِ دہر میں ہمسا کہاں ہے طائرِ وحشی
کہ اپنا آشیانہ بیچ میں ہے قفس کے سر پر

امیر اب دوسرے کو اس جہاں میں کیا توقع ہو
برادر کو نہ آیا رحم یوسف سے برادر پر

وہ بگڑے جب لیا بوسہ جھگڑ کر
شکستِ فاش دی قسمت نے لڑ کر

گئے وہ ہم سے بیماری میں لڑ کر
طبیعت اب نہ سنبھلے گی بگڑ کر

اجل نے سارے جھگڑوں سے چھڑایا
فراغت مل گئی تربت میں گڑ کر

وہ کشتہ ہوں جو قاتل نے کیا قتل
ہزاروں تیر سے مارے اکڑ کر

حیا آتی ہے کیا منزل پہ جاؤں
کہ کانٹے روکتے ہیں پاؤں پڑ کر

یہ جنگِ زرگری درپردہ ہے صلح
ملا دیتی ہے دل کو آنکھ لڑ کر

وہ مجرم ہیں نہ رضوان بھی اٹھائے
درِ جنت پہ ہم بیٹھیں جو اڑ کر

جدا سر ہو تو اپنا دردِ سر جائے
کریں کیا دردِ سر صندل رگڑ کر

کنوئیں کیا کیا نہ الفت نے جھکائے
ہوئے ناسور دل میں داغ بڑھ کر

نکیرین آتے ہیں تربت میں ناحق
ملے گا کچھ نہ مفلس سے جھگڑ کر

جو آبادی ہے ویرانی ہے آخر
ہوئے جنگل ہزاروں شہر اُجڑ کر

کہیں جاتا ہے دل سے عشقِ مژگاں
نکلتی ہی نہیں یہ پھانس گڑ کر

خلف آدم کے ہم ہیں وارثِ آدم
کبھی لیلیں گے رضواں سے جھگڑ کر

ق
فراقِ یار میں نفرت ہے مے سے
الگ بیٹھا ہوں ساقی سے بگڑ کر

کہاں آیا ہے میرے پاس شیشہ
نکالو بھی اسے گردن پکڑ کر

امیر اک شہر ناپُرساں ہے وہ بزم
وہاں تم کیا بناؤ گے بگڑ کر

ساقیا ابر ابھی آیا نہیں میخانے پر
کیوں قدح نوش گرے پڑتے ہیں پیمانے پر

وہ حسین تو ہے کہ پریوں کو بھی ہے پاس ترا
سایہ کرتی ہیں پروں سے ترے دیوانے پر

شکل حیواں کی نہیں صورتِ انساں کیسی
کچھ عجب عالم ہُو ہے مرے دیوانے پر

کیوں مرے سر پہ نہ ہو لغزشِ پا کا احسان
ہاتھ پڑ جائے جو بیساختہ اُس شانے پر

جی میں ہے شیخ و برہمن کو دکھاؤں درِ یار
ناز کعبے پہ اسے ہے اُسے بُتخانے پر

ہے عجب حال یہاں کوئی سمجھتا نہیں کچھ
لاکھوں اپنوں کو کہوں رکھتے ہیں بیگانے پر

فردِ تقسیم کی ہے مزرعِ آفاق نہیں
نام ہر ایک کا لکھا ہے ہر اک دانے پر

طالبِ دل ہیں وہ عشاق سے اپنے اس طرح
جیسے حاکم کی نظر رہتی ہے نذرانے پر

ہم سے کہتا ہے کہ گیسو نہ چھوؤ اُس بُت کے
مار اللہ کی ناصح ترے سمجھانے پر

دل خدا دے جسے وہ داغِ محبت لے مول
عشق بلبل پہ ہے موقوف نہ پروانے پر

آتشِ غم میں جو ہم جلتے ہیں پروا نہیں کیا
رحم آتا ہے کہاں شمع کو پروانے پر

ہوں میں وہ بلبلِ غمناک کہ گلزار میں گُل
چاک کرتے ہیں گریبان مرے افسانے پر

ہے وہی دوست جسے جس سے محبت ہو جائے
نہ یہ اپنے پہ ہے موقوف نہ بیگانے پر

مجھ سے رخصت جو ہُوا یار شبِ وصل امیر

چھا گئی کیسی اُداسی مرے کاشانے پر

دیکھو زباں نہ تیز کرو بات بات پر — قینچی چلے کسی کے نہ رختِ حیات پر

بوسہ ملا جو اُس لبِ شیریں کا مر گئے — دی جان ہمنے چشمۂ آبِ حیات پر

پائی ہے برہمن نے جو در پر ترے جگہ — بیٹھا ہے لات مار کے عزّیٰ و لات پر

آرام سے ہوں فقر کے بستر پہ میں گرا — تکیہ ہے جب سے رازقِ مطلق کی ذات پر

سُنتا ہوں محتسب نے کیا میکدے کو قرق — بٹھلا دیا یزید نے پہرہ فرات پر

رحم آئے جب مزاج پہ تب ہوں وہ مہرباں — موقوف وصلِ یار ہے دن پر نہ رات پر

جھڑتے ہیں بوستاں میں جو دو چار برگِ گل — گرجاتے ہیں قفس میں مرے پانچ سات پر

لکھتے ہیں ہم جو مدحتِ چشمِ سیاہِ یار — آنکھیں نثار کرتے ہیں آہو دوات پر

شیشے میں ہم پری کو اُتارینگے دیکھنا — چڑھ جائیں گے کسی نہ کسی دن وگھات پر

کودک مزاج چاہنے والے نہیں ترے — کھیلیں گے جان پر اگر آئینگے بات پر

منعم ہے شکر فرض جو سائل ہوں تیرے گرد — فانوس چاہیے کوئی شمعِ حیات پر

پردہ یہ کس کے عارضِ روشن سے اُٹھ گیا — دن کا گمان ہے سارے زمانے کو رات پر

سمجھے یہ خطِ پشتِ لبِ یار دیکھکر — لکھا ہُوا ہے حاشیہ عین الحیات پر

درکار ہے بہانہ پئے مغفرت امیر
تقوے پہ منحصر ہے نہ صوم و صلوٰت پر

ملا نامِ خدا وہ مرتبہ تجھ کو حسیں ہو کر — فلک کرتا ہے مجرا تیری چوکھٹ کو زمیں ہو کر

بچیگی آبرو دنیا میں تو عزلت نشیں ہو کر — صدف میں بیٹھ چاہیے درِّ ثمیں ہو کر

خراشِ غم نے کیسا میرے دل کا رنگ چمکایا — زیادہ ہو گیا قیمت میں کندہ پہ نگیں ہو کر

کلیجا تختہ سوسن کا بنا ہے نیلے داغوں سے — غضب کی لی ہیں دل میں چٹکیاں پہلو نشیں ہو کر

کمر کو بال جب میں نے کہا جھنجلا کے فرمایا — نہ سمجھے آپ موٹی بات بھی باریک بیں ہو کر

بڑا ہی فخر قاصد کو ہوا خط پا کے ڈرتا ہوں
فلک پر اڑ نہ جائے یہ کہیں روح الامین ہوکر

تصور ہے وہی پیش نظر ہر دم حسینوں کا
تماشا ہے رہے محفل میں ہم خلوت نشین ہوکر

کمر ہے بال سی اے گلبدن لچکے نہ چلنے میں
نہ اتنا چاہیے موباف بھاری نازنین ہوکر

بتا دے اے فلک تو ہی تعجب ہم کو آتا ہے
کہ خوش ہوتا ہے پھر کیونکر کوئی اندوہگین ہوکر

بہار لالہ و گل پھر کبھی کا ہے کو دیکھیں گے
چلے ہیں اس چمن سے ہم نگاہ واپسین ہوکر

ملوں جسدم میں آنکھیں انکے ساعد سے دم رخصت
تو رہ جانا وہیں اے پردۂ چشم آستین ہوکر

جو دل بھی مہربان ہو کب زبان ہے انکے قابو میں
جو لب تک ہاں کبھی آتی ہے نکلتی ہے نہیں ہوکر

لگایا تو گلے سے پر لگائی تیغ بھی اس نے
ملا تو عید کے دن وہ مگر چین بر جبیں ہوکر

خدا مومن کی صورت رزق کافر کو بھی دیتا ہے
کسی کو بھول جائے کیا وہ رب العالمین ہوکر

جگہ پکڑی ہے کیوں سینے میں دل نے اس سے کیا حاصل
کسی انگشتری میں اس کو رہنا تھا نگین ہوکر

تصور بندھ گیا جس شام کو اس حور طلعت کا
تو آیا خواب آنکھوں میں پری بنکر حسین ہوکر

امیر اک آئینہ خانہ تھا دنیا جسکو کہتے ہیں
وہی صورت رہی پیش نظر نکلی کہیں ہوکر

نکر نظر میں آئے کہ ہے بے نشان کمر
آنکھوں سے مثل تار نظر ہے نہاں کمر

لو میں اور شکم میں صفائی کی بحث ہے
دونوں ہیں پر خموش کہ ہے درمیان کمر

طرح خود ہے عالم ہستی میں بے نشان
اکدن کریگی یوں ہی تجھے بے نشان کمر

ب قصد کرتی ہے کہ مرے دل کو باندھ لے
زلف دراز بڑھ کے یہ کہتی ہے ہاں کمر

وب جانتے ہیں کہ ہے جادۂ عدم
سمجھے ہوئے ہے جسکو یہ سارا جہان کمر

ل ہیں سرفروش ہزاروں ہیں سر بکف
اک روز باندھیے تو پئے امتحان کمر

تا نہیں کہ خاک میں عاشق تو مل چکے
اب تک ستم پہ باندھے ہے کیوں آسمان کمر

ر کیا کھینچے گی مصور سے آپ کی
معدوم اگر دہن ہے تو ہے بے نشان کمر

کاہیکو پھر امیر سا پاؤ گے باوفا
باندھو نہ اسکے قتل پہ اے جانِ جاں کمر

گلشنِ فردوس ہے رخسارِ یار
آبِ کوثر شربتِ دیدارِ یار

ہیں جو آنکھیں طالبِ دیدارِ یار
کاش ہوتیں روزنِ دیوارِ یار

خلد میں ٹھہرے تہِ طوبےٰ جو ہم
یاد آیا سایۂ دیوارِ یار

زندہ مردہ مُردے زندہ ہو چلے
حشر برپا کر چلی رفتارِ یار

برق چمکی تھی جو کوہ طور پہ
وہ بھی تھا اک پرتوِ رخسارِ یار

آنکھ اُسے کہیئے جو دیکھے وہ جمال
کان وہ ہے جو سُنے گفتارِ یار

اسقدر غالب نہو لے خوابِ مرگ
آچکا ہے وعدۂ دیدارِ یار

باغ میں نازاں ہیں کیا طاؤس و کبک
ٹھوکریں کھاوئینگی رفتارِ یار

عینِ صحت ہے مرض کیسا مریض
ہے مسیحا یار ہم بیمارِ یار

قتل ہوتا ہے دمِ تزئینِ جہاں
آئنہ ہے تیغ جوہردارِ یار

اپنی آنکھیں بھی غضب طرار ہیں
لوٹ لائیں دولتِ دیدارِ یار

آنکھ کھولو خوابِ غفلت سے امیر
گرم محشر میں ہوا دربارِ یار

اُٹھاتے تھے جو قرآں کل تلک پرہیزگاری پر
بھلے تک گرد ہیں آج اُن کی بادہ خو

اُٹھایا زخم کاری میرے دل نے زخمِ کاری پر
لگائی تیغِ ابرو اُسنے مژگاں کی کٹا

تفوق ہو نہ سے گلگوں کو جب بادِ بہاری پر
یقین ہے نکہتِ گل کیوں نہو گردِ سوا

پھر آئی اس صنم کی آنکھ بھی اللہ کی قدرت
ہوا پتھر کا دل پانی ہماری اشکبا

کہو اشجار سے اک دن خزاں بھی آنیوالی ہے
اُٹھائیں سر نہ اتنا باغباں کی آبیا

نہیں یہ خندۂ دنداں نُما تلوار کا قاتل
چھڑکتی ہے نمک ظالم ہمارے زخ

تری موجِ تبسم نے چمن کا رنگ چمکایا
ہوا اک اور کوڑا توسنِ بادِ بہاری پر

شرارہ ہے یہ گویا نالۂ پُرسوزِ مجنوں کا
چمکتا ہے کلس زرّیں جو لیلیٰ کی عماری پر

وہ پیاسا ہوں غنیمت ہے مجھے اک بوند بھی پانی
گلا خود جا کے رکھ دیتا ہوں بوندی کی کٹاری پر

فقیر اللہ کے ہیں بوریائے فقر ہے بستر
توکل پر نظر تکیہ ہے اپنا ذاتِ باری پر

خدا ہے عشق ابرو میں جو اپنی جان بچ جائے
رہا کرتا ہے خوفِ غرق کشتی کی سواری پر

کنویں سے جوش کھا کھا کر نکل آتا ہے جو پارہ
تڑپتا ہے دل اُس کا بھی ہماری بیقراری پر

چھپایا گل نے پر یہ بلبلِ کشتہ کا خوں اچھلا
پڑیں اُڑ اُڑ کے چھینٹیں دامنِ ابرِ بہاری پر

امیر ایسی بھی شب ہوتی کہ وہ مہ میرے گھر آتا
ترحم کچھ تو کرتا آسمان اختر شماری پر

نوجوانی ہے نہ پوچھو رُخِ جاناں کی بہار
کچھ عجب موسمِ گل میں ہے گلستاں کی بہار

ہے جہاں جلوۂ معشوق وہی شہر ہے خوب
ساتھ یوسف کے گئی مصر میں کنعاں کی بہار

جوشِ گل باغ میں ہے جوشِ جنوں لازم ہے
پُرزے پُرزے ہوہی اب ہے گریباں کی بہار

کسطرح میکدے والوں کو یقیں ہو واعظ
دیکھ آیا نہیں تو روضۂ رضواں کی بہار

رنگتِ محفل کا تو جھگڑا ہے حسینوں ہی سے ہے
گل جو کھلتے ہیں تو ہوتی ہے گلستاں کی بہار

پرتوِ گیسوئے جاناں نہیں آئینے میں
ہے لبِ نہرِ چمن سنبلِ پیچاں کی بہار

باغباں سے کہو پھولے نہ بہت پھولوں پر
چار دن ہے یہ گُل و لالہ و ریحاں کی بہار

سیکڑوں لالہ رُخ و سرو قد و غنچہ دہن
دیدنی ہے چمنِ عالمِ امکاں کی بہار

اب مدینے کی طرف قصدِ مصمم ہے امیر
دیکھیے چل کے ذرا گلشنِ ایماں کی بہار

مرے پھولوں میں لعل آئے چمن صدقے ہو جوبن پر
ملو ہاتھوں میں مہندی خون ان سب کا میری گردن پر

برابر رحم اہلِ درد کو دوست و دشمن پر
کہ جلتا ہوں میں گرتی ہے بجلی جسکے خرمن پر

ہجوم ایسا نگاہوں کا ہوا ہے اُن کی چلمن پر
کہ ڈھیرے پڑے جالی سے کٹ کٹ کے ہیں ریزے روشن پر

الٰہی وہ بھی دن آئے کہ میرا ہاتھ محشر میں
کبھی جیبِ کفن پر ہو کبھی قاتل کے دامن پر

وہ میکش ہوں کہ مستی میں ذرا بھی گر قدم پھسلے
بطِ مے اڑ کے میرا ہاتھ رکھ لے اپنی گردن پر

دو رنگی سے نہیں خالی ہے کوئی بات اُس بت کی
پیامِ صلح لب پر جنگ کے آثار چتون پر

تڑپتا ہے دلِ بسمل کہیں ایذا نہو تم کو
قدم رکھو تو بسم اللہ کہہ کر میرے مدفن پر

ادا نے ہاتھ تھاما لی نزاکت نے رکاب آ کر
ارادہ جب کیا چڑھنے کا اُس نے پشتِ توسن پر

شرارِ آتشِ دل ہیں کہ قطرے اشکِ خونیں کے
نظر آتی ہیں کچھ چنگاریاں سی جیب و دامن پر

اسیرانِ ازل کو قیدِ بارِ دل نہیں ہوتی
گرانی طوق کرتا ہے کہاں قمری کی گردن پر

تہی دستوں کو کیا خوفِ بلائے آسمانی ہے
کفِ افسوس مل کر رہ گئی برق اپنے خرمن پر

کدورت کب جگہ پاتی ہے دل میں صاف طینت کے
نہ دیکھا گرد کو جمتے کبھی دریا کے دامن پر

وہی ہے تیرہ بختی بعد جل بجھنے کے بھی باقی
دھوئیں کا جیسے رہ جائے نشاں دیوارِ گلخن پر

نہ ہے عبرت جیا ہے تو لٹ کے پہنچے تا سرِ منزل
پھرے تو فاتحہ پڑھتے ہم آئے قبرِ رہزن پر

نہ کرتا مے سے توبہ تو ابھی ہرگز نہیں مرتا
جو سچ پوچھو تو میرا خون ہے قاضی کی گردن پر

سبکروحی سے میں وحشی ہوائے دشتِ وحشت ہوں
پشیماں ہوں جو ڈالیں ہاتھ کانٹے میرے دامن پر

لگی ہے آگ دل میں بلبلوں کے کیا مزہ ہوتا
کوئی پھول اُڑ کے پڑ جاتا اگر گلچیں کے دامن پر

گلِ خورشید بھی آندھی ہے تیرے جی جلانے کو
چمک کر دھوپ بجلی بن گئی شاخِ نشیمن پر

امیر ایسا کیا ویران اجل نے قصرِ شاہی کو
کہ آنکھیں رکھ کے روئی بیکسی ایک ایک روزن پر

مری آہوں کے شعلے اس طرح ہیں میرے مدفن پر
چراغِ زیرِ داماں کا ہو جیسے گورِ دامن پر

گئی ہے جان اک پردہ نشینِ پاک دامن پر
عجب کیا پنجۂ مریم ہو پیدا امیر مدفن پر

وہ بسمل ہوں نگاہِ گرم سے دیکھے جو قاتل کو
اُچھل کر خون میرا جا پڑے قاضی کی گردن پر

کسی گل پیرہن کی جامہ زیبی رنگ لائی ہے
گریبان آجکل کوٹا ہوا ہے میرے دامن پر

مچا ور گر نہیں کوئی تو مجھ کو کچھ نہیں پروا
اتر بیٹھیں گے کاندھوں کے فرشتے میرے مدفن پر

یہ عالم ہے عطش کا وادیٔ گرم محبت میں
کہ چشم خضر بھی رہتی ہے آب تیغ رہزن پر

عجب لذت بھری تلوار سے قاتل نے مارا ہے
مرا خون اس کے سر پر اس کا احسان میری گردن پر

نہ سمجھا تھا کہ ان طوقوں میں پھر مجھ کو پھنساؤ گے
کروگے چوڑیاں ٹھنڈی تم آ کر میرے مدفن پر

گلا کٹوا مرے لیکے پھر اے دل کہاں آئے دن
کبھی گردن ہو خنجر پر کبھی خنجر ہو گردن پر

کرونگا اس طرح بدنام ان پردہ نشینوں کو
لہو چھڑکوں گا اپنا جا کے میں ایک ایک چلمن پر

وہاں معصیت سے پاک ہیں دل صاف ہے جن کا
عذاب میکشی ہوتا نہیں شیشے کی گردن پر

عبث ہے دخت رز پر تہمت تر دامنی واعظ
نمازیں پڑھتی ہیں آ کے حوریں اُسکے دامن پر

نگاہ یاس نے خنجر کی رنجش پر بھی سبقت کی
چلی اُلٹی چھری مقتول کی قاتل کی گردن پر

مرے ہم لُٹ کے غربت میں رہی لیکن وہی تلخی
خضر نے دیا تو فاتحہ حلوائے رہزن پر

تصور ایک دم بھی اُس کی پلکوں کا نہیں مٹتا
ہمیشہ آنکھ رہتی ہے نظر بازوں کی چلمن پر

پھری اے ترک جس سے آنکھ تیری ہو گیا بسمل
قضا کی بھی نظر رہتی ہے ہر دم تیری چتون پر

ترحم غیر کے آگے نہ مجھ پر چاہیے تم کو
کہ دل دُکھتا ہے میرا چوٹ پڑتی ہے جو دشمن پر

میں جب کہتا ہوں اُس سے مجھ کو تیری شرم نے مارا
تو شوخی سے حیا الزام رکھدیتی ہے چتون پر

چلے تیغ نگہ اغیار پر میں ایڑیاں رگڑوں
مرے ہوتے غضب ہے ہاتھ اُٹھائیں آپ دشمن پر

نہایں ہے قطرۂ شبنم یہ مستی دیکھ کر تیری
گھڑے پانی کے شبنم پڑے گا ہائے سوسن پر

امیر اُسکی ادا سے ایک عالم کی قضا آئی
پڑھے گا فاتحہ اب کون آکر کس کے مدفن پر

اثر یہ ہے جو دی ہے جان اسکے روئے روشن پر
کہ آنکھیں مانگنے آتے ہیں اندھے میرے مدفن پر

اندھیرا چھا گیا ہے یار ایسا روئے گلشن پر
زبان یار کا عالم نظر آتا ہے سوسن پر

ردیفِ زاے معجمہ

یوں ہے خطِ سبز سے رنگِ رُخِ دلدار سبز
کرتی ہے جیسے زمیں کو خضر کی رفتار سبز

وضعداروں کا بدلتا ہے کہیں دنیا میں رنگ
برسوں ٹھہرے ہو نہ آب گوہرِ شہوار سبز

کیا چمن میں پڑ گیا عکسِ بتانِ سبز رنگ
خاک سے سبزہ اُگا پہنے ہوئے زنّار سبز

ہنس کے حق میں یہ قحط آیا بہار آئی نہیں
ہو گئے مثلِ زمرد گوہرِ شہوار سبز

باغ میں سبزی ہی سبزی ہے جو آئی ہے بہار
خاک پر سبزہ تو کانٹے ہیں سرِ دیوار سبز

میکشو کچھ کم نہیں صحنِ چمن سے میکدہ
سُرخ گل ہیں جام شیشے صورتِ اشجار سبز

چہرۂ شفافِ جاناں پر ہوا آغازِ خط
خوف ہے کر دے نہ اس آئینے کو زنگار سبز

مست تیرے پی کے سبزی سیر کو نکلیں اگر
کیوں نظر آئے نہ پھر بازار کا بازار سبز

مُردہ اُمیدوں میں رونے ہی سے جان آ جائیگی
کھیت کر دے گا برس کر ابرِ دریا بار سبز

سبزہ رنگوں نے کیا ہے گھر جو آنکھوں میں امیر
اب دکھائی دیتے ہیں سارے در و دیوار سبز

زلفوں سے خالِ رُخ ہے مجھے پیشتر عزیز
پریوں سے ہے زیادہ یہ زنگی پسر عزیز

جان ایک بھی بچا نہیں سکتا ہے نزع میں
کیا فائدہ جو دوست اُدھر ہیں اِدھر عزیز

رستے میں خطِ شوق ہمارا نہ گر پڑے
رکھنا زیادہ جان سے لے نامہ بر عزیز

اہلِ جہاں کو دولتِ دنیا سے یوں ہے اُنس
جس طرح مور و مار کو شیر و شکر عزیز

ہو خاک جاہلوں کو ہمارے سخن کی قدر
پتھر کو لعل ہے نہ صدف کو گہر عزیز

چھوٹوں نہ پھر کسی نے کیا یاد ایک دن
کیا ہم کو دفن کر کے ہوئے بیخبر عزیز

دل سے زیادہ ہم کو غنیمت ہے داغِ دل
بڑھ کر کہیں جگر سے ہے زخمِ جگر عزیز

قصدِ سفر ہے جادہ وطن سے امیر کا
کہہ دو کہ دشمنی پہ آمادہ ہیں مگر عزیز

ردیفِ سین مہملہ

نارسا قسمت نے کب جانے دیا دلبر کے پاس
گر پڑی دیوار پہنچے بھی جو اُسکے در کے پاس

کس رخِ قامت کا کشتہ تھا کہ مجھ کو خلد میں
گھر ملا طوبےٰ کے نیچے چشمۂ کوثر کے پاس

کیا مری تحریر کی اُس مست نے کی قدر واہ
ہے لفافہ ڈاٹ شیشے کی تو خط ساغر کے پاس

ذبح ہو کر پیاس کم ہو تشنۂ دیدار کی
اس قدر پانی کہاں قاتل ترے خنجر کے پاس

یوں عیاں ہیں ضعف سے پہلو میں میرے استخواں
جیسے صفحے پر خطِ مسطر خطِ مسطر کے پاس

دل کو کر دیتی ہے روشن صحبتِ اہلِ کمال
آئینے میں زنگ کب رہتا ہے روشنگر کے پاس

مست آنکھیں جلوہ گر اُسکی تہ ابرو نہیں
میفروشوں کی دکانیں ہیں خدا کے گھر کے پاس

عاشق و معشوق ہیں مر کر بھی فرقت قہر ہے
گورِ نوشابہ ہے لازم قبر اسکندر کے پاس

شرم آتی ہے مجھے زاہد بتاؤں کیا پتا
شہر میں رہتا ہوں میں پیرِ مغاں کے گھر کے پاس

آئے کس منہ سے وہ تیرے حسن کے بازار میں
اک درم ہے داغ کا کھوٹا مہِ انور کے پاس

ہے امیر اپنی دعا آئے مدینے میں اجل
دفن ہوں میں روضۂ پُر نورِ پیغمبر کے پاس

چمکا کریں چمکیں جو چمن میں پرِ طاؤس
یاں داغ سے ہر عضو ہے تن میں پرِ طاؤس

کاہیدہ ہوں یہ داغ عزیزان سی پسِ مرگ
مجھ زار کا مردہ ہے کفن میں پرِ طاؤس

رُخ سے دلِ پُر داغ مرا زلف میں پہنچا
گلشن سے گیا اُڑ کے ختن میں پرِ طاؤس

بیوجہ نہیں ابرِ بہاری کا یہ رونا
دکھلاتا ہے داغ اپنے چمن میں پرِ طاؤس

نیرنگ ہے کیا روئے نگارین کی صفت کا
گویا ہے زبان اپنے دہن میں پرِ طاؤس

غربت نے جو کچھ داغ مرا زلف میں پہنچا
گلشن سے گیا اڑ کے ختن میں پرِ طاؤس

کیا خوف جو برسات کی راتیں ہیں اندھیری
داغوں سے چراغاں ہیں چمن میں پرِ طاؤس

سوزِ دلِ پُر داغ سے میں جل کے ہُوا خاک
لازم ہے نشانی کو کفن میں پرِ طاؤس

روروکے امیر ابر بہاری نے دیا غسل
ٹوٹا ہوا پایا جو چمن میں پر طاؤس

وان چشم و ابرو ہمنشیں اور یاں جگر ہے دل کے پاس
قاتل وہ قاتل کے قرین بسمل ہے بسمل کے پاس

ٹھنڈک پڑی اس شوخ کا پہلو سے جب پہلو ملا
گویا کسی نے رکھدیا صندل کا پھاہا دل کے پاس

رونے پہ میرے وار یا ہو خندۂ دندان نما
موتی محل اُس دم بنا تیار ہو ساحل کے پاس

تھا عرش پر جو منتخب گنجینۂ اسرار رب
کچھ دفن کعبے میں ہے اب کچھ ہے میرے دل کے پاس

ہوش و خرد نو ہیں وہ ڈکا ہوں نزع میں کیونکر بجا
ہو جاتے ہیں یاں بھی جدا آتے ہیں جب منزل کے پاس

آئنہ ہے پیش نظر عبرت سے دیکھ اے بیخبر
بزم خموشاں بھی اُدھر ہے عیش کی محفل کے پاس

کیوں بسملوں کو بھا گئی لاکھوں گلے کٹوا گئی
یارب کہاں سے آگئی پھونکی چھُری قاتل کے پاس

مجنون نااہل کی ہے جادو کے کا ہے یہ قافلہ
شبہے میں لیلیٰ کے نہ جا ہر صاحب محمل کے پاس

کانٹے چبھے ہر گام پر چھالے پڑے کانپا جگر
منزل کی کڑیاں جھیل پہنچے ہیں ہم منزل کے پاس

راہ عدم کی سیر سے کب رنج اُٹھائے خیر سے
پہنچے ہیں پائے غیر سے سوتے ہوئے منزل کے پاس

گھبرائے قیس ناتواں لیلیٰ خود آئے گی یہاں
اُلجھے گا ناحق ساربان جاتا ہے کیوں محمل کے پاس

ساقی کو حیرت ہو گئی مطرب کو وحشت ہو گئی
برباد صحبت ہو گئی پہنچا جو میں محفل کے پاس

جائیگا جب سوئے جناں حوروں کو دیگا ارمغاں
زخموں کی ہیں جو بدھیاں قاتل ترے بسمل کے پاس

ہوتی امیر انجام پر کچھ بھی اگر انکو نظر
آنکھوں سے جاتے دوڑ کر حاجت روا سائل کے پاس

ٹھہرا گیا کب تیر سے اے ترک بیدرد لکے پاس
خنجر کبھی تڑپا دیر تک آیا جو مجھ بسمل کے پاس

گردش جو ہو تقدیر میں کچھ سعی کام آتی نہیں
منزل کچھ آگے بڑھ گئی پہنچا جو میں منزل کے پاس

تاثیر الفت دیکھنا جب قیس نے فریاد کی
گھبرا کے لیلیٰ بول اُٹھی یہ کون ہے محمل کے پاس

زاہد تو کیا شیخ حرم آ آ کے چلے کھینچتا
ملتی جو تھوڑی سی جگہ میخوار دنکی محفل کے پاس

دولھا بنایا ہے اُسے کیا تیری تیغ ناز نے
بیٹھی ہیں شرمائی ہوئی حوریں ترے بسمل کے پاس

کر تو ہی رحم اب اے قضا تڑپے یہ بیکس تا کجا
قاتل خفا خنجر کھچا کوئی نہیں بسمل کے پاس

جب قیس غش کھا کر گرا لیلےٰ نے رو رو کر کہا
اے ناتواں مجنوں مرے آیا تھا کیوں محمل کے پاس

وہ ناقبول خلق ہے غربت میں دیوانہ ترا
منزل کے چل دور ہو جائے اگر منزل کے پاس

جسکی طرف کی اک نظر دو ٹکڑے تھا اُسکا جگر
کیا برق دم چلتی ہوئی شمشیر ہے قاتل کے پاس

اس کشمکش میں نزع کی کب تک رہوں میں سخت جان
اے اضطراب دل ذرا تو دوڑ جا قاتل کے پاس

میں نے کہا بیکس ہوں میں بولے ہمیں دیتے ہو دم
حسرت ہماری ہے ابھی باقی تمہارے دل کے پاس

تیر نگاہ ناز نے تاکا کبھی دل کو اگر
جان امیر ناتواں پہنچی تڑپ کر دل کے پاس

ردیف شین معجمہ

جو لپٹ بھی جائے وہ گلبدن تو نہوں میں ہجر کے ذرا خوش
وہ کلیم تھے ہوئے طور پر جو نمود برق شجر سے خوش

نہ پتنگ وار شمع ہوں کہ وہ خوش ہے شام سے صبح تک
نہ میں ذرہ طالب مہر ہوں کہ شام تک ہے سحر سے خوش

کبھی خط وطن کو رقم کروں تو صبا کو بھی یہ گلہ لکھوں
کبھی تو نے بھی نہ کیا مجھے کسی دوستدار کی خبر سے خوش

نہ اُڑونگا گلشن دہر میں نہ پھنسونگا آفت دام میں
میں وہ مرغ بے پر و بال ہوں کہ ہوں اپنی ریزش پر سے خوش

کسی دن نہ خواہش دختر رز کسی میفروش سے میں نے کی
مجھے تاکنے لگے محتسب کہ یہ بادہ خوار ہے گھر سے خوش

نہ زمیں سے مجھ کو رفاہ ہے نہ فلک سے مجھ کو پناہ ہے
یہ ہی فتنہ زادہ ہے چھلبلا گر ادھر سے خوش نہ اُدھر سے خوش

یہ مصاحبت کا ثمر ہے کہ سزا ابھی پانے کا غم نہیں
جو فلک کے دوش پہ ہے کماں تو ہے تیغ بند یہ کمر سے خوش

مجھے کب ہے پاس دل و جگر غرض اس پری کی رضا سے ہے
جو وہ دل سے خوش تو میں دل سے خوش وہ جگر سے خوش تو جگر سے خوش

عجب انقلاب زمانہ ہے کہ ہے اقربا میں بھی تفرقہ
نہ پدر ہے کوئی پسر سے خوش نہ پسر کوئی پدر سے خوش

ہوئی سرد آگ جحیم کی وہ سیاہکار میں رند ہوں
کہ تمام مردم حشر ہیں مرے ایک دامن تر سے خوش

کہو کس صنم پہ نظر پڑی کہو کس حسین نے کیا کرم
بہت اے امیر وطن کو تم جو پھرے ہو آکے سفر سے خوش

کٹ بھی چکے کہیں کہ ہے یاں سر وبالِ دوش
قاتل کو بھی ہے تیغِ دو پیکر وبالِ دوش

اے تیغِ یار جلد سبکدوش کر کہیں
ناطاقتی سے ہے مجھے اب سر وبالِ دوش

نازک جو لوگ ہیں کہیں اٹھتا ہے اُن سے بوجھ
ہو کیوں وہاں نہ زلفِ معنبر وبالِ دوش

پی جاؤں ایک سانس میں دے مجھ کو میفروش
کب تک سبوئے بادۂ احمر وبالِ دوش

تنکا سا بعد مرگ جو ہوا اپنا جسمِ زار
یاروں کو پھر جنازہ ہو کیونکر وبالِ دوش

ساقی مجھی کو دیتے ہیں سر آنکھوں پہ لوں اُسے
ایسی اگر ہے تاک کی دختر وبالِ دوش

ہنگامِ شب جو پھینک گیا میری قبر پر
شاید تھی ماہتاب کو چادر وبالِ دوش

کب تک اُٹھاؤں بوجھ فرشتوں کا اے امیر
ہے ابتدائے سن سے یہ لنگر وبالِ دوش

ردیف صاد مہملہ

آبرو کھوتی ہے پھر بھی رکھتی ہے ناکام حرص
دشمنِ عزت ہے جس کا ہے جہاں میں نام حرص

شدتِ اندوہ انسان کو بھلا دیتی ہے بھوک
خاک دانے کی کریں مرغانِ زیرِ دامِ حرص

صاحبِ حاجت رہیں امیدوارِ انقلاب
ہیں غنی ہم کو نہیں اے گردشِ ایام حرص

جانتے ہیں اور بھی دنیا میں کچھ اہلِ طمع
رات سے دن تک تمنا صبح سے تا شام حرص

آرزو شیشے کو ہے آئے وہ تیری بزم میں
بوسے لے لب کا ترے رکھتا ہے جامِ حرص

عاقبت مجھ کو دہانِ گور نے لقمہ کیا
وہ کبابِ گور کی اب کیا ہوئی بہرام حرص

حرص سے خالی ہیں خاص و عام کمتر اے امیر
خاص استغنا سرائے دہر میں ہے عام حرص

ردیف ضاد معجمہ

کیوں نہ کہیے ہیں مہ و مہر سے بڑھ کر عارض
وہ کم و بیش چمک میں ہیں برابر عارض

حُسن کہتا ہے سرِ بزم ہو جلوے کا ظہور
شرم کہتی ہے نہ پردے سے ہو باہر عارض

آنکھیں لڑ سکتی ہیں اب کس کی نکلا خطِ سبز
لیکے آیا ہے یہ ساداتّ کا لشکر عارض

دہر میں جلوہ گہِ مہر ہے ہر ایک مکان
میرے دل میں مری آنکھوں میں کرے گھر عارض

دیکھیے جس کو وہ ہے حسن میں یکتائے جہاں
لب دہن چشم مژہ زلف سمنبر عارض

اُسکو دیکھا تو کیا ہمنے تماشائے چمن
زلف سنبل ہے دہن غنچہ گلِ تر عارض

غُل ہُوا شہر میں خورشید گہن میں آیا
چھپ گیا جب تہِ گیسوئے معنبر عارض

پھر آئینہ تو ہے وجہ صفا خاکستر
کیوں مرے گردِ نظر سے ہے مکدر عارض

آج ہے ہجر تو ہو جائے گا کل وصل امیر
ایسے انسان کو مرض ہوتے ہیں اکثر عارض

ہمکو وزیر سے نہ کسی شاہ سے غرض
اللہ کے فقیر ہیں اللہ سے غرض

جلوہ پسند آپ کا عاشق ہوں آپ کا
خورشید سے غرض نہ مجھے ماہ سے غرض

اُٹھوائیے نہ میرے جنازے کو دھوم سے
مرنے کے بعد کیا حشم و جاہ سے غرض

یہ بوجھ اُن کے سر پہ رہے ہیں جو اغنیا
کیا مجھ گدا کو خیمۂ و خرگاہ سے غرض

کیوں مومنوں کی جانب مہدی نہ ہو رجوع
سارے براتیوں کو ہے نوشاہ سے غرض

روزینہ ہے جو بوسوں کا جاری رہے مدام
کچھ ہو نہ ہو ہمیں تو ہے تنخواہ سے غرض

اے سامعین ہیں شعر مرے دل کا مرثیہ
کرتے ہو واہ کیا ہے مجھے آہ سے غرض

گردش امیر کوچہ بکوچہ ہے اس لیے
نکلے کسی طریق کسی راہ سے غرض

ہوتا ہے روز مجھ کو جو عارض نیا مرض
اللہ کیا ہے میرے مرض کی دوا مرض

اسکو غمِ وصال ہے اسکو تپِ فراق
دل کو جُدا مرض ہے جگر کو جُدا مرض

جھنجلا کے بولے اُن سے جو لپٹا میں بار بار
پیدا ہُوا ہے آج یہ تم کو نیا مرض

آیا ہے وہ مسیح میں بیخود ہوں ہمدمو — مجھ کو نہیں تمیز بڑھا یا گھٹا مرض

ہر وقت اوڑھنا ہے بچھونا ہے شاعری
سچ ہے امیرؔ تم کو ہوا یہ بُرا مرض

ردیف طائے مہملہ

پڑھا جاتا نہیں اسے دلربا خط — جز اک اللہ لکھا ہے نیا خط
اثر تھا یہ مری افتادگی کا — کمر سے نامہ بر کی گر گیا خط
کہا قاصد سے میرے کھو کے تلمہ — یہ کہدے جا کے لکھیں دوسرا خط
نشان ملتا نہیں اُن کے مکان کا — لیے پھرتا ہے قاصد جا بجا خط
لگائی تیغ پر اُس ترک نے تیغ — نہ مطلق سخت جانی سے بڑھا خط

تمہارا کون ہے غیروں کی ہے ڈاک
امیرؔ اسکو سمجھ کر بھیجنا خط

ہے رُوئے کتابی پر کیا خوب تمہارا خط — کچھ سات خطوں سے بھی ہے بڑھکے یہ پیارا خط
بھیجا جو کبھی ہم نے دیکھا بھی نہ سارا خط — عینک کی طرح اُس نے نظروں سے اُتارا خط
اک نامہ جو لکھا تھا اب تک نہ جواب آیا — کس منہ سے لکھوں اُسکو قاصد میں دوبارا خط
قسمت کا لکھا دیکھو بھیجا بھی اگر قاصد — اک حرف نہ سمجھے وہ گو پڑھ گئے سارا خط
لیجائیگا تُربت میں وہ زیرِ کفن رکھ کر — جنت کا قبالہ ہے عاشق کو تمہارا خط
احباب دمِ آخر یٰسین سُناتے ہیں — جی جاؤں جو اسدم بھی آجائے تمہارا خط
اُڑ جائیگا قفس سے میں خود اُڑ کے سوئے گلشن — صیاد کو لکھتا ہے ناحق چمن آرا خط
یہ مشق رہی برسوں اک دن نہ کہا اُسنے — لکھوائیں گے کچھ ہم بھی دیکھیں تو تمہارا خط

اندھا ہوں جو وہ خط ہو نظروں سے امیرؔ اوجھل
جس روز سے آیا ہے آنکھوں کا ہے تارا خط

ردیف ظاے معجمہ

آنا ہو میکدے کو تو دن کو آئے واعظ
دروازہ کون کھولے شب کو برا ہے واعظ

ساقی وہ رند ہوں ہیں گرد رہ نشین ہوں
غوطہ لگا کے مجھ کو خود ڈھونڈ لائے واعظ

کیا فرق نیک و بد میں رحمت ہے عام اُسکی
رندوں کا بھی وہی ہے جو ہے خدائے واعظ

فردوس میکدہ ہے میکش بلا رہے ہیں
اب بھی اگر نہ آئے دوزخ میں جائیے واعظ

کیا وعظ سے نہیں کم ہم کو صدائے کو کو
کسریٰ کے طاق پر ہے قمری بجائے واعظ

پہلے اُسی سے ہونگے سارے سوالِ محشر
خود بھی ڈرے نہ تنہا ہم کو ڈرائے واعظ

مجلس میں وعظ کی ہیں کچھ رند آج وارد
تاکی ہے مفلسوں نے شاید روائے واعظ

وہ رند ہوں کہ گاڑوں پیرِ مغاں کا جھنڈا
عمامہ کرکے پرزے لیکر عصائے واعظ

اس کان جب میں سنکر اس کان وعظ اڑا دوں
بے پر کی میرے آگے پھر کیا اڑائے واعظ

بیٹھے ہیں صبر کرکے میخوار میکدوں میں
محشر میں اُٹھ رہے ہیں ہنگامہ ہائے واعظ

دبتے ہیں بادہ کش کب پرہیزگار جو ہوں
بھاری عمامہ رکھ کر اُن کو دبائے واعظ

کہتا ہے میکدے کا رستہ ہے راہ دوزخ
چلتا ہے چال اُلٹی ٹھوکر نہ کھائے واعظ

ہم رند پارسا وہ ضد ہوگئی ہے باہم
سیدھی کہوں تو اُلٹی مجھ کو سنائے واعظ

خم میں ہو قید چندے بصورتِ فلاطوں
تجویز کی ہے ہم نے ساقی سزائے واعظ

آخر میں آدمی ہوں بادام کچھ نہیں ہوں
بک بک کے مغز میرا کمبد نہ کھائے واعظ

کانوں میں بھر گئی ہے مینائے مے کی قلقل
ہم بادہ کش سنیں اب کیونکر صدائے واعظ

مسجد میں رند بھی ہیں اربابِ زہد بھی ہیں
دیکھیں امیر آئے کس پر بلائے واعظ

ردیف عین مہملہ

میری طرح جہاں میں ہے گرم شتاب شمع
ہر بزم میں لگن سے ہے پا در رکاب شمع

دل میں کرے خیال جو اُس گلعذار کا
آنکھوں سے جلے اشک بہائے گلاب شمع

کیا بات تیرے ساغرِ مینا کی ساقیا
بیمثل ہے چراغ ہے وہ لاجواب شمع

پردے میں نور اُس رخِ روشن کا کیا چھپے
فانوس کے حجاب میں ہے بے نقاب شمع

جلکر ابھی تو گرمیِ عارض سے ہوگی خاک
آئے ترے حضور جو رکھتی ہے تاب شمع

روشن ہے اسپہ خاتمہ محفل کا صبح تک
یہ وجہ ہے کہ رکھتی ہے چشم پُر آب شمع

موزوں کیا ہے کہا کسی بوٹے سے قد کا وصف
[illegible] مصرع بلند ترا انتخاب شمع

لائے کہاں سے اُس رُخِ روشن کی آب و تاب
بیجا نہیں جو شرم سے ہے آب آب شمع

یوں گل ہے روبرو ترے عارض کے بے فروغ
جیسے حضورِ قمقمۂ آفتاب شمع

ہے فاتحہ کا قصد وہاں چھپ کے رات کو
آئے نہ میری قبر پہ خانہ خراب شمع

درکار ہو اگر تری محفل کو روشنی
فانوس آسمان بنے ماہتاب شمع

پروانوں کو جلانے کا انجام ہے بُرا
لیتی ہے اپنے سر پہ عبث یہ عذاب شمع

واقف نہیں ہے اپنا سیہ خانہ نور سے
معدوم ہے امیرؔ ہمارے حساب شمع

ممکن نہیں کہ رُخ سے ترے ہو دوچار شمع
کیوں صبح تک ہے شام سے شرمندہ وار شمع

چہرے کی آب و تاب دکھاتے ہزار

ہے کس کے شوق میں ہمہ تن انتظار

آتی ہے اُسکے کوچۂ گیسو سے کیا ہوا
بجھ جاتی ہے یہ بزم میں کیوں بار بار

ہر شب کو ناحق آنے میں کرتی ہے عذرِ لنگ
کیا جانتی نہیں ہے ہمارا مزار

قصہ جو سوزِ دل کا سُنا مجھ سے شام کو
تا وقتِ صبح شب کو رہی اشکبار

ہے باعثِ شگفتگیِ بزم رُوئے زرد
دکھلاتی ہے خزاں میں بھی رنگِ بہار

آئے سیاہ خانے میں میرے تو خوف سے
چلتے ہوا کے گھوڑے پہ ہو کر سوار

دولت وہ کون ہے نہیں جسکی اسی کو تاک
ہے ساتھ چور بھی ہے اگر تاجدار

مشتاقِ مرگ ہیں شبِ فرقت میں آپ ہم
ناحق دکھا رہی ہے زبان مثلِ مار شمع

پروانوں کی ہیں لاشیں لگن میں پڑی ہوئی
رو رو کے کیوں نہ دل کا نکالے بخار شمع

آیا نہیں جو بزم میں اب تک وہ سرو قد
پروانے کی نظر میں ہے مانندِ دار شمع

اس شمع رو کے وصف جو کچھ بھی رقم کرے
بنجائے صاف کلکِ وقائع نگار شمع

ممکن نہیں کہ سر نہ ہو گا لگیر سے قلم
فانوس کو امیر نہ سمجھے حصار شمع

ردیف غین معجمہ

کرتا ہے خوب تقلیدِ رخ و کاکل چراغ
ہو کے گل کرتا ہے پیدا دُود سے سنبل چراغ

کیوں نہ مٹ جائے شبِ وصلت ہمارا داغِ دل
کوئی جل سکتا ہے پیشِ افعی کاکل چراغ

شب کو آندھی چل گئی ایسی ہماری آہ کی
ہو گئے خاموش سارے شہر کے بالکل چراغ

گو غلافوں سے اگر تاریک ہے کنجِ قفس
داغِ دل کا ساتھ اپنے لائی ہے بلبل چراغ

منحصر داغِ محبت پر ہے دل کی روشنی
کیوں نہ گھر تاریک ہو جائے اگر ہو گل چراغ

میکشوں کو وقتِ شب کیا روشنی کی احتیاج
شیشۂ مے شمعِ روشن ہے تو جامِ مل چراغ

کیا عجب عشاق ہیں بھی ہو جو باہم لاگ ڈانٹ
گل کو لے بھاگیں پتنگے لے اڑے بلبل چراغ

شب تلک روشن تھا پروانوں کا اک انبوہ تھا
بلبلیں تربت پر آئیں ہو گیا جب گل چراغ

شب کو آ کر کس کی دریا پر ہوئی جولاے امیر
ناخداؤں نے کیے روشن کنارِ پل چراغ

شبِ تاریکِ فرقت میں جلائیں ہم چراغ
گل کرے جھلکر ہوائے آہ جب پیہم چراغ

داغِ حسرت ہے ترے غمناک کے سینے میں یوں
جسطرح کوئی جلاتا ہے شبِ ماتم چراغ

لگا میرے سیہ خانے میں آ کر کیا فروغ
کرمکِ شبتاب سے بھی نور میں ہے کم چراغ

تیرہ پیری میں کریں کیا زیست پر ہم اعتقاد
ہو چکی ہے صبحِ پیری اب ہے اور کوئی دم چراغ

ہو تمہیں ایسے کہ ہم پر مہربان ہوتے نہیں
ہمدم بلبل ہے گل پروانے کا محرم چراغ

بے ثباتی بزم عالم کی نظر آتی ہے صاف
ہے نگاہ چشم آخر بین میں جام جم چراغ

مر کے بھی محتاج ہوتا ہے کسی کا کب سخی
گور حاتم پر ہے نام روشن حاتم چراغ

ہیں مریض عشق عارض کی وہی بے تابیاں
لاکھ کرتا ہے دعائے نور پڑھ کر دم چراغ

میرے آگے جتنے شاعر ہیں وہ ٹھنڈے ہیں امیر
کیا جلے تاروں کا پیش نیر اعظم چراغ

کھائے یہ الفت بت غنچہ دہن میں داغ
طاؤس کی طرح ہیں سراپا بدن میں داغ

گریاں وہ ہوں کہ کچھ نہیں پروا ہے بعد مرگ
دھو دیگی چشم تر جو لگے گا کفن میں داغ

اے ترک دیکھ تو کوئی گولی سے اڑ نہ جائے
بندوق اس طرح نہ بھری انجمن میں داغ

کافور لے کے صبح غریبی سے بھیج دوں
ہے میرے ہجر سے دل اہل وطن میں داغ

سنیئے مری نہ دیجیئے بوسہ رقیب کو
ایسا نہ ہو لگے کہیں سیب ذقن میں داغ

دیکھا ہے جب سے باغ میں گورا بدن ترا
لالے کی طرح ہے جگر یاسمن میں داغ

مشق سجود حق میں بھی دشمن کو رشک ہے
ہے شیخ کی جبین کا دل برہمن میں داغ

ظاہر میں اور رنگ ہے باطن میں اور رنگ
بوئے قبا میں ہیں تو ہمارے بدن میں داغ

دیکھ آئے لالہ زار کو ہم جا کے کوہ پر
ایک ایک کا جگر ہے غم کوہکن میں داغ

جب سے سنا امیر کہ ہیں داغ دردمند
لاکھوں پڑے ہیں سینۂ اہل سخن میں داغ

ردیف فا

دوڑا دل اسکی زلف سیہ فام کی طرف
یہ صید آپ کھنچ کے گیا دام کی طرف

دل دیجیئے تو ڈھونڈ کے معشوق باوفا
آغاز میں نظر ہے انجام کی طرف

درپیش ہے وطن سے سفر چھوٹتا ہے گھر
حسرت سے دیکھتا ہوں در و بام کی طرف

ساقی یہ ہجرِ یار میں دل سے کیا ہے عہد
دیکھوں نہ آنکھ اُٹھا کے مے و جام کی طرف

وہ بدنصیب ہوں جو شکایت کروں کبھی
تقدیر کی نہ گردشِ ایام کی طرف

دھیان آ گیا کہ باغ کو بھی دیکھتا چلوں
آیا تھا ایک سروِ گل اندام کی طرف

اُس آنکھ کے جو دیکھنے والے ہیں باغباں
کب دیکھتے ہیں نرگسِ بادام کی طرف

اپنے امیرِ مست کا کیا پوچھتے ہو حال
جامی کی قبر پر وہ گیا جام کی طرف

ہے چھلاوا اُس پری پیکر کے بل کھانے سے زلف
آتی ہے قبضے میں کس کے ہاتھ دوڑانے سے زلف

کیا اُلجھنے پر تلی ہے اپنے بیگانے سے زلف
ہے بڑی کج بحث سیدھی ہو تو ہو شانے سے زلف

حق اُسی کا ہے سلاسل پائیں حق ہی فرضِ عین
ہے یہ حق پوشی چھپانے ہو جو دیوانے سے زلف

سو بلائیں ہو نگی نازل ایک ہے اب تک بلا
کھو لیے باہر نکل کر آئنہ خانے سے زلف

تھی شبِ دیجور افشاں سے شبِ مہتاب ہے
کیسی اے مشاطہ چمکی تیرے چمکانے سے زلف

اب ٹھہرتا ہوں کہیں مسجد میں میں وحشی مزاج
دخترِ رز نے دکھائی مجھ کو میخانے سے زلف

ہٹ سرک اے شانہ آئے تو دلِ صد چاک کو
غیرِ ممکن ہے کہ سلجھے تیرے سلجھانے سے زلف

طورِ آرایش کا کیا جانیں ابھی کم سن ہیں وہ
اُلجھ ہے آئینے سے نافہ خبر شانے سے زلف

چشمِ بد دور اُن کا ہر انداز ہے سب سے جدا
حسن میں اک بانکپن ہے کم نہیں بانے سے زلف

دیکھیے اہلِ عدم پر اب ہو نازل کب بلا
شانہ کیسا تا کمر پہنچی ہے لٹکانے سے زلف

آدمی کیا اب تو کرتی ہے فرشتوں کو بھی مست
موج آئی کیا کہ چھلکی اپنے پیمانے سے زلف

اے دلِ صد چاک شانہ بنکے جا پر یاد رکھ
ہے مزاج الٹا الجھ پڑتی ہے سلجھانے سے زلف

دردِ دل کہنے کو جا دو تم تو سمجھے ہو امیر
پر نہ ہاتھ آئیگی افسون سے نہ افسانے سے زلف

عارض تیرے لے گلبدن ایک اسطرف ایک اسطرف
گویا کھلے ہیں وہ چمن ایک اسطرف ایک اسطرف

پڑتا ہے اُن پلکوں سے رن ایک اسطرف ایک اُسطرف
دو پلٹنیں ہیں صف شکن ایک اسطرف ایک اُسطرف

مردہ جو ہیں زیرِ زمیں زندہ ہیں بالائے زمیں
آراستہ ہے انجمن ایک اسطرف ایک اُسطرف

تو بزم میں جلوہ نما عکس آئنے میں ہے ترا
بیٹھے ہیں دو غنچہ دہن ایک اسطرف ایک اُسطرف

وہ قامت و گیسو نہیں تشبیہ ہے دلنشیں
ہے دار سے لٹکی رسن ایک اسطرف ایک اُسطرف

پیری میں اے زاہد نہیں یہ تیرے گیسوئے سفید
ہیں دوش پر یہ دو کفن ایک اسطرف ایک اُسطرف

کیونکر بچیگی دل کی جاں آنکھوں سے اُس سفاک کی
ہیں تاک میں دو راہزن ایک اسطرف ایک اُسطرف

ہیں بیچ میں وہ جلوہ گر میں ہوں ادھر اور غیر اُدھر
ایک بت ہے اور دو برہمن ایک اسطرف ایک اُسطرف

مژگانِ چشم اُس شوخ کے ابرو کی تلواریں لیے
دکھلا رہے ہیں بانکپن ایک اسطرف ایک اُسطرف

جلتا ہے الفت سے جو دل پھُکتا ہے فرقت سے جگر
آفت ہیں دو داغِ کہن ایک اسطرف ایک اُسطرف

افلاس و دولت دونوں سے دنیا میں ہوتا ہے ضرر
اس سانپ کے ہیں دو دہن ایک اسطرف ایک اُسطرف

ظاہر گل و بلبل سے ہے نیرنگِ گلزارِ جہاں
یہ نوحہ گر وہ خندہ زن ایک اسطرف ایک اُسطرف

ہیں آفتیں دل پر کئی چینِ جبیں پر بھی تری
طرہ ہے زلف پرشکن ایک اسطرف ایک اُسطرف

خالی حقیقت سے نہیں انسان کو ہستی و عدم
ہیں منزلیں دونوں کٹھن ایک اسطرف ایک اُسطرف

دو رنگ ہو کیونکر نہ دل آنکھوں بھووں کو دیکھ کر
آفت ہیں دونوں تیغ زن ایک اسطرف ایک اُسطرف

آدھی سفید آدھی سیہ ہر اک پہ وحشت کی نگہ
آنکھیں ہیں دو ابلق ہرن ایک اسطرف ایک اُسطرف

بازو پہ گر اُس کے بندھیں ہو جائیں چشمِ حسن سے
اٹکا ہے یہ نورتن ایک اسطرف ایک اُسطرف

کیا کاتبِ اعمال سے پوچھوں کہ تم لکھتے ہو کیا
کیا ڈھونڈھتا ہے دو بیہن ایک اسطرف ایک اُسطرف

دل سے جگر سے عشق میں کانٹے سے غم کٹتا نہیں
اک کوہ ہے دو کوہکن ایک اسطرف ایک اُسطرف

کیا داغ تجھے دلی لکھنؤ تجھے تیر مرزا سے چمن
یہ دونوں [illegible] تن ایک اسطرف ایک اُسطرف

ہیں زیر و بالا تیرے لب جاں بخشیوں میں منتخب
دو ہیں [illegible] زن ایک اسطرف ایک اُسطرف

تلوار اُدھر پھیرے ہے منہ بسمل اُدھر پھیرے ہے لب
روشن ہیں [illegible] ایک اسطرف ایک اُسطرف

چہرنگ ابرو سے جگر دل بسمل تیغ نظر
گویا ہیں دو گلگلوں کفن ایک اسطرف ایک اسطرف

رخسار نازک ہیں تو ہوں آج ایک نا نولگا نہیں
دو بوسے لونگا جان من ایک اسطرف ایک اسطرف

شبیر و شبر دامان عبا تھامے ہوئے ہیں حشر میں
ہیں بیچ میں شاہ زمن ایک اسطرف ایک اسطرف

زلفیں امیر اُس حور کی ہیں چہرۂ پُر نور پر
اک چاند ہے اور دو گہن ایک اسطرف ایک اسطرف

قہر ہے مژگان چشم جادو سے دلبر کی صف
ایک جنبش میں اُلٹ دیتی ہے یہ لشکر کی صف

دیکھنے آیا جو وہ سفاک روز باز پرس
گردنیں جھک جھک گئیں بچھ بچھ گئی محشر کی صف

رند میخانے کے کیا بیباک ہیں طرار ہیں
دخل اگر پائیں تو لیجائیں خدا کے گھر کی صف

ناگہاں چمکی جو مثل برق وہ تیغ جمال
کیا تہ و بالا ہوئی مژگان چشم تر کی صف

ہے صدف کہنا بجا اُسکے دہان تنگ کو
سمجھے ہیں جس کو صف دندان وہ ہے گوہر کی صف

ہوں وہ دیوانہ جو مسجد میں گیا وقت نماز
ڈر گئے سب لوگ ابتر ہو گئی باہر کی صف

کیا خرام ناز ہے نکلے جو وہ دامن کشاں
زلزلہ آیا تہ و بالا ہوئی محشر کی صف

کیا زمانہ ہے ہوئے مقتول خاصان خدا
مسجد کوفہ میں بچھی ماتم حیدر کی صف

مسجد اقصیٰ میں ختم الانبیا تھے پیش امام
پیچھے اُنکے مرسلان خالق اکبر کی صف

مومنوں کو کیا ہے اندیشۂ یاجوج کفر
سدّ اسکندر ہوئی اسلام کے لشکر کی صف

شعر ہیں ہر صفحۂ دیوان پہ میرے یوں امیر
جسطرح گلزار میں اشجار بار آور کی صف

ردیف قاف

کتنی ہو دور قطع ہے دم بھر میں راہ شوق
صرصر کے پاؤں رکھتی ہے اپنی نگاہ شوق

طوفان غم میں دل کی خدا ہی مدد کرے
مضطر ہے ناخدا سے جہاز تباہ شوق

شیدا ہوں اُس کے چہرے کا عاشق ہوں زلف کا
سب ہیں مری نظر میں سپید و سیاہ شوق

تم پاک ہو گئے وہ قیامت کے روز سے
ہے سیر باغ حسن کا طالب ہمیشہ دل
آمد ہے قصر دل میں یکس شاہ حسن کی
چلتی ہے تیغ معرکۂ حسن پہ تو کیا
بوڑھا بنا دیا ہے تڑے رعب حسن نے
نکلے نہال حسن ہیں پتے ہرے ہرے
پروا ہے کیا نقاب جو اس رخ کی ہے سپر
جتنا اُدھر کھچا تری چوٹی کا فتح و پیچ

اے چشم و دل ہے جرم تمنا گناہ شوق
اُگتی ہے اس زمین سے مردم گیاہ شوق
پردے ہماری آنکھوں کے ہیں فرش راہ شوق
رکھ اور بڑھ کے پاؤں ذرا اے نگاہ شوق
ہے دست رعشہ دار ہماری نگاہ شوق
برسا یہ جھوم جھوم کے ابر سیاہ شوق
توڑے گی تیر بنکے ہماری نگاہ شوق
بڑھتی گئی ادھر بھی شکست کلاہ شوق

مثل کمند لائی حسینوں کو کھینچ کر
نکلی امیر منہ سے ہمارے جو آہ شوق

زندہ یارب ہوں جو مردہ ہیں یہ آوارۂ عشق
دل بھی میرا مری مانند ہے آوارۂ عشق
گردن چرخ جھکے بوجھ سے جب مثل ہلال
سرو آزاد یہ چھوٹے ہوئے بندے ہیں وہی
پھرکے ایمن میں گئے حضرت موسیٰ سر طور
ہے یہ مطلب دل صد چاک کا پیش رخ یار
برق کو ہیں علم شوق کا پرچم سمجھا
قیدۂ آدم عوض آپ اُچھلتا ہے لہو
نورِ تاروں میں ہیں جو اہر یہ چمکتے لوں میں رنگ
کچھ کبھی ہوتا جو زمانے میں محبت کا رواج

پھونک دے صور کہیں شورش نقارۂ عشق
آسمان عشق کا میں ہوں تو یہ سیارۂ عشق
کیا اُٹھے پھر کسی مزدور سے پشتارۂ عشق
عاشق قدر نے دیا تھا کبھی کفارۂ عشق
کیوں نہ منزل پہ وہ پہنچیں جو ہوں آوارۂ عشق
اسی قرآن میں ملجائے یہ سنی پارۂ عشق
رعد پر مجھ کو ہوا شبہۂ نقارۂ عشق
حلق بسمل ہے جسے کہتے ہیں فوارۂ عشق
لاکھ آئینوں میں ہے پرتو رخسارۂ عشق
حسن کرتا نگہ شوق سے نظارۂ عشق

ہے اخفا یہ کیا راز محبت کو امیر

مرتے مرتے نہ اُٹھا پردۂ رخسارۂ عشق

غم سے بجا ہیں بیتاب عاشق
آتش ہے فرقت سیماب عاشق

خرمن کا میرے اب کیا ٹھکانا
بجلی ہے شیدا سیلاب عاشق

قسمت کی گردش جاتی ہے کوئی
دریا ہے اُلفت گرداب عاشق

وہ گل ہے پیاسا میرے لہو کا
سُرخاب پر ہے سرخاب عاشق

انسان کیسے چہرے پہ تیرے
ہے مہر قربان مہتاب عاشق

معشوق عاشق کیونکر جُدا ہوں
قائل ہے ان پر خود داب عاشق

دور آئے ایسا کوئی امیر اب
احباب پر ہوں احباب عاشق

ردیف کاف تازی

وصل حاصل ہے مگر ہے غم ہجراں ابتک
جمع ساماں ہے پر دل ہے پریشاں ابتک

تھک چکے پر ہے سر سیر بیاباں ابتک
وہی کانٹے ہیں وہی گوشۂ داماں ابتک

تیغ اُس ترک نے گو کھول کے رکھدی ہے مگر
رُعب باندھے ہوئے ہے شہر میں سیداں ابتک

قید سے دشت میں آئے ہوئے مدت گزری
شوق میں میرے کھلا ہے در زنداں ابتک

پیری آئی ہوئے سب موئے سیہ سر پہ سپید
صبح ہوتی نہیں لیکن شب ہجراں ابتک

دل جگر سینہ و سر سب ہوئے چھلنی لیکن
تیر پہ تیر لگاتی ہے وہ مژگاں ابتک

کتنے بدبخت تھے جو چھوڑ گئے رسم ستم
مر چکے پھر بھی لکھے جاتے ہیں عصیاں ابتک

عمر گزری ہے کہ ہوں منتظر روز وصال
نہیں آتا ہے وہ اے گردش دوراں ابتک

کیا رفوگر کی ندامت کی ہے اسکو بھی خبر
ہنس رہا ہے جو مرا چاک گریباں ابتک

عمر گزری ہے الٰہی اجل آتی ہے نہ یار
کوئی مشکل مری ہوتی نہیں آساں ابتک

شعرا اُٹھ گئے دنیا سے مگر دیکھا امیر

اچھے شعروں کا زمانہ ہے ثنا خوان ابتک

عشق میں ہیں لب خشک و مژہ تر تر و خشک
اپنے قبضے میں بھی ہے مثل سکندر تر و خشک

ساقیا ہم کو مے ناب ملے خواہ کباب
نوش کرتے ہیں جو دیتا ہے مقدر تر و خشک

قطع رہ کرتا ہے دریا میں بھی صحرا کی طرح
سالک راہ خدا کو ہے برابر تر و خشک

خشکی زاہد و تر دامنی رند کا حال
پوچھ لو ہم سے کہ دیکھا ہے سراسر تر و خشک

اغنیا نعمت الوان پہ کریں ناز امیر
شام تک ہم کو بھی ہوتا ہے میسر تر و خشک

نہیں ممکن رسائی لامکاں تک
نشاں کس طرح پہنچے بے نشاں تک

تری سفاکیاں پہنچیں یہاں تک
کہ ڈرتی ہے حیات جاوداں تک

کروں ضبط نفس ہمدم کہاں تک
لگی ہے آگ اک دل سے زباں تک

پہنچ جائے اگر مجھ سخت جاں تک
تو مانگے موت مرگ ناگہاں تک

میں ہوں وہ ناتواں جب آ کے پہنچی
تو ٹھہری سو جگہ دل سے زباں تک

کڑی ہے اس قدر منزل عدم کی
کہ مر مر کر پہنچتے ہیں وہاں تک

بہار آخر ہے اور ہیں بے پر و بال
قفس سے ڈاک بیٹھے آشیاں تک

میں ہوں اس انجمن میں شمع تصویر
کہ سوز دل نہیں آتا زباں تک

ہزاروں حسرتوں کا ہو گیا خون
کہاں تک پاس رسوائی کہاں تک

مری واماندگی کہتی ہے مجھ سے
پہنچنا ہو چکا اب کارواں تک

عبث آیا زاہدو مسجد میں بے شک
چلو لیکر مجھے پیر مغاں تک

ترے قربان لے بیتابی دل
مجھے پہنچا دے اسکے آستاں تک

مکان یار تک قاصد نہ پہنچا
گئے کیسے پیمبر لامکاں تک

بہت ہی زور پہ ہے وصل کا شوق
نزاکت آڑے آئیگی کہاں تک

میں وہ دل سوختہ ہوں اس چمن میں
جلے بجلی جو آئے آشیاں تک

نہیں کچھ تیغ قاتل ہی کشیدہ
خفا ہے مجھ سے مرگ ناگہاں تک

نہ پائی گرد نالوں نے اثر کی
زمیں سے خاک چھانی آسماں تک

جو یوں آنے نہ دے اسکی گلی میں
تو پہنچوں خواب بنکر پاسباں تک

تڑپنے سے مرے تنگ آکے بولے
تسلی دے کوئی تجھ کو کہاں تک

کہاں ہم اے امیر اب اور کہاں داغ
یہ جلسے ہو چکے خانہ آشیاں تک

ڈھونڈا کیے ہم کو نہ ملا یار کا گھر تک
پہنچی نہ کسی طرح دعا باب اثر تک

کھلتا نہیں کون آکے بیاباں میں ہے رویا
اک تختہ ہے پانی کا ادھر سے جو ادھر تک

فریاد ہے عالم میں ترے دست ستم کی
سر کھولے ہوئے پھرتے ہیں خورشید و قمر تک

بیکس تھا زمانے میں مرا کس کو ہے ماتم
اک شمع لحد شام سے روتی ہے سحر تک

گھر تک شب فرقت میں اسے کھینچ کے لاؤں
پہنچے جو مرا ہاتھ گریبان سحر تک

پائی یہ کماندار ترے تیر میں لذت
سینے میں وہ بیٹھا نہ ہوئی ہم کو خبر تک

کیا باڑھ پہ آب دم شمشیر ہے قاتل
تھا تیری کمر تک مگر اب ہے مرے سر تک

جو جا سے ہو باہر اسے کیونکر کوئی دیکھے
روشن ہے کہ جاتی ہے نظر حد نظر تک

چھوٹا نہ امیر ان سے کوئی شہر کا کوچہ
آنے میں رہا عذر ہمیشہ مرے گھر تک

ردیف کاف فارسی

باغ میں آکر وہ گل نکہت تازہ دکھاتا ہی رنگ
گل جو شرماتے ہیں اک آتا ہے اک جاتا ہے رنگ

ہم تو اڑ کر جا نہیں سکتے قفس سے باغ تک
گل جو یاد آتے ہیں تو چہرہ کا اڑ جاتا ہے رنگ

جانتا ہوں ہے بڑا بہروپیا پیر فلک
صورتیں تازہ نئے ہر روز دکھاتا ہے رنگ

کیا خدا کی شان ہے پانی کرے کارِ ہوا
آتشِ رخسار کو غازے کا بھڑکاتا ہے رنگ

دامہ ونکو چھپکے دے آتے ہوے پیرِ مغاں
اور ہی کچھ اب تمہارا اے سخی داتا ہے رنگ

چہرۂ دل بنگیا زخموں کے پھولوں سے چمن
کیا خراشِ ناخنِ غم ہم کو دکھلاتا ہے رنگ

فائدہ اتنا ہے باندھے ہیں جو مضمون زلف کے
شعر جب پڑھتے ہیں ہم یار و شمین بلد ہجا تا ہے رنگ

کیوں نہو چہرے پہ اُسکے خوشنما زلفِ سیاہ
ابر جب گلشن میں آتا ہے بدلجاتا ہے رنگ

کس پہ شبخون لائیگا کھلتا نہیں کچھ اے امیر
آجکل کیوں قرمزی وہ شوخ رنگواتا ہے رنگ

ردیف لام

دل ہے دشمن نہ بغل میں اسے پالے بلبل
کسی گلچیں کو کرے جا کے حوالے بلبل

تو گرفتار ہے صیاد کا سمجھے تو مزاج
تھوڑی تھوڑی ابھی آواز نکالے بلبل

خوش بیانی ہے تری سارے چمن میں مشہور
کچھ تو صیاد کو باتوں میں لگالے بلبل

پتیاں گل کی پریشان نہ کرلے بادِ صبا
کہیں منقار سے پر نوچ نہ ڈالے بلبل

سخت مشکل ہے کہ گلچیں ہے قریبِ گلبن
دامنِ گل کہ کلیجے کو سنبھالے بلبل

لی تو ہے مول گلستاں کہ ذرا جی بہلے
پہ یہ ہے ڈر کہیں جھگڑا نہ نکالے بلبل

تیز چلتی ہے ہوا فصلِ خزاں آ پہنچی
اپنے آغوش میں پھولوں کو چھپالے بلبل

آخر اک روز خزاں ہے کہ طلسمی ہے بہار
چار دن رنگ گلستان میں جمالے بلبل

دھیان صیاد کا گلچیں کا خطر خوفِ خزاں
ہو بلا ایک تو سر سے اُسے ٹالے بلبل

عاشق اک گل کا ہوں جاتا ہوں چمن میں میں بھی
اس توقع پہ کہ کچھ درد بٹالے بلبل

ہاتھ یوں پھولوں پہ ہر بار نہ ڈالے گلچیں
چوٹ کھا کھا کے لہو منہ سے نہ ڈالے بلبل

گل ترے آگے نگاہوں سے گرے پڑتے ہیں
یا علی کہکے سنبھالے تو سنبھالے بلبل

ناموافق ہے ہوا اس سے گلستان کی امیر

آشیانے سے کہو سر نہ نکالے بُلبل

واہ کیا خوب پر و بال نکالے بلبل
اڑتے ہی پڑ گئی صیاد کے پالے بُلبل

باغبان رحم سے واقف نہیں گلچین بیدرد
ایک ہم ہیں ترے پہچاننے والے بُلبل

یہی رونا ہے تو پھولوں کا خدا حافظ ہے
آنسوؤں سے ترے سب بھر گئے تھالے بُلبل

نہ جلا تجھ سے قفس میں نے چمن پھونک دیا
دیکھے ہیں گرم ترے یا مرے نالے بُلبل

پھول گلشن میں آئے تھے کہ صیاد آیا
دل کے ارمان کہو کیا خاک نکالے بُلبل

ذبح صیاد کریگا تجھے کل ہے یہ خبر
آج جو کچھ ہو سنانا وہ سنالے بُلبل

ہنس رہا ہے ابھی صیاد نہیں واقف ہے
چٹکیاں لیں گے جگر میں ترے نالے بُلبل

باغبان کا جو شب و روز جلانا ہے یہی
آشیاں برق کو کردے گی حوالے بُلبل

ہاتھ گلچیں کے کیے باغ میں کانٹوں نے فگار
خوب ہی پھوٹے ترے دل کے بھی چھالے بلبل

پھول پھولے ہوئے بیٹھے ہیں چمن میں تجھ سے
چہچہے کرکے ذرا ان کو منالے بُلبل

تجھ سے ہنستے ہیں کبھی کرتے ہیں گلچیں سے مذاق
ان گلوں کے ہیں کچھ انداز نرالے بُلبل

دم الٹ جائے نہ صیاد کا سنتے سنتے
دردانگیز نہ کر ایسے تو نالے بُلبل

اک دن آئیگی خزاں دو نگی کیسی یہ امیر
چار دن باغ میں بے پر کی اڑالے بُلبل

انہیں در کا ہے اک چلبلا دل
یہ سننا تھا کہ بجلی بن گیا دل

اُسے دیکھا تصدق کردیا دل
کسی کو کیا مری آنکھیں مرا دل

دُہائی بادشاہِ حسن کی ہے
ادائیں چھینے لیتی ہیں مرا دل

اُٹھاکر درد نے اور اس کو پٹکا
جہاں راہِ محبت میں گرا دل

تری صحبت میں جاکر بنگیا ہے
تری شوخی کا تھا کا چلبلا دل

تڑپ جاتا ہوں میں اُٹھتا ہے جب یہ
الٰہی درد ہے پہلو میں یا دل

بڑی اٹھکھیلیوں پر خون اس کا — چلا اس چال سے تو پس گیا دِل
یہ داغ عشق سے ہے عشق مجھ کو — سمجھتا ہوں اسے میں دوسرا دِل
تمہارا ہو نہو اسکی خبر کیا — ہمارے ہاتھ سے جاتا رہا دِل
جگہ دے غیر کو بھی ساتھ تیرے — کب اس پہلو پر آتا ہے مرا دل
الٰہی ایک کس کس کو دوں میں — وہاں تو مانگتی ہے ہر ادا دل
وہ بولے واہ بوسہ دیں تو دل لیں — نئے دل دینے والے تم نیا دِل
پٹک کر دل مرا جھنجھلا کے بولے — بڑا اوچھا ہے تو لیجا اُٹھا دل
تمہیں افسردہ پایا بجھ گیا جی — تمہیں دیکھا شگفتہ کھل گیا دِل
تڑپنے سے ہے روز وصل کیا کام — یہ تم کو پیار کرتا ہے مرا دِل

امیر اس ناز سے ظالم نے دیکھا
نگاہیں بول اُٹھیں وہ لے لیا دل

وہ مجنوں ہوں مرا سودا نہیں تدبیر کے قابل — کرے تدبیر جو اسکی وہ ہے زنجیر کے قابل
جو مضموں تیز سوجھا ہے تو بندش بھی تنی پائی — الٰہی ڈاب بھی مل جائے اس شمشیر کے قابل
برنگِ شمع اپنا سوز دل چہرے سے ظاہر ہے — نہ پائی اسلیے ہمنے زبان تقریر کے قابل
زبان سے کچھ نہ کہہ غافل سمجھ کر بے زبانوں کو — ہوا ہے خواب مخمل بھی کہیں تعبیر کے قابل
مشقت سے عبث شیشے میں پریاں بند کرتا ہے — سن اے عامل پری شیشے کی ہے تسخیر کے قابل
چھوا زنجیر گیسو کو تو کیوں دُرے لگاتے ہو — کہاں تقصیر دیوانے کی ہے تعزیر کے قابل
ہمارا ڈھیر جب دیکھا کہا اُس ناوک افگن نے — یہ تو وہ خاک کا ہے کیا نشانِ تیر کے قابل
عبادت کا اگر ہے شوق یہ بھی شرط ہے زاہد — جبیں سجدے کے لائق ہو زبانِ تکبیر کے قابل
جو بوسہ زلف کا مانگا کہا اُس شوخ نے ہنسکر — جنوں اب بڑھ چلا ہے آپ ہیں زنجیر کے قابل
بڑی بندہ نوازی کی جو دی یہ آبرو قاتل — نہ تھا میرا گلا تیرے دمِ شمشیر کے قابل

پریوں کا عاشق ہوں مجھے کہتا ہے دیوانہ
خفا واعظ نہ ہو میں ہوں کہ تو زنجیر کے قابل

کہیں سر ہے کہیں سینہ کہیں بازو کہیں زانو
ہماری لاش اے قاتل نہیں تشہیر کے قابل

مصور بھی جو اُنکو دیکھتے ہیں دل میں کہتے ہیں
بنائیں حق نے کیسی صورتیں تصویر کے قابل

جو کچھ آنکھوں سے دیکھا ہے وہ اس سے جا کے کہدینا
ہمارا حال اے قاصد نہیں تحریر کے قابل

کلیم اللہ بھی آئیں تو کچھ کہتے نہ بن آئے
دہن کس کا ہے اُسکے سامنے تقریر کے قابل

امیر اپنا دلِ پر داغ سوے کربلا لیچل
یہ گلدستہ ہے نذرِ روضۂ شبیرؑ کے قابل

کیوں نہ تکیوں میں ہو گرم نالہ ہائے زار دل
سو رہے ہیں سیکڑوں زیرِ زمیں بیدار دل

دلربا تیری نظر میں ہے اگر بیکار دل
لا مجھی کو پھیر دے پھر میرے ہی سر مار دل

ہجر میں گھبرے ہوئے رہتے ہیں اندوہ و الم
حلقۂ پرکار میں ہے نقطۂ پرکار دل

خواہش دولت اگر ہے ہو در دل پر مکیں
فی الحقیقت ہے بڑی ڈیوڑھی سرکار دل

ہوگیا جب سامنا اُس زلفِ آفت خیز کا
پھر کے آنکھوں نے کہا ہشیار دل ہشیار دل

چار ابرو پر ترے اے بُت کروں قربان الٰہی
ایک کے بدلے جو دے اللہ مجھ کو چار دل

اے خیالاتِ جہاں کیسی خرابی لائے تم
کنج خلوت پہلے تھا اب ہوگیا بازار دل

حسرتیں تھیں جسقدر وہ ساری مردہ ہوگئیں
بیٹھے کس کس کے لیے بن بن کے ماتم دار دل

منزلِ دنیا نہیں ہے یہ مقام امتحان
جب بنے لیے میاں ان مشفق جیسے نہ ہمت ہار دل

جان مدت سے ہی ہونٹوں پر مگر مرتا نہیں
کس مسیحا کا ہوا ہے یا خدا بیمار دل

آنیوالی گر نہیں ہے آفتِ تازہ امیر
کیوں اُلجھتا ہے مرے سینے میں پھر ہر بار دل

گل سنتے ہیں کب صدائے بلبل
اپنی سی ہزار گائے بلبل

رنگ اپنا اگر جمائے بلبل
ہو خندۂ گل صدائے بلبل

گلچیں رہِ صحنِ باغ بھولا — مقبول ہوئی دعائے بلبل
توڑا گلچین نے جب کوئی پھول — آئی آوازِ ہائے بلبل
گلزار میں آگ سی لگی ہے — کیا گرم ہیں نالہ ہائے بلبل
ہے حسن سے قدرِ عشق بالا — گل سے ہے بلند جائے بلبل
آیا ہے نہانے کو جو وہ گل — ہے بلبلوں میں صدائے بلبل
آخر کو تڑپ تڑپ کے دی جان — دیکھی لے گل وفائے بلبل

پھولوں سے بھرا ہوا ہے گلشن
خالی ہے امیر جائے بلبل

باتیں حکمت کی کہیں سب کو ملے پھول سے پھول — آج کچھ ہمنے سوا پی تھی جو معمول سے پھول
کی ہے جب غور سے ہمنے چمنِ علم کی سیر — خارِ معقول سے ہاتھ آئے ہیں منقول سے پھول
داغ سینے میں نہیں ہیں یہ ملے ہیں ہم کو — چمنِ الفتِ پیغمبرِ مقبول سے پھول
کون آیا یہ چمن میں کہ خجالت سے ہوئے — بڑھ کے زردی میں رُخِ عاملِ معزول سے پھول
باغ امراض کا گھر بن گیا جاتے ہی بہار — سروِ مدقوق سے بارتر ہوئے مسلول سے پھول
کہیں کوتاہ بھی ہو جا صفتِ عمرِ بہار — تنگ لے قصۂ بلبل ہیں ترے طول سے پھول
آگ ہے گرد کدورت دلِ بلبل کی نہیں — کھود اس کو بچائے رہیں اس دھول سے پھول
واہ کیا بات صبا دیدۂ آخر بین کی — روتی شبنم جو گلستان میں ہنسے پھول سے پھول
مہربان کچھ تو ہوا روز کی ہٹ کام آئی — آج ساقی نے سوا دی مجھے معمول سے پھول
اپنے سر بارِ گنہ اُس کا لیا قاتل نے — کیوں جنازہ نہ ہو بے جرمیِ مقتول سے پھول
کیا ترے عاشقِ رخسار کو بھڑکائیں گے — ہیں سوا آنکھوں میں یاں مشعلہ غول سے پھول
شرم کی جا ہے بشر کچھ جو بشر سے مانگے — کسی گلشن میں نہیں طالبِ زر پھول سے پھول
وہ خوش اقبال اگر ہاتھ میں لیکر داغے — سونے چاندی کے نکلنے لگیں ہتھ پھول سے پھول

واہ رے فیض کہ بالے میں جو ڈالے اُس نے
قیمتی ہو گئے سونے کے کرن پھول سے پھول

گردِ عصیاں سے بری دامنِ بلبل ہے امیر
رسیاں ایسی تو ناحق نہ بٹیں وصل سے پھول

جاتا تو اُس کے کوچے میں ہے بار بار دل
کھائے نہ چوٹ یاس کی اُمیدوار دل

دکھلا رہا ہے سیر مرا داغدار دل
پایا خزاں سے میں نے یہ باغ و بہار دل

اس گلبدن کے عشق میں ہے داغدار دل
کیا شوخ رنگ پھولوں کا پہنے ہے ہار دل

ترچھی نظر نشانے پہ پڑتی نہیں کبھی
اے ترک اس ادا سے نہ ہوگا شکار دل

گرمِ خرامِ ناز ہو تم یہ تو دیکھ لو
کس کا پڑا ہوا ہے سرِ رہگذار دل

بزمِ وصال ہے کہ کوئی صیدگاہ ہے
میرا شکار تم ہو تمہارا شکار دل

جسدم نکل چلا مرے پہلو کو توڑ کر
رو یا لپٹ کے تیر سے بے اختیار دل

ٹھنڈی اسکے آگے حسینوں کی گرمیاں
پتلا ہے شوخیوں کا مرا بیقرار دل

کام آئیگا ضرور کسی دن حضور کے
پہلو میں اپنے رکھتے ہیں ہم ہونہار دل

بجلی جو کوہِ طور پہ چمکی تھی ایک دن
عاشق کے سینے میں ہے اُسیکا شرار دل

گھر سے نکل کے دیکھ تو لیں اک نظر حضور
لائے ہیں پیشکش کے لیے جان نثار دل

موسیٰ کو برقِ طور کا جلوہ دکھا دیا
پہنچا تڑپ کے دور مرا بیقرار دل

دیکھی وہ چشمِ مست تو آنکھیں سی کھل گئیں
جب ہوش اُڑ گئے تو ہوا ہوشیار دل

ایفائے عہدِ وصل نہ ایفائے عہدِ قتل
کس بات کا تمہاری کرے اعتبار دل

عشاق کی کمی نہیں معشوق چاہیے
ہو دل کا قدرداں تو ستر ہزار دل

تسکین دے تصورِ جاناں کسے کسے
بیتاب اِدھر ہے جان اُدھر بیقرار دل

آیا خیال کشتۂ سیماب دیکھ کر
یہ خاک ہو گیا ہے کوئی بیقرار دل

آتے ہیں فاتحے کے لیے روز درد و غم
ہے آرزو کے مردہ کا گویا مزار دل

خاک آرزوے وصل کروں ابتک اے امیر
یہ بھی خبر نہیں کیسے کرتا ہے پیار دل

گنتا ہے ترے ہجر کی ایک ایک گھڑی دل
کہتے ہیں اسے صبر کہ الفت میں بتوں کی
چھپکے گی تو تیغ نگہ کیا پلک اس کی
رُلواتی ہے ہچشم کو ہچشم کی رقت
ہو ہاتھ تنک اُس غیرت گلشن کے رسائی

ہے عاشق بیتاب کے سینے میں گھڑی دل
نازک ہے بہت اسپہ اٹھاتا ہی کڑی سی دل
ہمت تری آنکھوں سے بھی لکھتا ہے بڑی دل
پانی ہو نہ کیوں دیکھکے ساون کی جھڑی دل
داغوں سے اسیلیے پھولوں کی چھڑی دل

کیا وجہ کہ سودا سا امیر آج ہو اسکو
آیا ہے کہیں دیکھ کے مستی کی دھڑی دل

ردیف میم

کریں پھولوں کی کیوں کر آرزو ہم
کہاں شبنم نمایاں ہو جو خورشید
ہجوم آرزو نے مار ڈالا
ملا جب وہ کھلا تب یہ معمّا
کسی سے کوئی کچھ کرتا ہو باتیں
بتوں کی بندگی ہے فرض زاہد
مرے منہ پر یہ کہتے ہیں مرے اشک
وہ سیکش ہیں کہ مر کر میکدے سے

نہیں پاتے کسی میں تیری بُو ہم
ٹھہر سکتے ہیں اُسکے روبرو ہم
کہاں پائیں دل بے آرزو ہم
کیا کرتے تھے اپنی جستجو ہم
سنا کرتے ہیں تیری گفتگو ہم
یہ کہہ دینگے خدا کے روبرو ہم
مٹا دیں گے تمہاری آبرو ہم
چلیں گے دوش پر مثل سبو ہم

امیر اُس بے نشاں کو دل میں پایا
جسے ڈھونڈا کیے تھے چار سو ہم

یہ روئے وصل میں منہ رکھ کے رُوئے یار پر ہم
کہ لیگئے سبقت ابر نو بہار پر ہم

چمن میں دھوم ہے اب اپنی نغمہ سنجی کی
کہ دو ہی نالوں میں غالب رہے ہزار پہ ہم

جو اُن کی زلف میں افشاں تو اپنے سینے میں داغ
اُدھر بہار پہ وہ ہیں اِدھر بہار پہ ہم

جنوں میں پاس یہ پامالیِ ضعیف کا ہے
کہ پھونک پھونک کے رکھتے ہیں پاؤں خار پہ ہم

وہ راست گو ہیں کہ مطلق نہیں ہے جان کا خوف
کہیں گے کلمۂ حق مُنہ سے چڑھ کے دار پہ ہم

نہیں جہان میں محسن کُشی سے بد کوئی کام
لگائیں سنگ نہ اشجارِ سایہ دار پہ ہم

یہ آرزو ہے کہ اُن کے شہید کہلائیں
وہ زندہ دل ہیں کہ مرتے ہیں اعتبار پہ ہم

یہ کس کے گھنگروؤں کی کان میں صدا آئی
کہ وجد کرنے لگے شورِ آبشار پہ ہم

ہوئی ہے رات جو تکیے میں فرش کیا درکار
امیر لیٹ رہیں گے کسی مزار پہ ہم

ہوں سارے شہر میں اگر جا بجا کریم
حاجت نہیں فقیر کو کچھ ہے خدا کریم

لیتے ہیں ایک جس سے دلا دیتے ہیں بیس
بیشک ہیں اغنیا سے زیادہ گدا کریم

بے مانگے دے رہے ہو زمانے کو گالیاں
تم سا کہاں جہان میں کوئی دوسرا کریم

دُرریز سائلوں پہ دد دو یہ ہیں مٹھیاں
چھینٹا مری طرف بھی کوئی زر کا یا کریم

نیرنگیاں ہیں کیا چمنِ روزگار کی
خوشبو تو گل نے دی ہے بنی ہے صبا کریم

اے پیرِ میفروش کوئی جام خم کی خیر
حاتم ہے تو کہاں کوئی تجھ سے سوا کریم

ہے شوق شرط ذکرِ خدا ہو کسی طرح
یکساں ہیں یا کریم کہے کوئی یا کریم

دو بوسے خواب ہی میں کسی روز ہم کو دو
تب جانیں ہم کہ تم بھی ہو نامِ خدا کریم

بحرِ جہاں میں دیکھ دُر افشانیاں امیر
دستِ گدا صدف ہے تو ابرِ عطا کریم

مٹ نہ سکا تقدیر کا روزِ سیہ پامال خط ہم
صبر ... سے ... دل نے سارے ... ہم درہم

شاد ہوا ایسا جو دل جو کسی دن زلف سے پائیں اُسکی خبر ہم
چہرے کے پہلو سامنے رکھدیں نذر کو اُسکی اپنا جگر ہم

ساری جوانی رنج میں گزری ہو گئی راحت آئی جو پیری
شام کو آئے جانب زنداں باغ میں پہنچے وقت سحر ہم

ہجر میں ہیں ہم موت کے خواہاں زیست سے ہے بیزار دل اپنا
درد کو ہم کیا کام دوا سے داغ کو ہے کب خواہش مرہم

چرخ مخالف بخت ہے واژوں کوئی نہیں امید کی صورت
ہاتھ اُٹھائیں خاک دعا کو بند جو پائیں باب اثر ہم

باغ جہاں میں سیر کو آئے ساتھ ہی لیکن قسمت بھی
ہاتھ ہے کوتہ شاخ ہے اونچی پائینگے کیونکر کوئی ثمر ہم

گھر سے نکالا رنج میں ڈالا ظلم کیا غواص فلک نے
چین سے کیسے بحر جہاں میں گوشہ نشین تھے مثل گہر ہم

دہر میں تھے وہ طائر قیدی کچھ بھی نہ گزرا وقفہ ہستی
کھولتے ہی پرواز کے شہپر بیت ہوئے مانند شرر ہم

دل کی صفائی نے اور بگاڑا کام ہوا اپنا کوئی سنوارا
آئینہ ساں ہیں بزم جہاں میں کس کے ہوے دست نگر ہم

وقت سحر ہے شور سفر ہے چست مسافر قافلہ راہی
واہ ری غفلت فکر نہیں کچھ بیٹھے ہیں اب تک کھولے کمر ہم

غیر ہے حالت ضعف ہے طاری وہی گردش اب بھی ہماری
زار ہیں مثل سوزن ساعت پھرتے ہیں لیکن آٹھ پہر ہم

شوق شہادت دل میں ہے غالب ڈھونڈ رہے ہیں کوچۂ قاتل
دور سے دیکھیں اسکو جو آتے دوڑ کے رکھدیں پائے پہ سر ہم

حال نہ پوچھو عشق کمر میں گھل گئے بالکل ہو گئے لاغر
سب کی نظر سے اب تو ہیں غائب بن گئے گویا تار نظر ہم

شکر کی جا ہے شکر کی جا ہے یار امیر آیا سر بالیں
کعبے کی جانب کوئی بتا دے سجدہ کریں اسوقت کدھر ہم

ردیف نون

ہم لوٹتے ہیں وہ سو رہے ہیں
کیا ناز و نیاز ہو رہے ہیں

کیا رنگ جہان میں ہو رہے ہیں
دو ہنستے ہیں چار رو رہے ہیں

دنیا سے الگ جو ہو رہے ہیں
تکیوں میں مزے سے سو رہے ہیں

پہنچی ہے ہماری اب یہ حالت
جو ہنستے تھے وہ بھی رو رہے ہیں

تنہا تہ خاک بھی نہیں ہم
حسرت کے ساتھ سو رہے ہیں

سوتے ہیں لحد میں سونے والے
جو جاگتے ہیں وہ رو رہے ہیں

ارباب کمال چل بسے سب
سو میں کہیں ایک دو رہے ہیں

پلکوں کی جھپک دکھاکے یہ بُت
مجھ داغ نصیب کی لحد پر
پیری میں بھی ہم ہزار افسوس
دامن سے ہم اپنے داغِ ہستی
میں جاگ رہا ہوں اے شبِ غم
روئیں گے ہمیں رُلانے والے
اے حشر مدینے میں نہ کر شور
آئینے پہ بھی کڑی نگاہیں
بھاری ہے جو موتیوں کا مالا
دل چھین کے ہو گئے ہیں غافل
ہے غیر کے گھر جو اُن کی دعوت
صد شکر خیال ہے اُسی کا
ہو جائیں نہ خشک داغ کے پھول
پوچھے کوئی دیدہائے تر سے
آئیگی نہ پھر کے عمرِ رفتہ
کیا گریۂ بے اثر سے حاصل
فریاد کہ ناخدائے کشتی
کیوں کرتے ہیں غمگسار تکلیف
محفل برخاست ہے پتنگے
ہے کوچ کا وقت آسمان پر
انکی بھی نمود ہے کوئی دم

دل میں نشتر چبھو رہے ہیں
لالے کا وہ بیج بو رہے ہیں
بچپن کی نیند سو رہے ہیں
آبِ خنجر سے دھو رہے ہیں
پر میرے نصیب سو رہے ہیں
ڈوبینگے وہ جو ڈبو رہے ہیں
چُپ چُپ سرکار سو رہے ہیں
کس پر یہ عتاب ہو رہے ہیں
آٹھ آٹھ آنسو وہ رو رہے ہیں
فتنے وہ جگا کے سو رہے ہیں
ہم جان سے ہاتھ دھو رہے ہیں
ہم جس سے لپٹ کے سو رہے ہیں
آنسو ان کو بھگو رہے ہیں
کیوں نامِ وفا ڈبو رہے ہیں
ہم مفت میں جان کھو رہے ہیں
اس رونے پہ ہم تو رو رہے ہیں
کشتی کو مری ڈبو رہے ہیں
آنسو مرے منہ کو دھو رہے ہیں
رخصت شمعوں سے ہو رہے ہیں
تارے کہیں نام کو رہے ہیں
وہ بھی نہ رہیں گے جو رہے ہیں

دنیا کا یہ رنگ اور ہم کو
کچھ ہوش نہیں ہے سو رہے ہیں
کچھ دم نزع دو گھڑی اور
دو چار نفس ہی تو رہے ہیں
پھول اُن کو پنھا پنھا کے اغیار
کانٹے مرے حق میں بو رہے ہیں

زانو پہ امیر سر کو رکھے
پہروں گزرے کہ رو رہے ہیں

اُسکی حسرت ہے جسے دل سے مٹا بھی نہ سکوں
کون مانع ہے کہ در پر ترے آ بھی نہ سکوں
آنے دے غیر کو آتا ہے اگر خلوت میں
اُنکے غصے کی مٹانے کی ہیں سو تدبیریں
چٹکیاں لینے سے دل میں وہ کریں تو انکار
دل مرا وزد حنا مجھ سے چھپا کر بولا
میں اگر گھر سے نکلتا ہوں تو گھر کیوں نہ اُداس
وصل میں چھیڑ نہ اتنا اُسے اے شوقِ وصال
ڈالکر خاک مرے خون پہ قاتل نے کہا
ناز کرنے سے تجھے منع نہیں کرتا میں
ضبط کمبخت نے اور آکے گلا گھونٹا ہے
کوئی پوچھے تو محبت سے یہ کیا ہے انصاف
میں کسی سے نہ کہونگا وہ کریں وعدہ وصال
ہائے کیا سحر ہے یہ حُسن کہ مانگیں جو حسین
شکوے تو شوق سے کر وصل میں لیکن اے دل
نقش ہستی ہیں ابھی محو کیے دیتا ہوں

ڈھونڈنے اُسکو چلا ہوں جسے پا بھی نہ سکوں
کیا قدم نقش قدم ہیں کہ اُٹھا بھی نہ سکوں
کچھ تری شرم نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں
لاگ کی آگ نہیں ہے کہ بجھا بھی نہ سکوں
داغ کچھ درد نہیں ہیں کہ دکھا بھی نہ سکوں
کیا یہ جوبن ہے کسی کا کہ چرا بھی نہ سکوں
کیا دم بازپسیں ہوں کہ پھر بھی آ نہ سکوں
کہ وہ رُوٹھے تو کسی طرح منا بھی نہ سکوں
کچھ یہ مہندی نہیں میری کہ چھپا بھی نہ سکوں
پر نہ اتنے کہ اُٹھاؤں تو اُٹھا بھی نہ سکوں
کہ اُسے حال سناؤں تو سنا بھی نہ سکوں
وہ مجھے دل سے بھلاتے ہیں بھلا بھی نہ سکوں
رازِ الفت یہ نہیں ہے کہ چھپا بھی نہ سکوں
دل بچا بھی نہ سکوں جان چھڑا بھی نہ سکوں
بات کچھ ایسی نہ بگڑے کہ بنا بھی نہ سکوں
خطِ تقدیر نہیں ہے کہ مٹا بھی نہ سکوں

ایک نالے میں جہان کو تہ و بالا کر دوں
کچھ ترا دل یہ نہیں ہے کہ ہلا بھی نہ سکوں

رعب کو ساتھ لگا لائے ہیں اپنے شب وصل
کہ جو اُٹھیں تو خوشامد سے بٹھا بھی نہ سکوں

منہ پہ قاضی کے میں کہہ دونگا کہ ہوں حسن پرست
عشق کچھ کفر نہیں ہے کہ جتا بھی نہ سکوں

انکے پہلو میں جو لیجا کے سُلا دوں دل کو
نیند ایسی اُسے آئے کہ جگا بھی نہ سکوں

اے امیر اپنی غزل ہے کوئی آیت تو نہیں
کہ گھٹا بھی نہ سکوں اور بڑھا بھی نہ سکوں

ہائے وہ دن کہ گزر جاتی تھی شب باتوں میں
اب نہ باتوں میں مزا ہے نہ ملاقاتوں میں

لطف کیا آئے تکلف کی ملاقاتوں میں
کچھ رُکھائی کے سوا بات نہیں باتوں میں

آگیا غیر کی صحبت کا اثر باتوں میں
اور کچھ ہو گئے تم بیٹھ کے بدذاتوں میں

گھر کیا جب سے کھنچاوٹ نے ملاقاتوں میں
بیٹھ کا تیری رُکاوٹ کا ہوا باتوں میں

جب کہا نالہ و زاری مری دیکھو بولے
بجلی ہم نے بہت دیکھی ہیں برساتوں میں

چار ہی دن میں وہ بُت دیکھیے کیا چل نکلا
کیسی قینچی سی زبان چلنے لگی باتوں میں

مسجدوں میں ہیں یہ ہو حق کے کہاں ہنگامے
رنگ توحید اُچھلتا ہے خراباتوں میں

ناز ادا آن حیا غمزہ کرشمہ شوخی
لیگیا دل کو اُڑا کر کوئی ان ساتوں میں

دل دیا میں نے تو بولے کوئی ہم بھولے ہیں
دل ہی دل روز چلے آتے ہیں سوغاتوں میں

عمر رفتہ کو عبث شیخ حرم روتا ہے
ڈھونڈ لے آکے جوانی کو خراباتوں میں

یہ سمجھ کر کبھی ناصح کی بھی سُن لیتا ہوں
اک نہ اک بات نکل آتی ہے سو باتوں میں

التجا ٹوٹے ہوئے دل کی وہاں ہے مقبول
درد کی ساری ہے تاثیر مناجاتوں میں

انجمن ہو کہ چمن سب ہیں اسی کے سرمست
ایک ساقی ہے ہزاروں ہی خراباتوں میں

کچھ اشارے جو کیے میں نے تو جھنجھلا کے کہا
تم رہا کرتے ہو دن رات انہیں گھاتوں میں

مہرباں وصل میں قصے یہ نکالے کیسے
آج کی رات بھی کیا ٹالیے گا باتوں میں

چار ادھر لوٹتے ہیں چار اُدھر اے ساقی
مے کھنچی یا کوئی شمشیر خراباتوں میں

واعظ اب چھیڑ کے رندوں سے سنا کرتے ہیں
کچھ مزا ملنے لگا ہے انہیں صلواتوں میں

وصل میں زلفِ سیہ نے جو کیا ہے اندھیر
یہ اندھیرا تو نہ تھا ہجر کی بھی راتوں میں

بوسہ مانگا تو کہا پھیر کے منہ ظالم نے
کہ زبان کٹتی ہے انسان کی انہیں باتوں میں

دل اُڑا لیتے ہیں وہ کھول کے زلفوں کی لٹیں
دیکھو دن پھرتے ہیں جو روز کے انہیں راتوں میں

ہٹ نہ بولیں جو تمہیں بولتے ہیں ہم سے امیر
اپنے اللہ سے باتیں ہیں مناجاتوں میں

یہ تو میں کیونکر کہوں تیرے خریداروں میں ہوں
تو سراپا ناز ہے میں ناز برداروں میں ہوں

وصل کیسا تیرے نادیدہ خریداروں میں ہوں
واہ رے قسمت کہ اس پر بھی گنہگاروں میں ہوں

حشر میں اتنا کہوں گا اُس سے میں محرومِ وصل
پاکدامن تو ہے میں کیونکر گنہگاروں میں ہوں

ناتوانی سے ہے طاقت ناز اُٹھانے کی کہاں
کہہ سکوں کیونکر کہ تیرے ناز برداروں میں ہوں

جان پر صدمہ جگر میں درد دل کا حال زار
گھر کا گھر بیمار کس کس کے پرستاروں میں ہوں

ہائے رے غفلت نہیں ہے آج تک اتنی خبر
کون ہے مطلوب میں کس کے طلبگاروں میں ہوں

وہ کرشمے شانِ رحمت نے دکھائے روزِ حشر
چیخ اُٹھا ہر بیگنہ میں بھی گنہگاروں میں ہوں

وہ مجھے روتا ہے میں روتا ہوں اُس کی جان کو
دل میرے ماتم میں ہے دل کے عزاداروں میں ہوں

صبح سے مطلب نہ گل سے کام کیا جانوں اُنہیں
میں تمہارے سینہ چاکوں میں دل افگاروں میں ہوں

دل جگر دونوں کی لاشیں ہجر میں ہیں سامنے
میں کبھی اسکے کبھی اسکے عزاداروں میں ہوں

میں کسی قالب میں ہوں خالی اُداسی سے نہیں
رنگ ہوں یا بو ہوں مرجھائے ہوئے ہاروں میں ہوں

چھیڑ دیکھو میری میت پر جو آئے یہ کہا
تم وفاداروں میں ہو یا میں وفاداروں میں ہوں

زاہدو کافی ہے اتنی بات بخشش کیلئے
اُس کو شوقِ مغفرت ہے میں گنہگاروں میں ہوں

کسطرح فریاد کرتے ہیں بتا دو قاعدہ
اے اسیرانِ قفس میں تو گرفتاروں میں ہوں

حالِ زار اپنا دکھلا کر دل نے اُس سے یوں کہا
کیوں اسی مُنہ پر یہ کہتے تھے میں دلداروں میں ہوں

بیگناہوں میں چلا زاہد جو اُس کو ڈھونڈنے
مغفرت بولی ادھر آ میں گنہگاروں میں ہوں

خال کہتا ہے دکھا کر یار کا حُسنِ ملیح
میں بھی اس سرکار کے ادنیٰ نمکخواروں میں ہوں

اُونچے اونچے مجرموں کی ہوگی پرسش حشر میں
کون پوچھیگا مجھے میں کن گنہگاروں میں ہوں

وقتِ آرائش پہنکر طوق بولا وہ حسین
اب وہ آزادی کہاں ہے میں بھی گرفتاروں میں ہوں

چارہ سازی کس سے چاہیں اب مریضِ دردِ غم
کہتے ہیں عیسیٰ کہ میں بھی اُنکے بیماروں میں ہوں

بیگناہی کا تو دعوےٰ اُنکے آگے کیا مجال
ڈرتے ڈرتے منہ سے نکلا میں گنہگاروں میں ہوں

پوچھتا ہوں وجہ آزادی تو کہتا ہے یہ سرو
میں کسی کے قدِ موزون کے گرفتاروں میں ہوں

آچکا تھا رحم اُس کو سُن کے میری بیکسی
درد ظالم بول اُٹھا میں اُسکے غمخواروں میں ہوں

سوزِ فرقت دردِ دل زخمِ جگر ناسورِ چشم
کچھ نہ پوچھو مبتلا میں کتنے آزاروں میں ہوں

شرم و شوخی دونوں گاہک ہیں اکیلا کیا کروں
ایک جنس بے حقیقت دو خریداروں میں ہوں

پھول ہیں پھولوں میں ہوں کانٹا ہوں کانٹوں میں امیر
یار میں یاروں میں ہوں عیار عیاروں میں ہوں

ضبط کرنا دلِ حزیں کا نہ کہیں
چوٹ لگ جائیگی کہیں نہ کہیں

جب تڑپتا ہے دل میں ڈرتا ہوں
چرخ پر جا پڑے زمین نہ کہیں

مسکرا کر وہ شوخ کہتا ہے
آج بجلی گری کہیں نہ کہیں

حوریں لپٹی ہیں نزع میں مجھ سے
دیکھ پائے وہ نازنین نہ کہیں

وصل کی شب نہیں نہیں کیسی
دیکھ سُن لے دلِ حزیں نہ کہیں

دل میں باتیں تھیں کیا کیا کچھ
ہائے کچھ وقت واپسیں نہ کہیں

دل سی شے لے کے اب تو نکلے ہیں
پوچھ لیگا کوئی کہیں نہ کہیں

نہ تڑپ اسقدر دلِ بیتاب
سہم جائے وہ نازنین نہ کہیں

میرے عدو ہی کے دل میں چھپ جائیے — نگہِ وقتِ واپسیں نہ کہیں
چین مُردوں کو قبر میں بھی نہیں — آسمان ہو تو زمین نہ کہیں

آگ ہو جائیگا وہ شوخ امیر
کھینچنا آہِ آتشیں نہ کہیں

اس شان سے ہم آئے تری جلوہ گاہ میں — مشعل دکھائی برقِ تجلی نے راہ میں
اندھیر کر رہی ہے یہ چشمِ سیاہ میں — شوخی کو قید کیجیے نیچی نگاہ میں
کیا دخل جا سکے کوئی اس جلوہ گاہ میں — غمزہ چھُری لیے ہوئے بیٹھا ہے راہ میں
خنجر کچھ اس ادا سے کھینچا قتل گاہ میں — لپٹا لیا گلے سے ترے اشتباہ میں
توبہ بھی کچھ بھروسے کے قابل ہو زاہدو — پہنچی ہے ہم سے لُوٹ کے اب خانقاہ میں
وہ دشمنی سے دیکھتے ہیں دیکھتے تو ہیں — میں شاد ہوں کہ ہوں تو کسی کی نگاہ میں
گھر سے مرے بلائے شبِ غم گئی کہاں — بیٹھی ہے چھپ کے پردۂ روزِ سیاہ میں
ہم مستِ مے کبھی پلٹتے ہیں تو کانپتے ہوئے — توبہ پڑی ہوئی ہے ہمارے گناہ میں
قالب میں دل ہے دل میں ہے وہ قدردانِ دل — یوسف گرا ہے لیکے زلیخا کو چاہ میں
افتادگی میں بھی مجھے معراج ہے نصیب — ٹھوکر بھی کھائی ہے تو محبت کی راہ میں
پھونکا ادھر عدو کو اُدھر آسمان کو — دو ظالموں کی لی ہے خبر ایک آہ میں
وہ دیکھتے ہیں خونِ تمنا جما کے آنکھ — مہندی لگائی جاتی ہے پائے نگاہ میں
اہلِ نظر کو وسعتِ امکان بہت ہے تنگ — گردوں نہیں گرہ ہے یہ تارِ نگاہ میں
جب میں پکارتا ہوں تو کہتا ہے آفتاب — کمبخت گم ہوں میں ترے روزِ سیاہ میں
ڈرتا ہوں جذبِ شیخ کا سُن سُن کے غلغلہ — کھچ جائے دخترِ رز نہ کہیں خانقاہ میں
آنکھ اپنی فتنہ ہائے قیامت پہ کیا پڑے — جسکے یہ فتنے ہیں وہ ہے اپنی نگاہ میں
دل میں صنم صنم ہو زباں پر صنم صنم — حسنِ عمل کی بھی ہو جھلک کچھ گناہ میں

بیتابیاں جو مانگیں تو دینا نہ تو ہمیں
اے سیراب ہم آئے ہیں تیری پناہ میں

اُٹھتا نہیں ہے اب تو قدم مجھ غریب کا
منزل سے کہہ دو دوڑ کے لے مجھ کو راہ میں

قدرت خدا کی ہے کہ ملیں خاک میں تو ہم
اور سُرمہ گھر کرے تری چشمِ سیاہ میں

شاعر کو مست کرتی ہے تعریفِ شعرِ امیر
سو بوتلوں کا نشہ ہے اس واہ واہ میں

اللہ ری لاغری کہ تری جلوہ گاہ میں
پس پس گیا ہوں دب کے میں گردِ نگاہ میں

ہے اس غضب کی آگ دلِ دادخواہ میں
اُف کر کے بھاگ آئے جو تاثیر آہ میں

دل ہے تباہ قافلۂ اشک و آہ میں
گھیرا ہے آندھی پانی نے بیکس کو راہ میں

آفت کی شوخیاں ہیں تمہاری نگاہ میں
محشر کے فتنے کھیلتے ہیں جلوہ گاہ میں

بھاگا خیالِ یار یہ کہہ کر شبِ فراق
دشمن مرے شریک ہوں حالِ تباہ میں

محشر خرام تم جو نہیں ہو تو کون ہے
فتنوں کے پھرے کسنے بٹھائے ہیں راہ میں

تیرے جلال میں بھی مزہ ہے جمال کا
چشمِ کرم چھپی ہے غضب کی نگاہ میں

یہ عکس کس کے چاند سے چہرہ کا پڑ گیا
پانی کو ناز ہے کہ میں یوسف ہوں چاہ میں

افتادگی میں بال برابر نہیں ہے فرق
ہے ایک رنگ سایۂ درویش و شاہ میں

تیری نکیلی پلکوں سے اللہ کی پناہ
کیا دل میں پیر جاتی ہیں چبھ کر نگاہ میں

قالب کو بھی قیام نہیں روح کی طرح
منزل چلی ہے ساتھ مسافر کے راہ میں

مانندِ شمع تاج ہی سے ہے بقائے شاہ
ہے اس کلاہ پوش کی جان اِس کلاہ میں

ہم ہیں سیاہ کار تو رحمت ہے پردہ پوش
سے پیتے ہیں تو سایۂ ابرِ سیاہ میں

صحبت سے پاک طبع کو آسودگی کہاں
آئے تری نہ دیدۂ تر سے نگاہ میں

غمزے کا بانکپن صفِ مژگاں میں دیکھیے
کس نوک کا جوان ہے یہ اس سپاہ میں

اللہ رے رشک جمع نہیں ہوتے دو حسین
روزِ ازل سے پھوٹ ہے خورشید و ماہ میں

آنسو بہائے دیکھ کے خوش ہو رہے ہیں وہ
پازیب موتیوں کی ہے پائے نگاہ میں

اے تیغ ناز ہاتھ جو تو نے اُٹھا لیا
لیتا نہیں کوئی مجھے اپنی پناہ میں

چشمِ سیہ کے عشق میں یادِ مژہ جو کی
ماتم کی صف بچھی مرے روزِ سیاہ میں

قاصد کو اُس نے قتل کیا نامہ دیکھ کر
مارا پڑا غریب ہمارے گناہ میں

آئینہ جب سے دیکھ لیا لوٹ ہی رہا
یوسف مرا اُبھر نہ سکا گر کے چاہ میں

سودا و میر دونوں تھے کامل مگر امیر
ہے فرق واہ واہ میں اور آہ آہ میں

وہ بیکس ہوں نہیں ہے کوئی میرے غمگساروں میں
فقط اِک دل ہے تو وہ بھی تمہارے جاں نثاروں میں

قطرے کی بوند بدلی ہی نہیں ان اشکباروں میں
شرارہ مردہ ہے بجلی بھی تیرے بیقراروں میں

کہو زاہد پیے رنگ تو برسات کا دیکھے
تماشا اُودی اُودی بدلیاں ہیں سبزہ زاروں میں

حقیقت عاشقوں کے مرگ کی ہم سے کوئی پوچھے
بہت جب نیند آئی سو رہے جا کر مزاروں میں

نگاہِ یار کیا بدلی جہاں بدلا ہوا بدلی
وہ دشمن جان کے ہیں تھے جو آگے جاں نثاروں میں

اُڑا پارا اجلا اسپند دب کر رہ گئی بجلی
ہمیں ثابت قدم ٹھہرے تمہارے بیقراروں میں

شبِ وصلت تمہاری شرم سے کس کس کو شرم آئی
لجا لو بن کے سمٹے جسقدر تھے پھول ہاروں میں

فرشتوں سے کہو اتنی قیامت میں خبر رکھیں
کہیں چھپ چھپ کے زاہد مل نہ جائیں بادہ خواروں میں

جُدا ہے دخترِ رز کا نام ہر صحبت میں اے ساقی
پری ہے میکشوں میں حور ہے پرہیزگاروں میں

بہت سے جلوہ گاہِ یار میں دیدار کے طالب
کلیم اللہ آگے بڑھ گئے امیدواروں میں

ہوئے ہم قتل جب جلسہ نظر آیا حسینوں کا
بٹا یہ خونِ ناحق چُلّو چُلّو گلعذاروں میں

خدا جانے کہاں کی جان کس جلسے میں ہے اپنی
بظاہر بُت بنے بیٹھے ہیں ہم ہر چند یاروں میں

سو گورِ غریباں آئیں وہ یہ پوچھنے یارب
مرے کشتے کی تربت کونسی ہے ان مزاروں میں

ترا اُبھرا ہوا جوبن یہ اُنکو گدگداتا ہے
کہ لوٹے جاتے ہیں مارے ہنسی کے پھول ہاروں میں

قبا کے بند کھولو پردہ اُلٹو کچھ ہنسو بولو
جو آئے ہو تو بیٹھو بے تکلف ہو کے یاروں میں

ادھر بھی اک نگاہِ ناز اپنے حُسن کا صدقہ
کہ روزِ حشر میری آنکھ نیچی ہو نہ یاروں میں

امیر ان سے نہ بچتی دخترِ رز آنکھوں میں پی جاتے
جوانی کا گزر شاید نہیں پرہیزگاروں میں

چلے ساقی ہنسے بولے اگر آئی ہے یاروں میں
دُلھن بن کر نہ بیٹھے دخترِ رز بادہ خواروں میں

بہار آئی لنڈھاتی خم کے خم ہم بادہ خواروں میں
کہو توبہ سے چندے جا رہے پرہیزگاروں میں

رہے ہم زخمیوں کی قبر میں یارب کوئی روزن
مزے مر کر بھی اُٹھیں چاندنی آئے مزاروں میں

بہار آئی گھٹا چھائی کھلے بوتل چلے ساغر
نہ تم پرہیزگاروں میں نہ ہم پرہیزگاروں میں

شبِ فرقت سمٹ کر میرے گھر میں آ رہی شاید
سیاہی جسقدر رکھتی گبر و ترسا کے مزاروں میں

اُڑائے پرزے میرے دل کے خوش چشموں نے یوں ملکر
تبرک جیسے ہو دستارِ قاضی بادہ خواروں میں

ہماری کشتیٔ مے جا لگی جنت میں کوثر پر
ہوائے بادہ خواری لے اُڑی پرہیزگاروں میں

جگر روتا ہے دل کو دل جگر کو طرفہ ماتم ہے
یہ اُسکے سوگواروں میں وہ اُسکے سوگواروں میں

یہ کس گلرو کے غم میں مر رہا ہوں میں کہ پہلے سے
مرے پھولوں کے چرچے ہو رہے ہیں گلعذاروں میں

نہ نکلے آرزوئے وصل کچھ تو دل کو تسکین ہو
یہی سُن لوں کہ میرا نام ہے اُمیدواروں میں

بہار آتے ہی کھولا غنچوں نے کیا دو ہمت
قدح لٹتے ہیں بیبا بٹ رہا ہے لالہ زاروں میں

ادھر دل لوٹتا ہے اُسطرف بجلی تڑپتی ہے
الٰہی خیر ہو بحث آ پڑی دو بیقراروں میں

اسی کا نام گلگونہ اسی کو نام ہے غازہ
ہمارا خونِ ناحق رنگ لایا گلعذاروں میں

نظر ہے آئنے پر مانگتے ہیں عکس سے بوسہ
وہ خود اپنے درِ دولت پہ ہیں اُمیدواروں میں

عجب راحت سے مرقد میں ہیں تیرِ ناز کے کُشتے
کہ حُوریں دن کو پریاں شب کو آتی ہیں مزاروں میں

دمِ زینت سمجھے وسواس اُن کو بدگمانی سے
کسی کی روح مثلِ بُو نہ ہو پھولوں کے ہاروں میں

کھلائے گل یہ ساقی زاہدوں کی روسیاہی نے
انہیں کے داغ یہ پھیلے ہوئے ہیں لالہ زاروں میں

شگوفہ کوئی پھولے گا یہ صحبت رنگ لائیگی
امیر اچھا نہیں ہے بیٹھنا ان گلعذاروں میں

اُلجھ پڑوں کسی دامن سے میں وہ خار نہیں
کسی شہید کا ہے رنگِ خون بہار نہیں
نصیب دولتِ دنیا جو ہو تو اور جلوں
نہ دور رقیب کو تم داغ اپنی اُلفت کا
ہماری خاک بھی کرتی شکایت اُس بُت کی
زمینِ شعر میں ہم دفن ہوں تو بہتر ہے

وہ پھول ہوں جو کسی کے گلے کا ہار نہیں
کسی لحد پہ چراغاں ہیں لالہ زار نہیں
شرارہ ہے مجھے یاقوت آبدار نہیں
زمین شور سزاوارِ لالہ زار نہیں
خدا کا شکر ہے گویا لبِ مزار نہیں
یہاں سوالِ ملائک نہیں فشار نہیں

امیر وصل اُس شوخ نے تلوں سے
ہزار بار کہی ہاں ہزار بار نہیں

دل جو کہتا ہے مجھے ضبط کی طاقت ہی نہیں
غم سے چھوٹوں تو میں کچھ عیش کا ساماں کروں
اب کس امید پہ ہم یار کا در یار کریں
طلبِ جام عبث کرتے ہو منہ پھوڑ کے تم
دھوپ کو اُس کو نا حق ہے تکلف آئیں
ہاتھ میں شانہ ہے آئینہ ہے زانو پہ مدام

ضبط کہتا ہے تڑپنے کی اجازت ہی نہیں
اتنی اس غمکدۂ دہر میں فرصت ہی نہیں
پیشتر تھی جو عنایت وہ عنایت ہی نہیں
میکشو آنکھ میں ساقی کی مروت ہی نہیں
کون روکیگا اُنہیں گھر میرے چھت ہی نہیں
اُن سے اُلفت ہے تمہیں جن میں محبت ہی نہیں

دین کی فکر کروں ہائے میں کس وقت امیر
کبھی دنیا کے بکھیڑوں سے فراغت ہی نہیں

مثلِ تارِ نظر نظر میں نہیں
جلوہ خالق کا کس بشر میں نہیں
ہوش تک راہ بیخودی میں ہیں گم

اس طرح گھر میں ہوں کہ گھر میں نہیں
غیر عکس آئنے کے گھر میں نہیں
کوئی ساتھی مرا سفر میں نہیں

ورق گل کو لے اڑی ہے نسیم — خط مرا دست نامہ بر میں نہیں
دیکھ لی آج آنکھ اس گل کی — اب تو نرگس بھی کچھ نظر میں نہیں
عجز بندوں کا کیوں پسند نہ ہو — کہ یہی تو خدا کے گھر میں نہیں
کسکے سر ماریے یہ بار سفر — راہزن کوئی رہگزر میں نہیں
دیکھیئے تو اسی میں ہے سب کچھ — کون کہتا ہے کچھ بشر میں نہیں
اس قدر بھر گیا ہے داغوں سے — کہ جگہ درد کی جگر میں نہیں
دیکھ کر ان کو سب یہ کہتے ہیں — کیا پری میں ہے جو بشر میں نہیں
سارے عالم کے داغ بھر لیتا — کیا کروں میں جگہ جگر میں نہیں
قرب منعم میں پیچ و تاب کہاں — کہ گرہ رشتۂ گہر میں نہیں
کون لیجائے نامہ قاتل تک — خوف سے جان نامہ بر میں نہیں
رہرو راہ عشق ہوں جز درد — کوئی توشہ مری کمر میں نہیں
ہو سکے خاک میہمانی غم — ایک قطرہ لہو جگر میں نہیں
کیجیے تر زبان نشتر کو — خون اتنا بھی اب جگر میں نہیں
مانگنا ہو جو مانگ لے اس سے — کونسی شے خدا کے گھر میں نہیں
رشتۂ کہکشاں میں بجلی ہے — تیغ اس ترک کی کمر میں نہیں

عیش کا نام ہی سنا ہے امیر
ڈھونڈ مارا جہان بھر میں نہیں

غضب کی آنکھ سے یہ کجکلاہ دیکھتے ہیں — کہ عاشق آنکھ سے پہلے نگاہ دیکھتے ہیں
بت اس نظر سے خدا کی پناہ دیکھتے ہیں — کہ لوٹ جاتے ہیں جو وہ نگاہ دیکھتے ہیں
کھڑے ہیں ہاتھ میں ساغر لیے چمن میں جو گل — یہ کسکی نرگسی آنکھوں کی راہ دیکھتے ہیں
چلو بھی گور غریباں میں ہو چکے غمزے — شہید ناز قیامت کی راہ دیکھتے ہیں

اب آپ میں مجھے آنے دے بیخودی للہ
وہ دیر سے مری مقتل میں راہ دیکھتے ہیں

سفر میں اہل وطن یاد آتے ہیں ہم کو
کبھی جو راہ میں مردم گیاہ دیکھتے ہیں

وہ انتظار کسی کا کرے جو آپ میں ہو
ہم ایک عمر سے اپنی ہی راہ دیکھتے ہیں

وہ اس نگاہ سے کرتے ہیں میری سمت نظر
کہ جیسے سوئے گدا بادشاہ دیکھتے ہیں

وہ مست جانب میخانہ جب نہیں آتا
امیر کشتی مے کو تباہ دیکھتے ہیں

روشنی نام کو بھی خانۂ ویران میں نہیں
ہائے بجلی کی چمک بھی شب ہجراں میں نہیں

میرے پہلو میں دل ہے نہ تری مٹھی میں
پھر ہوا کیا جو تری زلف پریشاں میں نہیں

بیکسی دیر سے چلاتی ہے دے کون جواب
کہدے عبرت ہی کوئی گور غریباں میں نہیں

ہے حیات ابدی دونوں میں لیکن اے خضر
آب خنجر کا مزہ چشمۂ حیواں میں نہیں

غنچے کہتے ہیں کہ کیا جلد گزرتی ہے بہار
مسکرا لینے کی فرصت بھی گلستاں میں نہیں

بڑھ کے بجلی سے تڑپ میں سہی پر کیا حاصل
شوخیِ جنبش مژگاں تو رگ جاں میں نہیں

اپنے موقع پہ ہر اک چیز بھلی لگتی ہے
کانٹے ان پھولوں سے اچھے جو گریباں میں نہیں

پڑ گیا تفرقہ آتے ہی خزاں کے ایسا
رنگ پھولوں میں نہیں پھول گلستاں میں نہیں

قاضی و محتسب و شیخ سب آئے ہیں امیر
ایک تو یہ ہے کہ وہ صحبت رنداں میں نہیں

دھوم ہے چرخ بریں کی کس قدر افواہ میں
ایک اونچا ٹیکرا ہے میکدے کی راہ میں

جوشش وحشت نے دکھایا اسم اعظم کا اثر
سارے عالم کو مسخر کر لیا اک آہ میں

بے نیازی اس طرف ہے اس طرف بالکل نیاز
حد فاصل ہے تو یہ ہے بندہ و اللہ میں

حکم رب سے جب ملا اسباب راحت خلق کو
تکیہ و مسند بٹے باہم گدا و شاہ میں

شمع کی مانند جلے کی راہ ہستی اس طرح
پائمال اپنے ہوئے ہم رفتہ رفتہ راہ میں

تیرے زخمی کے جو کام آیا یہ پایا مرتبہ
کہتے ہیں وہ کیا چلیں ہم خارِ مژگاں چبھ جائیں

مور کے پر بنے جگہ پائی کلام اللہ میں
آنکھیں جب عاشق بچھا دیتے ہیں اُنکی راہ میں

جب چلے ہم منزلِ اُلفت میں مثلِ اشک امیر
ہر قدم پر لغزشِ پا سے گرا پا راہ میں

کلیاں یہ سُرخ سُرخ نہیں لالہ زار میں
مہندی لگی ہے دستِ عروسِ بہار میں

ٹوٹیں گے اب کے سال مزے ہم بہار میں
مشتاق نمک بھریں گے دلِ داغدار میں

جو آبلہ ہے اپنے دلِ داغدار میں
گنبد کسی شہید کا ہے لالہ زار میں

اسواسطے کہ ایک ہی ہو میری اُسکی شکل
مُنہ دیکھتا ہوں آئنہ روئے یار میں

آئنہ دیکھ دیکھ کے اُس نے بنائی زلف
پہنچی کمک حلب سے برابر تتار میں

آنے دے آپ میں مجھے اکدم تو بیخودی
بیٹھے ہیں کب سے لوگ مرے انتظار میں

گردِ نگاہ یار سے دل ہے مرا تباہ
رہرو کو سوجھتی نہیں منزل غبار میں

آئے گا کون اِدھر کہ تصدق کے واسطے
موتی ہیں اشک دامنِ شمعِ مزار میں

بدلی ہے رُت چمن کا ہے جوبن ابھار پر
کیا کیا بھرے ہیں گال گلوں کے بہار میں

جو شوخ طبع ہیں وہ جھپکتے نہیں کہیں
بجلی کٹار کھینچ کے آئی ہزار میں

کس پردے میں کدورتِ دل کا اشارہ ہے
لکھا ہے خط بھی اُس نے تو خطِ غبار میں

جالی کے پردے ہیں رُخِ گلگوں نہیں ترا
ہیں جالیاں نقابِ عروسِ بہار میں

کس گل کا سوئے گورِ غریباں گذر ہوا
پھولے نہیں سماتے ہیں مُردے مزار میں

کیا بے ثبات باغ تھا گل ہو گئے ہوا
جب تک کروں میں چاک گریباں بہار میں

دنیا ہی میں جو بات نہیں پوچھتا کوئی
روزِ حساب آئیں گے ہم کس شمار میں

جی لوٹتا ہے تڑپنے پر اب تک مگر امیر
اب جان ہی نہیں ہے دلِ بیقرار میں

شرم آتی ہے کہ یار کو بیوفا کہوں
اچھا کہا ہے جسکو اُسے کیا بُرا کہوں

ہر بار اُسکی تیغ کے کھنچنے کو کیا کہوں
اُس شوخ کی ادا کہ میں اپنی قضا کہوں

کیونکر بیان کروں جو مزہ خامشی میں ہے
کہنے کی ہو نہ بات تو میں اُسکو کیا کہوں

ممکن نہیں ہے عمرِ دو روزہ میں وصفِ زلف
تھوڑی سی شب دراز فسانہ ہے کیا کہوں

میں قصّہ گو نہیں کہ کہے جاؤں داستان
دل سے جو تو سُنے تو کچھ اے دلربا کہوں

مجھ سے تو ایک نے کبھی نباہی نہ دوستی
جز آشنا کسے کسے نا آشنا کہوں

یہ کہہ کے وہ چلے گئے ہم کل پھر آئیں گے
آج اُن سے کچھ بھی کہہ نہ سکا ہائے کیا کہوں

وہ خوش رہیں مجھے حق و باطل سے کام کیا
بیجا بھی وہ کہیں تو میں اُسکو بجا کہوں

دونوں طرف تھا ایک سا عالم وصال کا
اپنا کہوں لحاظ کہ اُس کی حیا کہوں

ایسا ہوں عشقِ عارض و گیسو میں بے حواس
بجلی چمک کے آئے تو اُسکو گھٹا کہوں

وہ خوب جانتا ہے جو ہے میری آرزو
مُنہ سے امیر کچھ نہ میں وقتِ دعا کہوں

لچک ہے شاخوں میں جنبش ہوا سے پھولوں میں
بہار جھول رہی ہے خوشی سے جھولوں میں

وہ گلعذار کہ نکلتے تھے روز پھولوں میں
انہیں کی خاک شریک آج ہے بگولوں میں

رقیب ساتھ ہیں اُن کے یہ خوف ہے ہم کو
کوئی شگوفہ نہ چھوڑے ہمارے پھولوں میں

نظر جو آئے ترے بال بال میں موتی
گمان ہوا کہ حسین جھولتے ہیں جھولوں میں

محمدِ عربی سا کہاں ہے کوئی امیر
خدا کے فضل سے سرتاج ہیں رسولوں میں

کیا عارف مجھے پیرِ مغان نے اک پیالے میں
کرامت یہ نہیں دیکھی کسی اللہ والے میں

نئی شاید نکلوائی ہے اُسنے گونج بالے میں
کھٹکتا ہر روز سے بڑھکر ہے نشتر دلکے چھالے میں

لگاؤں منہ نہ ہر بار میں واعظ کے ماروں
جو لائے حور بھی بھرکر مئے کوثر پیالے میں

مزے جتنے تھے باغ دہر میں سب چن لیئے دل نے
خط اُس عارض کا جب سے چھپ گیا ہے میری نظروں سے
یہی ہو شرم تو وہ آ چکے آغوش میں میرے
ہزاروں خار پیاسے وادیٔ اُلفت میں ہیں یارب
اِدھر بھی اک نگاہ لطف خُم کی خیر ہے ساقی
تڑپنے عمر گذری بار آئے یا اجل آئے
چمن سے خانۂ صیاد تک زندہ نہ پہنچوں گا

نہ ایسا زخم ہے گل میں نہ ایسا داغ لالے میں
نگہ یوں آنکھ میں چبھتی ہے کانٹا جیسے چھالے میں
تجھے کا لینے میں آنکھیں چاند ہوتا ہے جو ہالے میں
پلاؤں کس کو کس کی بوند بھر پانی ہے چھالے میں
سمجھیں مجتبیٰ ایک چھالا پڑ گیا ہے کسی کے ٹوٹے پیالے میں
خداوندا کوئی تاثیر تو پیدا ہو نالے میں
کہ دم اٹکا ہے نرگس میں تو جاں اٹکی ہو لالے میں

امیر اُس نازنیں پر ہے گرا بیلا چنبیلی تک
پہنتا ہے پرو کر پھول جوہی کے وہ بالے میں

پستیٔ بخت سے ہم خاک برابر میں ہوں
زینتِ گوشِ حسیناں ہوں نہ گوہر میں ہوں
کوئی کہتا ہے بُرا کوئی بھلا کہتا ہے
گر کے رتبے سے بھی نظروں میں کسی کی نہ گرو ں
سب ہیں حیرت میں نہیں کوئی شناسا میرا
لوگ ہر شہر سے آتے ہیں زیارت کے لیے
رنج ہوتا جو کوئی میرے برابر ہوتا
سایہ پروردۂ توحید ہے عزلت میری
نہیں وحدت کے سوا رنگِ دوئی مجھ کو پسند
دے صدا دل جو مرا ہو کے سینے میں دو نیم
بوسہ لینے کا مجرم نہ گنہگار وصال
بیخودی میں بھی مری رنگ ہے نیرنگی کا

سایہ بستر نہیں سائے کا بھی بستر میں ہوں
جامہ زیبوں ہی کا زیور ہوں اگر زر میں ہوں
بختِ منعم ہوں کہ مفلس کا مقدر میں ہوں
ظلِّ سلطاں ہوں اگر خاک برابر میں ہوں
مقتلِ دہر میں گویا تنِ بے سر میں ہوں
ناتوانی سے نگر موئے سپید میں ہوں
شکر کرتا ہوں کہ ہر ایک سے کمتر میں ہوں
پردہ اُٹھ جائے اگر جامے سے باہر میں ہوں
بیت کونین میں مصراعِ مکرر میں ہوں
کہ شگافِ قلمِ قدرتِ داور میں ہوں
پھر سزاوار سزا اور بے مقدر میں ہوں
کبھی صہبا کبھی مینا کبھی ساغر میں ہوں

میں کہاں ربطِ گل و لالہ کہاں مثلِ نسیم
اور گلزارِ جہاں میں کوئی دم بھر میں ہوں

دیکھ پڑ جائے نہ مقتل میں کسی غیر پہ ہاتھ
اس عنایت کا سزاوار ستمگر میں ہوں

آبرو اشک کی مانند جو پائی بھی تو کیا
کان تک اُس کے نہ پہنچوں گا وہ گوہر میں ہوں

جلوۂ حسن پہ اُس شوخ کا کہنا ہے امیر
بزم میں شمع ہوں گلشن میں گلِ تر میں ہوں

دل جُدا مال جُدا جان جدا لیتے ہیں
اپنے سب کام بگڑ کر وہ بنا لیتے ہیں

میان سے لیتے ہیں جب قتل کو میرے تلوار
اپنی چالیں اُسے پہلے وہ سکھا لیتے ہیں

دمبدم ہے یہ زمانے کے بدلنے کا سبب
کروٹیں کشتۂ شمشیرِ ادا لیتے ہیں

مجلسِ وعظ میں جب بیٹھتے ہیں ہم میکش
دخترِ رز کو بھی پہلو میں بٹھا لیتے ہیں

دردآگیں جو کوئی دل نظر آتا ہے کہیں
دوڑ کر ہم اُسے چھاتی سے لگا لیتے ہیں

رخ سے پردہ اگر اُٹھے تو حقیقت کھُل جائے
دُون کی شمس و قمر صبح و مسا لیتے ہیں

جی اکیلے شبِ فرقت میں جو گھبراتا ہے
فتنۂ حشر کو نالوں سے جگا لیتے ہیں

دھیان میں لاکے ترا سلسلۂ زلفِ دراز
ہم شبِ ہجر کو کچھ اور بڑھا لیتے ہیں

خانۂ گور کی چھت بیٹھے کہ دیوار گرے
جو کڑی پڑتی ہے مُردوں پہ اُٹھا لیتے ہیں

تیغِ قاتل رہے آباد کہ کشتے اُس کے
دہنِ زخم سے بوسوں کا مزا لیتے ہیں

ہو ہی رہتا ہے کسی بُت کا نظارہ تا شام
صبح کو اُٹھ کے جو ہم نامِ خدا لیتے ہیں

تم تو انسان ہو آؤ گے نہ کیوں قابو میں
ہم تو وہ باتوں میں پریوں کو لگا لیتے ہیں

عیدِ قرباں کی حقیقت میں انہیں کو ہے خوشی
تیغِ قاتل کو گلے سے جو لگا لیتے ہیں

جا چکا قافلۂ ملکِ عدم دُور تو کیا
ہم بھی دم بھر میں خدا چاہے تو جا لیتے ہیں

حسن اللہ نے بخشا ہے بتوں کو ایسا
دیر میں شیخ کو کعبے سے بُلا لیتے ہیں

ایک بوسے کے عوض مانگتے ہیں دل کیا خوب
جی میں سوچیں تو وہ کیا دیتے ہیں کیا لیتے ہیں

چھوتے ہیں مصحفِ رخسار کو کب بے تعظیم
ہاں کبھی چوم کے آنکھوں سے لگا لیتے ہیں

اپنی محفل سے اُٹھاتے ہیں عبث ہم کو حضور
چپکے بیٹھے ہیں الگ آپ کا کیا لیتے ہیں

بُت بھی کیا چیز ہیں اللہ سلامت رکھے
گالیاں دیکے غریبوں کو دعا لیتے ہیں

شاخِ مرجان میں جو اہر نظر آتے ہیں امیر
کبھی اُنگلی جو وہ دانتوں میں دبا لیتے ہیں

فراقِ یار میں شب ہو کہ دن تمام نہیں
جو اُسکی صبح نہیں ہے تو اسکی شام نہیں

ملی ہے دخترِ رز لڑ جھگڑ کے قاضی سے
جہاد کر کے جو عورت ملے حرام نہیں

وہ گالی دیتے ہیں شکوہ کرو تو کہتے ہیں
کسی کا ذکر نہیں ہے کسی کا نام نہیں

یہاں کمال تواضع وہاں کمال غرور
ادھر ہیں سجدے پہ سجدے اُدھر سلام نہیں

گرہ سے کچھ نہیں جاتا ہے پی بھی لے زاہد
ملے جو مفت تو قاضی کو بھی حرام نہیں

فقیرِ گوشہ نشیں ہیں خدا کے درباری
کسی امیر کا مجرا نہیں سلام نہیں

زمانے بھر میں پڑی ہے پکار حاتم کی
دیا ہے جسنے کہ حاتم کو اس کا نام نہیں

کہا جو میں نے کہ رُخ سے کبھی نقاب الٹو
تو سنکے بولے کہ منظور قتلِ عام نہیں

یہ داغ کیوں ہے رُخِ ماہتاب پہ اے چرخ
جو میرے یار کا بھاگا ہُوا غلام نہیں

کریم جان کے تجھ کو خطائیں کیں یا رب
مرے گناہ سزاوارِ انتقام نہیں

جو میکشی سے ہو فرصت تو دو گھڑی کو چلو
امیر مسجدِ جامع میں آج امام نہیں

ڈسگئی دل کو مرے زلف کی کالی ناگن
واہ کیا حُسنِ فسونگر نے نکالی ناگن

اُسکے جوڑے سے ذرا بچکے نکلنا اے دل
کُنڈلی مارے ہوئے بیٹھی ہے یہ کالی ناگن

دستِ گستاخ بڑھے کی جانب تو کہا
دیکھ نازک ہے بہت نازوں کی پالی ناگن

یادِ گیسو میں مرے داغ بدن نیلے ہیں
کیا بلا سونگھ گئی پھولوں کی ڈالی ناگن

اپنی دیوانوں سے پریوں کی طرح اُڑتی ہے — ناگنوں میں ہے یہ دنیا بھی نرالی ناگن
آگیا پیار تری زلف کے دھوکے میں مجھے — جب نظر آگئی بے خوف اُٹھالی ناگن

عشقِ گیسو کے اثر سے وہ تحریر امیر
جو لکھوں سطر وہ کاغذ پہ ہو کالی ناگن

پروانے کیوں نہ خاک ہوں جلکر چراغ میں — جلوہ اُسی کے نور کا ہے ہر چراغ میں
قاصد کا سر ہے محفلِ جاناں میں سرِ فرش — روغن کی جا ہے خونِ کبوتر چراغ میں
بے یار قتل کرتی ہے ہم کو ضیائے بزم — گویا ہے برّشِ دمِ خنجر چراغ میں
لالے میں تم ہو گل میں ہو تم مہر و مہ میں تم — جلوہ تمہارے چہرے کا ہے ہر چراغ میں
عاشق ہیں گوشہ گیر نہیں کوچہ گرد ہم — پروانے جلنے پھرتے ہیں گھر گھر چراغ میں
کامل جو عشق میں ہے اُسے سوز سے ہے ساز — پروانہ ساں جلے نہ سمندر چراغ میں
زائل شباب ہو تو کہاں حُسن میں نمک — روغن نہ ہو تو نور ہو کیونکر چراغ میں
ہے جلوہ گاہ یار چمن ہو کہ بزم ہو — ہر پھول میں وہ بُو ہے ضیا ہر چراغ میں
پروانے ایسے نشۂ اُلفت سے ہیں جو مست — کیا مے بھری ہے صورتِ ساغر چراغ میں
دل عاشقوں کے کیوں نہ ہوں قربانِ روئے یار — پروانے جل رہے ہیں برابر چراغ میں
اے دل وہ سیرزا منش آتا ہے بزم میں — روغن کے بدلے عطر جلے ہر چراغ میں
ہنسنے میں اُسکے دانتوں کا پرتو اگر پڑے — ہو ہر فتیلہ رشتۂ گوہر چراغ میں

آئی ہوا یہ کس لبِ لعلیں اے امیر
ہیں لعلِ شب چراغ کے جوہر چراغ میں

کہتا ہے کون آہ میں اپنی اثر نہیں — ہاں دل دُکھے کسی کا یہ مدِّ نظر نہیں
آہِ شرر فشاں میں ہماری اثر نہیں — پھولا ہوا درخت ہے لیکن ثمر نہیں
ایسے ہیں مست بادۂ حسن و جمال سے — میری خبر کہاں اُنہیں اپنی خبر نہیں

ہم بیقرار لوٹتے ہیں کب سے خاک پر — آسودگانِ خاک تمہیں کچھ خبر نہیں
محفل میں شمع باغ میں شبنم فلک پہ اثر — کس کی ہے آنکھ جو مرے ماتم میں تر نہیں
بوسہ جو سنگِ در کو دیا بول اُٹھا وہ شوخ — بندے کا ہے مکان خدا کا یہ گھر نہیں
گھر جانے کا ابھی سے ارادہ نہ کیجیے — یہ میرے دل کی چاک ہے سحر نہیں
شیخ حرم حرم میں برہمن ہے دیر میں — ہم کس جگہ ہیں کچھ ہمیں اپنی خبر نہیں
افسردگی وہی ہے ہماری پسِ فنا — سنگِ مزار میں بھی ہمارے شرر نہیں

دنیا ہے طرفہ میکدۂ بیخودی امیر
مست ہیں کسی کو کسی کی خبر نہیں

دیکھی مجنوں کی شبیہ آج جو تصویروں میں — ہڈیاں سوکھی سی دو چار تھیں زنجیروں میں
باغباں بلبل و طوطی کی زباندانی کیا — ہم تو دونوں کو اڑا دیتے ہیں تقریروں میں
ذبح ہوں کیوں نہ نمازی جو پڑھیں آپ نماز — کہ چھری بن کے زباں چلتی ہے تکبیروں میں
اے مصور ترے دامن سے اٹھینگے جو تیرے — کھنچ گئے ہاتھ جو دیوانوں کے تصویروں میں

تیغ پر باڑھ جو رکھوائی ہے قاتل نے امیر
عیدِ قرباں کی خوشی پھیلی ہے نخچیروں میں

پڑ گئی کیا لوٹ یارب گلشنِ ایجاد میں — دستِ گلچیں میں ہے گل بلبل کفِ صیاد میں
شوخیوں نے تیری چھپکر پردۂ بیداد میں — بجلیاں بھردی ہیں میرے نالۂ فریاد میں
بال و پر اپنے کہاں اس گلشنِ ایجاد میں — رہ گئے کچھ دام میں کچھ خانۂ صیاد میں
ہوگئی کچھ اور آکر خانۂ صیاد میں — یہ مزہ آگے نہ تھا بلبل تری فریاد میں
دیکھ کر تصویرِ شیریں نے یہ حسرت سے کہا — ہائے کیا وارفتگی ہے صورتِ فرہاد میں
دیر میں غافل نہیں اُس سے صنم بھی ایک دم — زاہد و بُت بن گئے ہیں سب خدا کی یاد میں
پر مرے ٹوٹے ہوئے اڑ جائیں سب سوئے چمن — ایسی آندھی آئے یارب خانۂ صیاد میں

سُن کے حالِ دلِ ہمارا کیا کسیکا دل دُکھے
جلگیا ہے سوزشِ دل سے اثر فریاد میں

چوکھٹا بنوانے کی مطلق نہیں ہے احتیاج
آپ کی تصویر کا گھر ہے دلِ بہزاد میں

بلبلو خوشیاں کرو آئی ہے گھر بیٹھے مراد
پھول والوں کا ہے میلا کوچۂ صیاد میں

جرم کیا نکلا انا الحق گر لبِ منصور سے
تھی اُسے از خود فراموشی خدا کی یاد میں

وائے قسمت کٹ گئی قیدِ قفس میں اپنی عمر
نکلے بھی گر بھی گئے پر خانۂ صیاد میں

قتل سے پہلے ہی تھا معدوم اپنا جسمِ زار
خون کیا لکھنے فرشتے نامۂ جلاد میں

بیقراری اس قدر تڑپا نہ مجھ کو زیرِ تیغ
دیکھ ظالم دل نہ اُچھلے سینۂ جلاد میں

پھنے اپنے ہیں نصیب اے ہمصفیرانِ چمن
پھنس گئے تم دام میں ہم گیسوِ صیاد میں

بلبلیں بھی آئینگی جلنے کو پروانوں کے ساتھ
روغنِ گل سے ہے چراغِ خانۂ صیاد میں

ایکدن برباد ہوگا تندبادِ مرگ سے
جلتی ہیں اس غم سے شمعیں خانۂ آباد میں

فی الحقیقت دل سے دل کو راہ ہوتی ہے امیر
ہم ہیں اُن کی یاد میں وہ ہیں ہماری یاد میں

جو بوئے گل چمن میں ڈھونڈتے ہیں
مسافر کو وطن میں ڈھونڈتے ہیں

جو گم کرتے ہیں راہ نیستی ہم
کمر ہیں یاد دہن میں ڈھونڈتے ہیں

میں زار ایسا بڑے نادان ہیں فصاد
لہو میرے بدن میں ڈھونڈتے ہیں

وہ پیاسے ہیں کہ ہم گھبرا کے پانی
ترے چاہِ ذقن میں ڈھونڈتے ہیں

پتا پاتے ہیں یوسف کا وہی لوگ
جو اپنے پیرہن میں ڈھونڈتے ہیں

وہ لاغر ہوں مرے لاشے کو قاتل
فرشتے آکے رَن میں ڈھونڈتے ہیں

ہمیں اے باغبان غنچوں سے کیا کام
ہم اپنا دل چمن میں ڈھونڈتے ہیں

امیر اہلِ حسد کب ہیں ہنر بین
عیوب اکثر سخن میں ڈھونڈتے ہیں

فرق بعدِ مرگ کچھ دل کی جلن میں کیوں نہیں
چین یا رب سایۂ ابرِ کفن میں کیوں نہیں

روح کو آرام آغوشِ بدن میں کیوں نہیں
یا خدا اخلاص اس دولھا دلھن میں کیوں نہیں

مر گیا جب میں تو کس پردے میں اُس بت نے کہا
آج وہ کل کی سی رونق انجمن میں کیوں نہیں

اُڑ گئیں روحیں شہادت گاہِ الفت سے کہاں
آشیانے ان غریبوں کے چمن میں کیوں نہیں

تو اگر دولھا بناتی ہے اُنھیں لے تیغِ ناز
بدّھیاں زخموں کی کشتوں کے بدن میں کیوں نہیں

ہوں وہ مجنوں دیکھ کر جوزا کو آتا ہے خیال
ہائے یہ بھی چاک میرے پیرہن میں کیوں نہیں

پوچھتی ہے قیصر و خاقان سے عبرت گور میں
کیوں لٹے سے ہیں آج وہ کس بل بدن میں کیوں نہیں

صورتیں ظاہر ہیں صورت آفریں پوشیدہ ہے
انجمن آرا کا جلوہ انجمن میں کیوں نہیں

سوگ ہے کس کے دل پر داغ کا اے گلبدن
وہ بہار افشاں کی زلفِ پرشکن میں کیوں نہیں

ہاتھ ہیں تیرے تو دینے کو ہزاروں اے کریم
سیکڑوں دامن ہمارے پیرہن میں کیوں نہیں

جامہ زیبو وہ نمائش بعدِ مُردن کیا ہوئی
پیرہن میں تھی جو سج دھج وہ کفن میں کیوں نہیں

وحدت و کثرت تو دونوں ہیں اُسی کی جلوہ گاہ
پھر جو خلوت میں مزہ ہے انجمن میں کیوں نہیں

سیکڑوں جاتے ہیں ہستی سے عدم کو رات دن
میری غربت کی خبر اب تک وطن میں کیوں نہیں

لوٹتی ہے ساری دنیا بزمِ جاناں کے مزے
میرا حصہ اس پھلے پھولے چمن میں کیوں نہیں

اس زمیں میں بھی بہت سے شعر ممکن ہیں امیر
ہو اگر فرصت تو گنجائش سخن میں کیوں نہیں

گزشتہ خاک نشینوں کی یادگار ہوں میں
مٹا ہوا سا نشانِ سرِ مزار ہوں میں

غریب چاہنے والوں میں تیرے یار ہوں میں
دماغ عرش پہ ظاہر میں خاکسار ہوں میں

ترے کرم میں کمی کچھ نہیں کریم ہے تو
مرا قصور ہے جھوٹا امیدوار ہوں میں

پڑا ہے دستِ اجل مجھ پہ لاکھ بار مگر
نکل گیا ہوں تڑپ کر وہ بیقرار ہوں میں

کچھ آج میں نے نئی پی ہے حضرتِ واعظ
ازل کا مست پرانا شراب خوار ہوں میں

نگاہِ گرم سے مجھ کو نہ دیکھا سے دوزخ
خبر نہیں تجھے کس کا گناہ گار ہوں میں

زمینِ قصرِ سلاطین سے آ رہی ہے صدا
کہ آج منزلِ عشرت ہوں کل مزار ہوں میں

پھر اُسکی شانِ کریمی کے حوصلے دیکھے
گناہگار یہ کہا سے گناہگار ہوں میں

جو مست ہوش میں آنے کا قصد کرتا ہے
پکارتا ہے یہ ساقی کہ ہوشیار ہوں میں

وہ کشتہ ہوں کہ مری لاش جسطرف گزری
زمیں پکار اُٹھی قابلِ مزار ہوں میں

حضور وصل کی حسرت ازل سے ہے مجھ کو
خیال کیجئے کب سے اُمیدوار ہوں میں

خبر نہیں اُسے روتا ہوں حال پر جس کے
اُداس صورتِ شمعِ سرِ مزار ہوں میں

شبِ فراق مری جان دل سے کہتی ہے
تڑپ چکا ہو اگر تو تو بیقرار ہوں میں

بلائیں لیتی ہے پھر پھر کے گرد نومیدی
یہ کس کے در پر الٰہی اُمیدوار ہوں میں

وہ بیقرار ہوں دیکھے اگر تڑپ میری
قرار بھی یہ پکارے کہ بیقرار ہوں میں

پکارتا ہے یہ مُوباف اُسکی چوٹی کا
کہ سب سے پیچھے ہوں اُس چوٹی کا سنگار ہوں میں

بڑے مزے سے گزرتی ہے بیخودی میں امیر
وہ دن خدا نہ دکھائے کہ ہوشیار ہوں میں

کسی کی روح پہ صدمہ ہوا شکبار ہوں میں
کسی کے دل میں اُٹھے درد بیقرار ہوں میں

گھڑی یہ نزع کی کہتی ہے جانِ پُر غم سے
کہ وقت آخرِ ایامِ روزگار ہوں میں

کسی کا دل نہیں دُکھتا مرے تڑپنے پر
سمجھتے ہیں مجھے بجلی وہ بیقرار ہوں میں

پڑا ہے تفرقہ کیا اضطراب سے پسِ مرگ
سرِ مزار مرا دل تہِ مزار ہوں میں

شگفتگی میں بھی میری فسردگی ہے عیاں
شرارِ سنگِ لحد ہوں اگر شرار ہوں میں

نہ محتسب کا مجھے خوف ہے نہ ساقی کا
گدائے میکدہ مفلس شرابخوار ہوں میں

فرشتے لے کے چلے تھے مجھے جہنم کو
تڑپ کے خلد میں پہنچا وہ بیقرار ہوں میں

وہ پیر ہوں کہ جوانوں کا رنگ رکھتا ہوں
عزیز کیوں نہ ہوں بے فصل کی بہار ہوں میں

کفن کا پاس نہ مجھ کو مزار کا ہے لحاظ / بُرا طپش کا ہو دونوں سے شرمسار ہوں میں

کسی سے کھوٹ نہیں میرے دل میں دوست تو کیا / عدو بھی یار بنائے مجھے تو یار ہوں میں

شکستگی سے سنورتا ہے اور کام مرا / شریکِ قسمتِ گیسوئے تابدار ہوں میں

شراب غیب سے میرے لیے اُترتی ہے / خدا کے گھر میں ہے حرمت وہ بادہ خوار ہوں میں

امیر ملتی ہیں بے مانگے نعمتیں کیا کیا
بڑا کریم ہے جسکا اُمیدوار ہوں میں

بانکی ادا ہے وہ نگہِ خشمگیں نہیں / غمزہ چھُری لیے ہے وہ چیں جبیں نہیں

خلوت میں بیخودی سے پتا ہی کہیں نہیں / کیا سیر ہے وہاں کہ ہمیں ہیں ہمیں نہیں

مانگی جگہ لحد کو تو بولا وہ شاہِ حُسن / تکیہ بنے فقیر کا یہ وہ زمیں نہیں

کیا خوش ہو دل فلک پہ ستاروں کو دیکھ کر / افشاں چُنی ہوئی یہ کسی کی جبیں نہیں

سرکار ہے کریم کی ساقی کی بارگاہ / دشمن مری کوئی نگہِ واپسیں نہیں

حسرت سے دیکھیے تو یہ کہتی ہے وہ نگاہ / دشمن مری کوئی نگہِ واپسیں نہیں

کہتے ہیں ذبح کرنے میں مجھ کو جھجک ہو کیوں / میں نازنیں ہوں دل مرا نازنیں نہیں

عصمت یہ دستِ شوق سے کہتی ہے روزِ وصل / چھُو جائے جس کو ہاتھ یہ وہ آستیں نہیں

غفلت نے میری مجھ کو بنایا ہے دھوپ چھاؤں / مخمل کا خواب ہوں کہ جہاں ہوں وہیں نہیں

روتا ہے دردِ عشق میں اُس دلنواز کے / کچھ قدرِ غم تجھے دلِ اندوہگیں نہیں

بسمل سے اپنے کہتی ہے مقتل میں تیغِ ناز / اس وقت بھی زباں پہ تری آفریں نہیں

پیکانِ تیر یار سے کہتی ہیں حسرتیں / تو دلنواز تو ہے مگر دلنشیں نہیں

نزدیک جا کے انکو جو دیکھا تو بول اُٹھے / چل دُور ہو نگاہ تری دُوربیں نہیں

دشوار ہے بہت دلِ معشوق تک گزر / اے آہ ہوشیار یہ عرشِ بریں نہیں

ہوں مستِ شوق وہ تو کہوں اُن سے چھیڑ کر / کیوں میری جان اب نہیں کہتے نہیں نہیں

شبّو کا پھول دیکھ کے بولا وہ جانِ زیب ۔ واہ ایک آستین تو ہے ایک آستین نہیں
جس بے نشان کو ڈھونڈتے ہیں ہم جہاں میں ۔ کہتا ہے دل کہ تجھ میں نہیں تو کہیں نہیں
بولے جو عذرِ ضعف سے اُن کو طلب کیا ۔ کیا آپ ناتواں ہیں تو میں نازنین نہیں

پچھلا کلام بھی ہے جو اس میں شریک امیر
دیوان میں اب کا رنگ کہیں ہے کہیں نہیں

مشتاق وصل کون ترا نازنین نہیں ۔ کُرتی پھنسی کہ لپٹی ہوئی آستیں نہیں
شکوہ جفا کا تم سے کچھ اے نازنین نہیں ۔ ایسے ہی تم میں ہوتے ہیں سب اک تمہیں نہیں
عالم سے اُن کی انجمنِ ناز ہے الگ ۔ چھت جسکی آسمان ہے یہ وہ زمیں نہیں
گزرا ہُوا زمانہ پھر آتا نہیں کبھی ۔ وہ کونسا ہے دم کہ دمِ واپسیں نہیں
بوسہ لپٹ کے لے ہی لیا ہم نے بزم میں ۔ ہاں سنی کسی کی نہ اُن کی نہیں نہیں
نقشِ سجود سے درِ دلدار ہے چمن ۔ اک پھول اسی چمن کا ہے داغِ جبیں نہیں
دیکھے تجھے زمانہ مجھے دیکھتا ہے کب ۔ اے جانِ ناتواں ہوں میں نازنین نہیں
مقتل میں ہاتھ اُٹھاتے وہ شرمائے جاتے ہیں ۔ نکلی ہوئی تو دیکھو کہیں آستیں نہیں
غش میں پڑے ہیں جلوہ گہِ نازنین کلیمؑ ۔ تحسیں نہیں سپاس نہیں آفریں نہیں
کہتے ہیں بیوفائی کا رونا نہ رو یہاں ۔ سارے جہاں میں ہے یہی کچھ یہیں نہیں
تڑپا رہا ہے اُٹھ کے مرے دل کو دردِ عشق ۔ تجھ سے ملا ہُوا تو مرا ہمنشیں نہیں
گھبراتے کیوں ہو دم مری آنکھوں میں ہے ابھی ۔ پھیرو نہ آنکھ یہ نگہِ واپسیں نہیں
اللہ رے ناز دیکھ کے کہتے ہیں آئنہ ۔ ہم نازنیں نہیں تو کوئی نازنیں نہیں
کہتے ہیں سنگِ در پہ مرے سجدہ تا کجا ۔ کچھ زیرِ مشق یہ پٹے خطِ جبیں نہیں
اک آہ کھینچنے کا ارادہ ہے ہوشیار ۔ خیر آج تیری اے فلکِ ہفتمیں نہیں
نسبت ہے ایک عاشق و معشوق سے اسے ۔ نازآفرین ہے کیا وہ نیازآفریں نہیں

شادی کی انجمن میں بھی روتا ہوں مثلِ شمع
مجھ سا جہان میں کوئی اندوہگین نہیں

چوکھٹ سے تیری سر نہ ہٹے گا امیر کا
سجدے سے گر کے اُٹھے یہ ایسی جبیں نہیں

عالم میں کوئی دخترِ رز سا حسین نہیں
شیشے میں اک پری ہے مے آتشیں نہیں

وہ شوخ لاکھ پردوں میں پردہ نشیں نہیں
اور پھر جو دیکھیے تو کہاں ہے، کہیں نہیں

یا ہم ہی ہم تھے کوئی نہ تھا اُن کی بزم میں
یا اک جہاں آج وہاں ہے ہمیں نہیں

اُن چتونوں کو دیکھ تو ناصح تڑپ ہی جا
بیدرد تیرے دل پہ یہ چھریاں چلیں نہیں

ایسا ہی جوشِ گریہ ہے تو ہجرِ یار میں
یا ہم نہیں زمین پہ یا یہ زمیں نہیں

بھرے ہی نتھے میں ہیں تبسم کی شوخیاں
یہ بجلیاں ابھی کسی دل پر گری نہیں

تو قابلِ سجود ہے اے میرے بے نیاز
پر قابلِ سجود کسی کی جبیں نہیں

فرماتے ہیں کہ آئیں تو زاہد ہمارے پاس
ہم اُن کی توبہ توڑنے کو نازنیں نہیں

شوخی کا ہاتھ اُٹھ گئے پکڑے شبِ وصال
اتنی بھی کام کی نگہِ شرمگیں نہیں

اے جان ابھی نہیں مری حسرت کا خاتمہ
پہلی نظر ہے یہ نگہِ واپسیں نہیں

تلواریں ایک چھوڑ کے دو دو کمر میں ہیں
اس بوجھ اُٹھانے کے لئے تم نازنیں نہیں

رویا جو میں وصال میں بولے ہٹا کے ہاتھ
آنسو کسی کے پوچھے یہ وہ آستیں نہیں

رسوا ہوا تو حشر میں اتنا کہونگا میں
بندوں میں تیرے کیا میں جہاں آفریں نہیں

آنسو سے آشنا نہیں شمعِ مزار بھی
اب کوئی میرے حال پر اندوہگیں نہیں

دل ناز اُٹھانے والوں کے کیا دیکھکر بڑھیں
ہر انجمن میں ناز ہے ناز آفریں نہیں

واعظ کو تم تو دیکھتے ہی ہنس پڑے امیر
باتیں تو ان بزرگ کی تم نے سُنیں نہیں

یادِ قاتل میں لہو سے جو ہوئیں تر پلکیں
بن گئیں طائرِ مذبوح کی شہپر پلکیں

کھینچتی ہیں دلِ بیمار پہ خنجر پلکیں
ناتواں پا کے چڑھا لاتی ہیں لشکر پلکیں

ہو بہو اس سے ہے انسان کی شرافت ثابت
مردمک آنکھ میں ہے آنکھ کے باہر پلکیں

گو رہیں بھی خلش خارِ محبت ہے وہی
آج تک دل میں کھٹکتی ہیں برابر پلکیں

نرگسی آنکھیں دکھاتے نہیں یہ لالۂ غدار
کھینچتے ہیں مجھے کانٹوں میں دکھا کر پلکیں

اثرِ سوزِ محبت نے دکھایا اعجاز
بہہ گیا آنکھ سے دریا نہ ہوئیں تر پلکیں

اہلِ بینش کو بہت سیرِ جہاں خوب نہیں
مردمِ چشم سے کہتی ہیں یہ جھک کر پلکیں

قتلِ عشاق سے باز آئینگی کھاتی ہیں قسم
طاقِ ابرو کی طرف ہاتھ اُٹھا کر پلکیں

چشمِ بد دور ہے کیا ظلم کی رسی بھی دراز
صاف بڑھ کر ہوئیں خمیازہ برابر پلکیں

چشمِ مخمور سے ٹوٹے کہیں انکا بھی خمار
ہیں اذیت کشِ خمیازہ برابر پلکیں

عیب اپنوں کا نہیں ہے سببِ کلفتِ دل
لاکھ اُڑے گردِ نظر ہوں نہ مکدر پلکیں

کیا ہی ہمسائے کو ہمسائے کی ایذا پہنچی بال
آنکھیں روئیں جو کھنچیں بال برابر پلکیں

ناتوانوں کو ترے دیگا فلک کیا گردش
گردشِ چشم سے کھاتی نہیں چکر پلکیں

آج آنکھوں کو جوانی میں یہ زیور ہیں امیر
گر کے ہو جائیں گی کل خس کے برابر پلکیں

عالمِ شگفتہ ہو جو میں آفت رسیدہ ہوں
صبحِ بہار ہوں جو گریبان دریدہ ہوں

مطلب کی سمت رُخ ہے مرا وہ رسیدہ ہوں
گویا قصیدے بیچ میں ہیں گریز قصیدہ ہوں

راغب مری طرف ہے کوئی دل کوئی گوش
بزمِ جہاں میں حرفِ مکرر شنیدہ ہوں

پیرِ صفا سے دل نے جو کھوئے ہیں میرے عیب
شرمندہ مثلِ زنگیِ آئینہ دیدہ ہوں

ماہی کی طرح ہے مجھے مرہم وہ آب تیغ
کیا مبتلائے دردِ گلو سے بریدہ ہوں

ضبطِ فغاں سکھاؤں میں او دو تکو ہوں جو خاک
شرمندہ پئے صدائے گلو سے بریدہ ہوں

چہرے پہ اُسکے مطلعِ ابرو کا ہے یہ قول
دیوانِ انوری کا میں مضمونِ چیدہ ہوں

ظلم جہاں نہ دورِ فلک کا مجھے خیال
دریا کے جوش میں نہ پُل آرمیدہ ہوں

اے اہلِ بزم مجھ کو اُٹھاؤ نہ بزم سے
شمعِ سحر ہوں عمرِ بپایاں رسیدہ ہوں

ہیں اور جتنے ہیں پیرِ مغاں دو ترے مُرید
لیکن وہ بدعقیدہ ہے میں خوش عقیدہ ہوں

مجروحِ تیغِ حسن ہوا کب خبر نہیں
یوسف کی جلوہ گاہ میں دستِ بریدہ ہوں

مارا ہے اہلِ کبر نے پردے میں عجز کے
میں بیخبر تو کشتۂ تیغِ خمیدہ ہوں

اب تک کسی پہ میری حقیقت نہیں کھلی
حرفِ ناگفتہ ہوں سخنِ ناشنیدہ ہوں

پیدا کیے کی شرم الٰہی ضرور ہے
تو آفریدگار ہے میں آفریدہ ہوں

صحرا کو کپڑے پھاڑ کے چلتا ہوں اے جنوں
پائے شکستہ ہوں نہ میں دستِ بریدہ ہوں

ہوں دشمنوں میں پر نہیں فریاد کی مجال
بتیس دانتوں میں میں زبانِ بُریدہ ہوں

بہتا ہے یادِ رُخ میں تو کہتا ہے طفلِ اشک
یوسف کے خاندان کا میں نُورِ دیدہ ہوں

مطلب خزاں سے کچھ نہ غرض ہے بہار سے
دونوں سے مثلِ سرو میں دامن کشیدہ ہوں

دیکھوں کسی کے عیب تو کیا خاک کہہ سکوں
ہاں غم سے آئینے کی طرح آبدیدہ ہوں

کہتا ہے مرغِ روح اجل سے ڈرا ہوا
صیاد میرے پیچھے ہیں صیدِ رمیدہ ہوں

بلبل ہوں میں نہ گل ہوں گلستانِ دہر میں
ہاں اک پرِ شکستۂ رنگِ پریدہ ہوں

شبنم کے لے امیر ملے ہیں مجھے نصیب
گل ہنس پڑیں چمن میں جو میں آبدیدہ ہوں

کس کے چمکے چاند سے رخسار قیصر باغ میں
چاندنی ہے سایۂ دیوارِ قیصر باغ میں

سبزۂ خوابیدہ کیسا آگیا جو خفتہ بخت
اُسکے طالع ہو گئے بیدار قیصر باغ میں

فی الحقیقت یہ بھی کم گلزارِ جنت سے نہیں
حوریں پھرتی ہیں سرِ بازار قیصر باغ میں

ہر روش پر چل رہی ہے ایسی صحت کی ہوا
چشمِ نرگس تک نہیں بیمار قیصر باغ میں

پاؤں کا یہاں ذکر کیسا صاف ہیں آئینے میں
دل پھسلتے ہیں دمِ رفتار قیصر باغ میں

بند جب ٹوٹیں شکستِ توبہ کی آئے صدا
لیں اگر انگڑائیاں میخوار قیصر باغ میں

لوٹتا پھرتا ہے یہ مارے خوشی کے صبح و شام
وجد میں ہے سایۂ دیوار قیصر باغ میں

یہ اشارہ نہر میں کرتی ہے ہر انگشتِ موج
سب کا ہو جائیگا بیڑا پار قیصر باغ میں

چار نغموں میں ہو سعدی کی گلستاں کا جواب
بلبلیں کھولیں اگر منقار قیصر باغ میں

زیرِ شاخِ گل اگر سبزہ کبھی سونے لگا
شورِ بلبل نے کیا بیدار قیصر باغ میں

اتنے پتے بھی نہ ہونگے گلشنِ فردوس میں
جس قدر پھولوں کے ہیں انبار قیصر باغ میں

تشنگانِ شوق ہیں شیریں لبوں کے میہمان
بٹ رہا ہے شربتِ دیدار قیصر باغ میں

قطرے شبنم کے رگِ گل پر دکھاتے ہیں بہار
گُندھ رہے ہیں موتیوں کے ہار قیصر باغ میں

کہہ رہی ہے یہ صنوبر قامتوں سے فاختہ
آؤ کبھی بہرِ علمبردار قیصر باغ میں

آتے آتے لب تلک بن جائے بُکّا نور کا
کھینچیے گر آہِ آتشبار قیصر باغ میں

نخلِ گل ہے ہر تماشائی زہے فیضِ بہار
پھول جھڑتے ہیں دمِ گفتار قیصر باغ میں

موجۂ مے کی نسیمِ صبح میں تاثیر ہے
بے صبوحی مست ہیں ہشیار قیصر باغ میں

اے دلِ مایوس بے برگی سے افسردہ نہ ہو
لائیگا نخلِ تمنّا بار قیصر باغ میں

دُور ہونگی کلفتیں مٹ جائینگی سب کاہشیں
لالہ ہے بے داغ گل بیخار قیصر باغ میں

سایۂ بالِ ہما کیا ڈھونڈتا ہے اے امیر
بیٹھ زیرِ سایۂ دیوار قیصر باغ میں

داغ اے بہار جیسے ہمارے بدن میں ہیں
اس رنگ و بو کے پھول کبھی تھے چمن میں ہیں

نالہ ذرا کرے تو سمجھ بوجھ کر کرے
بلبل سے کوئی کہدے کہ ہم بھی چمن میں ہیں

شیخِ حرم سے ملکے ہوا سخت انفعال
کتنے ذلیل ہم نگہِ برہمن میں ہیں

سینوں میں عاشقوں کے کہاں عاشقوں کے دل
کچھ زلف میں ہیں کچھ ترے چاہِ ذقن میں ہیں

اک عمر سیتے سیتے رفوگر کو ہو گئی
کیا جانے کتنے چاک مرے پیرہن میں ہیں

یاد آئیں کیوں قفس میں نہ گلشن کے ہم صفیر
غربت میں ہم ہیں یار ہمارے وطن میں ہیں

تھوڑا سا لطف اور بھی اے پنجۂ جنوں
دو چار تار اور ابھی پیرہن میں ہیں

آئے ہیں سب سمٹ کے تری صیدگاہ میں
اب کوہ پر ہیں کبک نہ آہو ختن میں ہیں

ہوں آبدیدہ درد کی باتیں نہ سن کے آپ
پہلو ہزار طرح کے اپنے سخن میں ہیں

پیاسی ہیں آب خنجرِ قاتل کی دیر سے
جتنی رگیں امیر ہمارے بدن میں ہیں

عزیز احباب ساتھی دم کے ہیں پھر چھوٹ جاتے ہیں
جہاں یہ تار ٹوٹا سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں

کڑی منزل ہے پیری دانت بھی سب ٹوٹ جاتے ہیں
قدیمی ساتھ یاروں کے یہیں تو چھوٹ جاتے ہیں

الٰہی کیا علاقہ ہے وہ جب لیتا ہے انگڑائی
مرے سینے میں سب زخموں کے ٹانکے ٹوٹ جاتے ہیں

ادا دل مانگتی ہے جان غمزہ اے شہِ خوبی
ترے کشور میں ہے اندھیر لوٹا لوٹ جاتے ہیں

عجب کانٹا ہے ساقی محتسب جب آ نکلتا ہے
تو سب جام و سبو چھالوں کی صورت پھوٹ جاتے ہیں

زمانے بھر میں ہے مشہور حال اخوانِ یوسفؑ کا
طمع دنیا کی وہ ہے جس سے بازو ٹوٹ جاتے ہیں

امیرِ زار کی تربت کو چھت سمجھے ہیں کیا گھر کی
یہ ماتم دار آ کر چھاتیاں کیوں کوٹ جاتے ہیں

منگا کر آئینہ مجھ تشنہ لب کو یاد کرتے ہیں
وہ ساحل کو بھی لیکر ساتھ دریا میں اترتے ہیں

شہیدِ عشق ہی جانتے ہیں جی سے کیا گزرتے ہیں
خدایا موت دے سب کو ہم اس مرنے پہ مرتے ہیں

مقام شرم ہے ہم ہجر میں جی سے گزرتے ہیں
پتنگے بھی تو رخصت شمع سے ہو ہو کے مرتے ہیں

یہاں آنکھوں میں دم ہے اب کوئی ساعت میں مرتے ہیں
قضا کہتی ہے جلدی کیا ہے آپ بنکے سنورتے ہیں

زمانہ ذرہ و خورشید سے آئینہ خانہ ہے
مگر اس پر بھی جب دیکھا وہ پردے میں سنورتے ہیں

ہمارے زخم بھرنا اور ہے جراح کیا جانیں
اگر بھرتے ہیں تو دم خنجرِ قاتل کا بھرتے ہیں

ہے بیدار دل جو عمر بھر مژدہ نہ جان اُن کو
برابر رات دن جاگے تھے اب آرام کرتے ہیں

دلِ پر آرزو کہتا ہے چلکر خضرؑ سے پوچھو
سفینے قلزمِ امید کے کس گھاٹ اُترتے ہیں

پھڑکنا اُن سے بسمل کا کبھی دیکھا نہیں جاتا
چھری دیتے ہیں جس کو پہلے اُسکے پر کترتے ہیں

خزاں غافل نہیں ہے اے جوانانِ چمن تم سے
نہیں اُڑتے ہیں پتے یہ اُسکے پیچھے گزرتے ہیں

کسے ہے ہوش فصلِ گل میں رخت نو بدلنے کا
بدن سے شاخِ گل پھٹ کے یہاں کپڑے اُترتے ہیں

نہیں چلتی ہے قینچی یہ چھری پھرتی ہے گلچیں پر
پر بلبل نہیں صیاد برگِ گل کترتے ہیں

تفاوت اسقدر ہے زاہدوں میں اور رندوں میں
کہ وہ کچھ دل میں لے رہتے ہیں یہ سب کہہ گزرتے ہیں

ذرا اتنی چاہ کر آبِ دمِ شمشیر قاتل کی
کڑا پانی ہے وہ گھونٹ اُسکے مشکل سے اُترتے ہیں

نئے گل پھول لتے ہیں اپنی آہِ حسرت سے ہر دم
جگر کے داغ دل کی چوٹ بن بن کر اُبھرتے ہیں

یہاں نہلا کے ہم کو دفن بھی احباب کر آئے
وہاں حمام سے فرصت نہیں ابتک نکھرتے ہیں

شمیم گل ہیں ہم بھی تم اگر بادِ بہاری ہو
جدھر چلتے ہو چلتے ہیں جہاں ٹھہرو ٹھہرتے ہیں

خضر کو ڈھونڈتا پھرتا ہے کیا مجنوں بیاباں میں
اِدھر آئے کہ ہم نے یہ طریقے خوب برتے ہیں

غضب ہے سامنا غصے میں اُن خونخوار آنکھوں کا
شکار شیر کرتے ہیں جو یہ آہو بپھرتے ہیں

کہاں انگور شیرازی کہاں یہ میکشِ ہندی
پہنچ رہتے ہیں وہ دانے جو قسمت میں اُترتے ہیں

برنگِ طائرِ تصویر امیر اڑنا کہاں ممکن
ہم اپنے آشیانے سے چمن میں کب اُترتے ہیں

پھڑک کر مرغ بسمل کی طرح عاشق جو مرتے ہیں
یہ مقتل میں عروسِ تیغ کے صدقے اُترتے ہیں

نکل جاتے ہیں وہ جس راہ سے بیچین کرتے ہیں
ہزاروں چٹکیاں لیتے ہیں جس دل میں گزرتے ہیں

لبوں پر آکے ہجرِ یار میں دم ضبط سے بولا
سلامت بیقراری ہم کہیں گھٹ گھٹ کے مرتے ہیں

لیا تو میں نے بوسہ خنجرِ قاتل کا مقتل میں
اجل شرما گئی سمجھی کہ مجھ کو پیار کرتے ہیں

میں اس شوخی پہ صدقے ہوں کہ مجھ سے بزم میں پوچھا
یہ سب نو مشق ہیں مجھ پر آپ کیسے کس تہ مرتے ہیں

تسلی خاک ہو وعدوں سے ان کی جستجو نہیں ظالم
اشاروں سے یہ کہتی ہیں کہ دیکھو اب مکرتے ہیں

ہماری جان تم ہو وہ ہماری جان کا دشمن
تمہارے دوست ہیں ہم اسلیئے دشمن سے ڈرتے ہیں

میں کہتا ہوں تمھیں نے دل لیا میرا تو کہتے ہیں
کہ ہاں ہاں لے لیا اچھا کیا ہم کب مکرتے ہیں

حسینوں کی تعلی ہے سبب محبوب ہونے کا
جو چڑھ جاتے ہیں نظروں پر وہی دلمیں اترتے ہیں

بڑے رستم ہیں تیر چشم و ابرو دیکھنے والے
نہ خنجر سے جھپکتے ہیں نہ وہ قاتل سے ڈرتے ہیں

بتوں کے چاہنے والوں میں بھی ہے شان محبوبی
قضا مرتی ہے اُن پر جو ادا پر اُنکی مرتے ہیں

نہ رحم آجائے قاتل کو جو رُک جائے کہیں خنجر
نگاہِ حسرت آگیں ہم اثر سے تیرے ڈرتے ہیں

خبر ہم سخت جانوں کی وہ سُنکر طنز سے بولے
کوئی مرنے کی حد بھی ہے نہیں چکتے ہیں مرتے ہیں

سلیماں ہم کو یاد چشم و گیسو نے بنایا ہے
ہمارے گھر میں شب بھر تخت پریوں کے اُترتے ہیں

ہمیں بیتابیاں خط یار کو لکھنے نہیں دیتیں
جگر سے جب اُٹھاتے ہیں تو دل پر ہاتھ دھرتے ہیں

شباب اُن کا غضب ہے ہاتھ پڑتا ہے جو سینے پر
نکلجاتا ہے منہ سے مار ڈالا ہائے مرتے ہیں

شب وصلت بھی یہ عالم ہے میری بیقراری کا
تڑپ جاتے ہیں وہ دلبر جو میرے ہاتھ دھرتے ہیں

کبھی مد نظر گر عاشقوں کا قتل ہو تم کو
ہمیں بھی یاد رکھنا ہم بھی تم کو پیار کرتے ہیں

برنگ نبض چلنے سے ہیں لپٹے دست و پا چلتے
ٹھہر جاتا ہے سارا قافلہ جب ہم ٹھہرتے ہیں

بڑی ہیں پاکبازان محبت رشک سے دیکھو
جو تم کو پیار کرتے ہیں ہم اُن کو پیار کرتے ہیں

امیر اُس جان کے دشمن سے تم کو ڈر نہیں لگتا
دھڑکتے سے تم اُسکے منہ پہ کہتے ہو کہ مرتے ہیں

دبا پایا جو ہے ہم کو تو یہ بھی ظلم کرتے ہیں
ہماری قبر کے تختے بھی اب ہم سے برتے ہیں

عدم کے جانیوالے راستے میں کب ٹھہرتے ہیں
جہاں یہ نکلے گھر سے جا کے منزل پر اُترتے ہیں

پھروں میں گر دنو وہ ڈر کے کچھ خیرات کرتے ہیں
مرے قربان ہونے پر وہاں صدقے اُترتے ہیں

عجب پردہ ہے پردہ شرم عصیاں کا دم آخر
اسی پردے میں ساری عمر کے بگڑے سنورتے ہیں

مریض عشق ہو سچا تو یہی طرفہ تماشا ہے
ہوئے بیمار تو ہم اور پرہیز آپ کرتے ہیں

خیالِ یار و ابرو میں جو یادِ چشمِ ساقی ہے
حرم میں بیٹھے بیٹھے میکدے کی سیر کرتے ہیں

رٹی ہیں اُن کی آنکھیں آئنے میں خطِ عارض سے
غزالانِ حرم فردوس کے سبزہ میں چرتے ہیں

مرا خط پھینک کر قاصد کے منہ پر طنز سے بولے
خلاصہ سارے اِس طومار کا یہ ہے کہ مرتے ہیں

پڑے ہیں ابرو دل پر بل یہ کیوں مدِ نظر کیا ہے
یہ دُہرے دُہرے خنجر آپ کس پر تیز کرتے ہیں

تسلی دل کو ہم دیتے ہیں کیفِ چشمِ ساقی سے
شرابِ حسن لیکر عشق کے ساغر میں بھرتے ہیں

مدد اے آبِ خنجر رحم کر ان تشنہ کاموں پر
نہ اُنکی پیاس مرتی ہے نہ یہ پیاسے ہی مرتے ہیں

نہ مہر اُس گل کا ہمسر ہے نہ ماہ اُسکے برابر ہے
ہیں دونوں ایک ہی سے کچھ ذرا چڑھتے اُترتے ہیں

چلے ہی جاتے ہیں پیکِ نفس اک عمر گذری ہے
نہ منزل ہے کہیں انکی نہ رستے میں ٹھہرتے ہیں

ہیں کسکی دید کا طالب ہیں کس کے وصل کا خواہاں
یہ کسکی حسرتیں ہیں آپ جن کا خون کرتے ہیں

نہ اتنا محتسب کا خوف ہے ہم کو نہ قاضی کا
کہیں توبہ نہ میخانے میں کرلے اُس سے ڈرتے ہیں

اُنہیں کا مال تھا اچھا کیا دل لے لیا میرا
کوئی چھینے نہیں لیتا ہے اُنسے کیوں مکرتے ہیں

بھرا ہے حسرتوں سے دل کہاں داغوں کی گنجائش
یہ سب ارمان ہیں جو داغ بن بن کر ابھرتے ہیں

مستی کی نہ میخانے میں حاجت ہے نہ مطرب کی
شکستِ توبہ کی آواز پر ہم وجد کرتے ہیں

ابھی اے جان تونے مرنیوالوں کو نہیں دیکھا
جیے ہم تو دکھا دیں گے کہ دیکھو اسطرح مرتے ہیں

یہ اپنے داغ ہیں دن رات جن کا ایک عالم ہے
ستارے ڈوبتے ہیں دن کو راتوں کو ابھرتے ہیں

وہ سر سے پاؤں تک تصویر ہیں بیساختہ پن کی
سنورنے سے بگڑتے ہیں بگڑنے سے سنورتے ہیں

دمِ آرائش آئینہ جو دیکھا ناز سے بولے
اُدھر یہ کون میری لاگ پہ بیٹھے سنورتے ہیں

قیامت دورِ تنہائی کا عالم روح پر صدمہ
ہمارے دن لحد میں دیکھیے کیونکر گذرتے ہیں

بجز رکھدیتی ہے شانہ آئنہ تنگ آکے مشاطہ
ادائیں بول اُٹھتی ہیں کہ دیکھو یوں سنورتے ہیں

خیال آتا ہے پیری میں جوانی خواب تھی گویا
پلک پیچھے جھپکتی ہے یہ دن پہلے گذرتے ہیں

کیا ہے نام کیا اُستاد کا روشن خدا رکھے
امیر اُستادزادوں پر ہم اپنے فخر کرتے ہیں

حباب آسا محیطِ عشق سے جو پار اُترتے ہیں
گزر جاتے ہیں پہلے سر سے پیچھے پاؤں دھرتے ہیں

لگاتے ہیں جو سرمہ آئنے کو دُور دھرتے ہیں
ستم دیکھو وہ اپنی چتونوں سے آپ ڈرتے ہیں

تصور میں اُڑا کر رنگِ رُخ نیرنگ کرتے ہیں
کہ تصویرِ خیالی میں تری ہم رنگ بھرتے ہیں

بتو اہلِ حرم بیجا نہیں تم کو بُرا کہتے
برہمن ہی کا گھر بھرتے ہو جب صدقے اُترتے ہیں

نہیں ہے دیر سے خورشید کی وہ گرم بازاری
ہوا ہے دھوپ کا منہ زرد شاید وہ نکھرتے ہیں

پسند آیا انہیں مجھ کو اسی کا شکر کیا کم ہے
کہ شکوہ لیکے بیٹھوں آپ دل لیکر مکرتے ہیں

مرے سینے پہ مقناطیس تیرا ہاتھ ہے اے بُت
کہ جتنے دل میں پیکاں جمع ہیں وہ سب اُبھرتے ہیں

شبِ غم میں رہے جیتے بُرا ہو سخت جانی کا
نہ آئی موت اس غیرت کے مارے ہم تو مرتے ہیں

جواب اعضا ہمیں دیتے ہیں کیسا ضعفِ پیری میں
جدائی کی تو ہم اُن سے نہیں درخواست کرتے ہیں

چمن کی سیر ہی چھوٹی تو پھر جینے سے کیا حاصل
گلا کاٹیں مرا صیاد پر ناحق کترتے ہیں

چل اے بادِ بہاری اک ذرا آہستہ آہستہ
کہ وہ مجھ سے اُلجھتے ہیں جو اُنکے بکھرتے ہیں

لب ایسے جانفزا خط کا یہ رنگ اس قہر کی آنکھیں
مسیح و خضر و عزرائیل تینوں تم پہ مرتے ہیں

تصور میں بھی منہ چوموں تو اڑ جاتا ہے رنگ اُنکا
بلائیں خواب میں بھی لوں تو بال اُنکے بکھرتے ہیں

قیام اس بحرِ طوفاں خیز دنیا میں کہاں ہمدم
حباب آسا ٹھہرتے ہیں تو کوئی دم ٹھہرتے ہیں

جھجک جاتے ہیں وہ سائے سے اپنے روزِ روشن میں
اندھیری رات میں زلفوں کے لہرانے سے ڈرتے ہیں

دکھایا انقلابِ تازہ عالم کے حوادث نے
جو مرتے ہیں وہ جیتے ہیں جو جیتے ہیں وہ مرتے ہیں

بہت سنبل چمن میں آج پیچ و تاب کھاتا ہے
کسی محبوب کے شاید کہیں گیسو سنورتے ہیں

امیر اوّل سرِ اشرف ہدف ہے تیرِ آفت کا
شکار انداز پہلے مرغ کے شہپر کترتے ہیں

بخت ایسے کہاں ہیں جو کروں یار سے باتیں
کرتا ہوں میں شب بھر در و دیوار سے باتیں

کیا سمجھیں ہم اس آنکھ کا ایماسرِ نرگس
بیمار نے کیں راز کی بیمار سے باتیں

اقبال سکندر سے مرے لڑ گئے طالع
ٹھٹک اُنکے نہ وعدے ہیں ٹھٹک اُنکی مدارات
ڈرتا ہے یہ وحشی ابھی آواز سے تیری

حسن ہو نہیں اُس آئنہ رخسار سے باتیں
دو چار سے گھاتیں ہیں تو دو چار سے باتیں
صیاد نہ کر مرغ گرفتار سے باتیں

کیا دھیان امیر آیا کہ وہ ہٹ گئے پیچھے
جھک جھک کے جو ہم کرنے لگے پیار سے باتیں

شوخی تھی قیامت تری مستانہ ادا میں
چھوڑا ہے شگوفہ یہ نیا ناز و ادا میں
شرمائی ہوئی چتونوں پر اُسکی نہ جانا
بیمار محبت نے کبھی منہ نہ لگایا
اس ڈر سے وہ پامال نہیں کرتے ہیں مجھ کو
کہتی ہے شب وصل یہ چتون کی شرارت
جوہر جو تغافل کے ازل میں ہوئے تقسیم
دل ایک خریدار ہیں دو خیر ہو یارب
کتنا ہے جوانی میں یہ اُس شوخ کا جوبن
مشکل ہے مسیحا کو اب جان بچانا
کس طرح نہ ہو ناز مجھے عجز پر اپنے
آنے کا نکیرین کو رستہ نہیں ملتا
احباب کے ماتم میں کٹی عمر ہماری
عکس آئنے میں اُن سے یہ کہتا ہے کہ اے شوخ
شرماتے ہیں جب وصل میں وہ مجھ سے تو شوخی
مانگی جو دعا میں نے ندا عرش سے آئی

فتنوں نے قدم چوم لیے لغزش پا میں
اک شاخ تغافل کی لگادی ہے جفا میں
شوخی کبھی چھپی بیٹھی ہے پہلو سے حیا میں
تاثیر کھلی جاتی ہے اس غم سے دوا میں
ملجائے نہ دل اُس کے کہیں رنگ حنا میں
آج آگ لگا دو نگی میں دامن حیا میں
کچھ میری قضا میں گئے کچھ تیری ادا میں
چل جائے کہیں آج نہ شوخی و حیا میں
ہم سے نہ رہا جائیگا اس تنگ قبا میں
نکلی ہے قضا چھپ کے حسینوں کی ادا میں
وہ چیز ہے یہ جو نہیں درگاہِ خدا میں
کیا حوروں کے مجمع سے ہیں مزار شہدا میں
ہم سا کفنوں کے رونے کو آتے تھے سرا میں
پورا ترا شاگرد ہوں میں جور و جفا میں
لے لیتی ہے چٹکی دو ہیں پہلو سے حیا میں
تاثیریں گئیں سب ترے دشمن کی دعا میں

کیونکر نہ امیر اس سے تر و تازہ ہوں ریٔ ہیں
پھولوں کی ہے بو دامن گلچیں کی ہوا ہیں

قابلِ عفو میں آلودۂ عصیاں ہو لوں
اے اجل صبر کر اتنا کہ پشیماں ہو لوں

پھر وہی میں ہوں وہی جامۂ عریٔ وحشت میں
پہلے واعظ سے ذرا دست و گریباں ہو لوں

پھر کے پتلی نے دم نزع کہا قاتل سے
مرتے مرتے ترے ہاتھوں پہ میں قرباں ہو لوں

آنے دیگی مجھے پھر کاہیکو وحشت سوے شہر
رخصتِ احباب سے اے شوقِ بیاباں ہو لوں

ابھی لیچل نہ گلستاں سے چھپا کر صیاد
ہمصفیروں میں ذرا رہ کے خوش الحاں ہو لوں

مرہمِ زخم جو لائی وہ زبانِ شیریں
لبِ خنداں نے کہا میں نمک افشاں ہو لوں

نیم جاں کر کے مجھے چھوڑ دے دم بھر قاتل
خاک میں خون میں جی کھول کے غلطاں ہو لوں

قدر راحت کی پس رنج ہے دنیا میں امیر
تب چلوں باغ کو جب قیدیٔ زنداں ہو لوں

باعث تڑپ کا شوخ ستمگر سے کیا کہیں
دل تو ہی کچھ بتا دے کہ دلبر سے کیا کہیں

اس بت کے جور خالقِ اکبر سے کیا کہیں
آپس کی چھیڑ داورِ محشر سے کیا کہیں

غم نے ترے نچوڑ لیا سر سے پاؤں تک
رگ رگ پکارتی ہے کہ نشتر سے کیا کہیں

شرم آتی ہے گناہوں سے اے پردہ پوشِ خلق
محشر میں جا کے شافعِ محشر سے کیا کہیں

خالق ہی جب نہ دے تو گلہ آسماں سے کیا
ساقی نہ منہ لگائے تو ساغر سے کیا کہیں

واقف دلوں کے بھید سے ہے آخر بدگار
آئینے اپنا حال سکندر سے کیا کہیں

بگڑا ہوا وہ آپ ہے اس کا تصور کیا
بگڑیں کبھی ہم اگر تو مقدر سے کیا کہیں

سارے بدن میں اب نہ لہو بوند بھر نہیں
سوکھی زبان دکھائے تو خنجر سے کیا کہیں

ٹھہرا ہے روز حشر پہ دیدار یار کا
اللہ حشر تک دل مضطر سے کیا کہیں

دل پیچ و تاب میں ہے تو قسمت کے پیچ سے
وہ بے خطا ہے زلفِ معنبر سے کیا کہیں

ملتا نہیں مکاں سے تا لا مکاں پتا
ہم کیا ہوئے نکل کے ترے گھر سے کیا کہیں

کہنے کی بات ہو تو کسی سے کہے کوئی
دل تم نے لے لیا ہے یہ دلبر سے کیا کہیں

کعبہ نشیں سنیں تو کہیں اس سے درد دل
کعبے میں اینٹ چھونے سے پتھر سے کیا کہیں

قسمت سے سامنا کبھی ہوتا بھی ہے اگر
پہروں ہی سوچتے ہیں کہ دلبر سے کیا کہیں

پیاسے شراب وصل کے ہیں ہم تو اے امیر
شرم آتی ہے کہ ساقی کوثر سے کیا کہیں

محبت کے جو داغ ڈالے ہوئے ہیں
ابھر کر وہی دل میں چھالے ہوئے ہیں

یہ بت سب مرے دیکھے بھالے ہوئے ہیں
تصور کے سانچے میں ڈھالے ہوئے ہیں

خوشامد جو کی میں نے جوبن کی بولا
ارے یار ہم بھی نکالے ہوئے ہیں

نہ کر بے نیازی سے تو خون ارمان
کہ سب تیرے ناز ہی کے پالے ہوئے ہیں

کبھی خون سودائیوں کا گرا تھا
اچھل کر وہی قطرے لالے ہوئے ہیں

ہرن کب ہیں غصے میں آنکھیں تمہاری
یہ دو شیر آنکھیں نکالے ہوئے ہیں

بلا کا بلا نوش ہے دل ہمارا
غم دو جہاں دو نوالے ہوئے ہیں

زمانہ قضا کے حوالے ہے اور ہم
تمہاری ادا کے حوالے ہوئے ہیں

بتوں کا تصور جو ان کو نہیں ہے
تو بت کیوں یہ اللہ والے ہوئے ہیں

گراتے ہیں کیا بجلیاں بھر کے سسکی
تڑپ کر وہ تڑپانے والے ہوئے ہیں

یہ ہیں توڑنے والے کے ہاتھ ٹوٹیں
بہت دل شکستہ پیالے ہوئے ہیں

لپیٹے ہیں چوٹی میں بار اس پری نے
جو کالے تھے اب کوڑیالے ہوئے ہیں

جو آنا ہے تو نزع میں جلد آؤ
سنبھالے ابھی کچھ سنبھالے ہوئے ہیں

نہ تھی کوچہ گردی نہ صحرا نوردی
یہ رستے ہمارے نکالے ہوئے ہیں

پیالے کہاں وصل کے میکدے ہیں
کف دست ساقی پیالے ہوئے ہیں

یہ لپٹے ہیں گیسو کہ اے بُت کنہیا
کمر میں تری ہاتھ ڈالے ہوئے ہیں

چلی ہے دلہن بن کے کیا تیغ قاتل
عروس اجل کے یہ چالے ہوئے ہیں

امیر ایسے روئے ہیں ہم میکدے میں
لہو سے لبالب پیالے ہوئے ہیں

ستارے مرے دیکھے بھالے ہوئے ہیں
یہ سب گیند اُنکے اُچھالے ہوئے ہیں

یہ موئے مژہ بھی ہیں جادو کے پُتلے
کہ جب دل میں آئے ہیں بھالے ہوئے ہیں

مرا ضبط کہتا ہے مجھ سے کہ کہہ دو
اُٹھے درد ہم دل سنبھالے ہوئے ہیں

یہ تلواریں کس کے گلے پر چلیں گی
کہ بل تیوریوں پر وہ ڈالے ہوئے ہیں

اِدھر ضعف اُدھر ضبط تڑپوں میں کیونکر
یہ شہ زور دونوں سنبھالے ہوئے ہیں

اِدھر یار سے ہم اُدھر آسماں پر
اثر سے ہم آغوش نالے ہوئے ہیں

زہے ضبط سینے میں دم گھٹ رہا ہے
مگر دل ہم اب تک سنبھالے ہوئے ہیں

ہرن چوٹ کرتے ہیں تیور تو دیکھو
حسین ہم پر آنکھیں نکالے ہوئے ہیں

عجب بیخودی صحبت وصل میں ہے
وہ ہم کو ہم اُن کو سنبھالے ہوئے ہیں

چمن میں یہ پھولوں نے کیا گل کھلایا
کہ بلبل کو جینے کے لالے ہوئے ہیں

الٰہی یہ کس کے لہو کے ہیں پیاسے
کہ خنجر زبانیں نکالے ہوئے ہیں

کوئی کیچلی میں ہے ناگن کہ یارب
وہ چپکے کا موباف ڈالے ہوئے ہیں

سُنا ہے جو بے آب دشت جنوں کو
تو چھاگل لیے ساتھ چھالے ہوئے ہیں

جگر دل کو دل روکتا ہے جگر کو
یہ بسمل کو بسمل سنبھالے ہوئے ہیں

پئیں شیخ جی بیدھڑک ان میں پانی
یہ سب جام مے سے کھنگالے ہوئے ہیں

ہوا میں عجب حسن ہے گیسوؤں کا
پری اُڑ کے پر دار کالے ہوئے ہیں

امیر ان سے کیا کیا لپٹتے ہیں شب بھر

رقابت میں یکہ

ذرا چلمن تک آئیں گھر میں وہ کیا بنکے بیٹھے ہیں

اٹھیں وہ مجمع اغیار میں کیا بنکے بیٹھے ہیں

عجب ساتے کیا کیا نئے گھر بنکے بیٹھے ہیں

ملا کر خاک میں بھی ہائے شرم اُن کی نہیں جاتی

ہمارے دوست کے پہلو میں جب بیٹھا ہو وہ جبکر

نمود حسن دونی ہو گئی ہے خود نمائی سے

بگاڑینگے ہزاروں گھر بناوٹ کی اداؤں سے

وہ میرا مال لیکر کیا مرے دشمن کو دیدینگے

کسی کو تو نے تاکا چوٹ آئی میرے ہی دل پر

اڑا لیجاتے ہیں عاشق کے دلکو سینہ زوری سے

نگاہ شوق اپنی پردہ در ہے کچھ نہیں کھلتا

تری دھن میں جو آیا آفتاب حشر بھی سر پر

علاقہ میرے دشمن سے نہیں جاتا نہیں جاتا

یہ کہتے آئینہ خانے سے اُٹھ بھاگے وہ گھبرا کر

ہے ہیں وصل میں کیا کیا نیاز و ناز کے جھگڑے

دکھاتے ہیں عدم کی راہ اُن کے مردم دیدہ

بگڑ کر جب وہ اُٹھے ہیں تو دل بیٹھے ہیں لاکھوں کے

بڑے ہی قدرداں کانٹے ہیں صحرائے محبت کے

ترے دروازے پر غنچہ نہیں نظارہ بازوں کا

چھڑانا جان کا مشکل ہے کانٹوں سے ہمالق کے

نہیں اے ماہ وش یہ آسمان پر جا بجا تارے
پتنگے کچھ تری شمع رخ روشن کے بیٹھے ہیں

یہ کیا بے وقت کی لے حضرت دل آپ کو سوجھی
اُٹھے ہیں روٹھ کر آپ جب وہ منکے بیٹھے ہیں

سفر کی منزل ہے بوڑھے ہونگی جو موت آئے تو بیٹھے ہو
کھٹکے ماندے مسافر منتظر رہزن کے بیٹھے ہیں

امیر اچھی غزل ہے داغ کی جس کا یہ مصرع ہے
بھویں تنتی ہیں خنجر ہاتھ میں ہے تنکے بیٹھے ہیں

مفت وہ کس کی جان لیتے ہیں
دے کے منہ میں زبان لیتے ہیں

آزمائش میں جان لیتے ہیں
خوب آپ امتحان لیتے ہیں

ناتوانی سے ہم حسینوں میں
چھانٹ کر دھان پان لیتے ہیں

فقرے فقرے میں دل پہ ہر پیچ ٹیں
باتوں باتوں میں جان لیتے ہیں

وصل میں کچھ نہیں نہیں ہی نہیں
مانتے ہیں تو مان لیتے ہیں

پیر ہوتے ہیں جو شباب کے بعد
تیر سے کر کمان لیتے ہیں

طعنے دیتے ہیں عشق میں بے مہر
چٹکیاں مہربان لیتے ہیں

سوز دل اُس پری سے کہنے کو
شمع سے ہم زبان لیتے ہیں

دختر رز کی جو بات آتی ہے
مفتی خوب چھان لیتے ہیں

کس سے سیکھے ہیں ظلم پوچھ تو
کس کا نام آسمان لیتے ہیں

ساتھ مستوں کے مفت میں قاضی
دختر رز کو سان لیتے ہیں

لب میگوں و خط سبز کے مست
مے میں سبزی کبھی چھان لیتے ہیں

ہر قدم پر بہ رنگ نقش قدم
وہ ترے ناتوان لیتے ہیں

وصل میں بھی جھجک نہیں جاتی
پھیر کر منہ وہ پان لیتے ہیں

کیوں سراپا شباب ہوا معشوق
سارے عالم کی جان لیتے ہیں

میکشوں کو عروج مستی میں
ہاتھوں ہاتھ آسمان لیتے ہیں

ہم سند کے لئے لغت میں امیر
فصحا کی زبان لیتے ہیں

وصل میں یوں وہ جان لیتے ہیں
ضبط کا امتحان لیتے ہیں

دل کو تو لیتے ہیں جان پوچھ کے پھر
بنکے انجان جان لیتے ہیں

دل نہ بچے کس طرح حسینوں سے
ملکے سب چھین چھان لیتے ہیں

نہیں ساقی یہ قلقل مینا
ہچکیاں نیم جان لیتے ہیں

میری ہر بات پر ہیں سو سو عذر
غیر کی خوب مان لیتے ہیں

ہوگئے برباد تیرے خانہ خراب
لامکاں میں مکان لیتے ہیں

ہائے کیا دلبری کی ہیں گھاتیں
دم دلاسے میں جان لیتے ہیں

یہ ملا اوج خاکساری سے
کہ قدم آسمان لیتے ہیں

نقد دل دیکے مصر حسن سے ہم
کیا نکیلا جوان لیتے ہیں

چھوڑتے ہیں وہ سینے میں پیکاں
دلدہی کرکے جان لیتے ہیں

ہر گلوری پہ چھیڑ ہے شب وصل
ہم یہ رخصت کا پان لیتے ہیں

دہن زخم چوستے ہیں وہ تیغ
کیا مزے بے زبان لیتے ہیں

پھیر دیں دل نہیں جو اُن کو پسند
کیوں غریبوں کی جان لیتے ہیں

چوم کر خط و رُخ کو اُس گل سے
اُلٹے ہم پھول پان لیتے ہیں

مردم دیدہ پہلے گرد نظر
سات پردوں میں چھان لیتے ہیں

تب مزہ دیکھ بھال کا تیری
دُور سے میری جان لیتے ہیں

تاک کر دل مرا کہا کہ امیر
ہم تو ایسا جوان لیتے ہیں

غش ہیں گر لخلخۂ زلف سنگھانے بھی نہیں
جائیے جائیے ہم آپ میں آتے بھی نہیں

بُت بنے بیٹھے ہیں کچھ بات بتاتے بھی نہیں
اور یہ غصہ کہ میں روٹھا تو مناتے بھی نہیں

کچھ وفا کچھ ہے حیا جان ہے کس مشکل میں
دل سے جاتے بھی نہیں آنکھوں میں آتے بھی نہیں

نیمجان کرکے مجھے سر پہ کھڑے ہیں چُپکے
ہاتھ اُٹھاتے بھی نہیں ہاتھ لگاتے بھی نہیں

روٹھنا روز کا ٹھہرا ہے تو یہ سُن رکھیے
روز کے روٹھنے والے کو مناتے بھی نہیں

آگے آئینے کے بیٹھے ہیں جُھکائے آنکھیں
چوٹ کھاتے بھی نہیں چوٹ لگاتے بھی نہیں

اپنے پہلو میں بٹھاتے نہیں عاشق کو مگر
بیٹھ جائے تو مروت سے اُٹھاتے بھی نہیں

اُن نگاہوں سے جوانی میں حیا کہتی ہے
جاؤ اب پردے میں ہم تم کو بٹھاتے بھی نہیں

نکلے ہی پڑتے ہیں محرم سے اُچکے دیکھو
شرم کی بات ہے تم اُن کو دباتے بھی نہیں

جی دھڑکتا ہے کہ چوری نہ ہو دل کی ثابت
منھ سے انکار بھی ہے آنکھ ملاتے بھی نہیں

پرسشِ حشر میں چوکے تو وہ مجھ سے بولے
تم کھڑے دیکھتے ہو اور بتاتے بھی نہیں

ہیچ ہیں حور و پری لیلیٰ و شیریں کیسی
ایسے ویسوں کو تو وہ دھیان میں لاتے بھی نہیں

ہنس ہی دیں دیکھ کے رونا نہ کریں ہمدردی
مجھ کو رونا تو یہی ہے کہ رُلاتے بھی نہیں

آ کے تربت پہ مری کہتے ہیں لو اُٹھ بیٹھو
اب تو لذت ہوئی ہم تم کو ستاتے بھی نہیں

پھیر دو دل جو نہیں دیتے ہو بوسہ یہ کیا
مال پر لوٹ بھی ہو دام لگاتے بھی نہیں

نازکنا ہے کہ جان اُسکی ہو تم جی نہ اُٹھے
مارے اس ڈر کے جنازے پہ وہ آتے بھی نہیں

زاہد و حق تو یہ ہے تم ہو بڑے بے توفیق
اپنے مہمان کو دو گھونٹ پلاتے بھی نہیں

جب سے عاشق کے ہوئے پھول پہننا کیسا
کپڑے وسواس سے پھولوں میں دباتے بھی نہیں

لطف مرنے کا دکھائیں کسے فرقت میں امیر
نہیں آتے وہ تو ہم جان سے جاتے بھی نہیں

اے جوشا غم ہوئی اُلجھن جو سرِ مو دل میں
بڑھتے بڑھتے وہی آخر ہوئی گیسو دل میں

انکھڑیاں تیری ہیں نظروں میں مری نعل دل میں
سیر ہے آنکھوں میں پریاں ہیں پرِ پرِیدل میں

واں اب ڈالیگا خالِ ترا ابرو دل میں
جال لائے ہیں پھانسنے کو وہ گیسو دل میں

ضعف ایسا ہے کہ آیا مجھے غش جب آیا
کوئی پہلو کے بدلنے کا بھی پہلو دل میں

گرمیاں کر کے رُلاتے ہو مجھے یاد رہے
چھالے ڈالینگے یہ جلتے ہوئے آنسو دل میں

جوڑ پورا دلِ صد چاک کا ہوا چھا ہے
ساتھ شانے کو بھی لے آئیں وہ گیسو دل میں

ہجر میں ہوش نہیں صبر نہیں تاب نہیں
اٹھ بھی اے دردِ دل اب کیوں ہے پڑا تُو دل میں

کرتی ہے آنکھ تری داغِ محبت پیدا
گُل کھلاتی ہے تری نرگسِ جادو دل میں

طرفہ سانچا ہے غم و دردِ محبت جس سے
ڈھلتے ہیں آٹھ پہر موتی سے آنسو دل میں

ہوگئے مست سب اُٹھی جو ترے رُخ سے نقاب
رنگ اس پھول کا آنکھوں میں گیا بُو دل میں

ہے نگہ تیرِ ادا تیرِ بلا تیرِ قضا
دل ہے پہلو میں مرے تیر ہیں سو پہلو دل میں

ناوکِ ناز ہے آواز تری چھاگل کی
اے پری بن گئے پیکاں ترے گھنگرو دل میں

کرتے ہیں اپنے تصور کے مکاں کی زینت
دو دو آئینے لیے آئے ہیں زانو دل میں

دل سے جلتی ہوئی آنکھوں نے جو مانگا پانی
ضبطِ اُلفت نے کہا قید ہیں آنسو دل میں

کھینچکر سرمے کا دنبالہ دکھائی مجھے آنکھ
پھر گئی کوکبِ دُمدار کی جھاڑو دل میں

ناز انداز ادا غمزہ کرشمہ شوخی
لیکے آیا ہے پریخانہ پریرو دل میں

کہتے ہیں تیر و کمان دونوں ہیں تیرے میرے پاس
جھوٹی باتیں ہیں نہ مژگاں ہے نہ ابرو دل میں

اب خدا حافظ و ناصر ہے مرے ارمانوں کا
پھانسیاں لیتے ہوئے آئے ہیں گیسو دل میں

پڑ گئی جان جو آیا تری افشاں کا خیال
سارے آہوں کے شرر بن گئے جگنو دل میں

ناوکِ ناز و ادا کا ترے اللہ رے ادب
حسرتیں جتنی ہیں بیٹھی ہیں دو زانو دل میں

کونسی چیز ہے معشوق کو عاشق سی عزیز
مژہ دل میں ہے نگہ دل میں ہے ابرو دل میں

آنکھ اُس آنکھ سے دیکھو نہ مقابل ہو امیر
اسی کھڑکی سے اُتر آتا ہے جادو دل میں

طرفہ آیا ہے پہنچنے کا یہ پہلو دل میں
تیر جاتے ہیں چھری بن کے وہ ابرو دل میں

چھوٹے ہوتی جو سمجھتا ہے انہیں تو دل میں
اور اس غم سے گھلے جاتے ہیں آنسو دل میں

غمزہ اُس شوخ سے کہتا ہے ادا سے اُسکی
چٹکیاں لوں میں کلیجے میں تو لے تو دل میں

حکم ہے ضبطِ محبت کا کہ ہو راز نہ فاش
آ گئے آنکھوں میں پلٹ جاتے ہیں آنسو دل میں

شوخی اُس شوخ کی آنکھوں کے تصور میں بھی ہے
پھرتے ہیں چوکڑیاں آ کے یہ آہو دل میں

ڈیوڑھی سے شاہ نشیں تک ہے مہک پھولوں کی
آنکھوں میں وہ گلِ رخسار ہوں خوشبو دل میں

سلسلہ دیکھئے اشکوں کا یہاں آ بیٹھو
خوب آتی ہے نظر سیرِ لبِ جو دل میں

خالی معشوق سے عشاق کہیں رہتے ہیں
دھیان تیرا ہے جو اے یار نہیں تو دل میں

سرو گلزار سے فردوس سے طوبیٰ اکھڑے
پرچھائی رہے وہ قامتِ دلجو دل میں

طفلِ اشک اُٹھ کے جو دوڑیں تو سنبھالے اُنکو
اب تو اتنا بھی نہیں ضعف سے قابو دل میں

ہو چکا حسرت و ارماں کا تو خون اے قاتل
کس پر اب کھنچتے ہیں چھریاں ترے ابرو دل میں

نکل اے یاس کہ ہے وصل میں ارماں کا ہجوم
اب جگہ اتنی جگہ نہیں ہے کہ رہے تو دل میں

ایک ایک ان میں شرارہ تھا جہنم کا امیر
آگ لگ جاتی جو رہ جاتے یہ آنسو دل میں

وہ رخ و زلف نہ تڑپائیں یہ ممکن ہی نہیں
ہائے راتیں بھی قیامت ہیں فقط دن ہی نہیں

رنگ پیری میں جوانی کے ہوں ممکن ہی نہیں
پھولنے پھلنے کی اب آن ہی نہیں سن ہی نہیں

دیکھیے محکمۂ حسن سے کیونکر ہو نجات
مجرمِ عشق ہوں میرا کوئی ضامن ہی نہیں

جذبۂ دل اُن سے یہ کہتا ہے کہ اب کیوں آئے
تم تو کہتے تھے کہ آنا مرا ممکن ہی نہیں

یوں تو سلجھے گا نہ الجھا ہوا برسوں کا حساب
سہل سا گر ہیں بتا دوں تجھے تو گن ہی نہیں

سادگی میں مرے محبوب کی ہے لاکھ بناؤ
ٹھہرئے مستی سے سنوریں گے ابھی دن ہی نہیں

اُن سے مطلب کی کہی بات تو سنکر بولے
یا اشارہ کیجیے جو ممکن ہو یہ ممکن ہی نہیں

دارِ فانی میں پتا اُس کا میں کس سے پوچھوں
سب ہیں پردیسی یہاں کا کوئی ساکن ہی نہیں

میرے آغوش میں آنے کو جو وہ اُٹھتے ہیں
نازکی کہتی ہے بیٹھو بھی یہ ممکن ہی نہیں

نالہ کش دل کو جو دیکھا تو وہ کافر بولا
اچھی مسجد ہے جہاں کوئی مؤذن ہی نہیں

جب کہا میں نے کہ اب رحم ہے واجب بولے
آپ واجب کہیں یا فرض یہ ممکن ہی نہیں

اے صنم وصل میں کیا قید کہ ٹھہرے کس دن
سب دن اللہ کے ہیں کوئی بُرا دن ہی نہیں

وہ جفا کو ابھی جانیں نہ وفا کو سمجھیں
بارہویں سال کا آغاز ہے کچھ سِن ہی نہیں

تیغِ قاتل ہے کبھی مجھ سے اجل روٹھی ہے
کس کا احساں اُٹھاؤں کوئی محسن ہی نہیں

لے کے پاس سے اُٹھ کر جو میں اُن سے لپٹا
بولے پریاں بھی بنی آگ کی ہیں جن ہی نہیں

اُن سے ہے وصل کی درخواست جو چاہیں کہیں
غمزہ کیوں بیچ میں بول اُٹھتا ہے ممکن ہی نہیں

صنعتِ کاتبِ قدرت ہیں رخ و خط دونوں
وہی اس متن کا شارح بھی ہے ماتن ہی نہیں

بے جگہ شام ہوئی جاتی ہے جنگل میں امیر
ہائے کیا پہنچیں گے منزل پہ کہ اب دن ہی نہیں

ردیفِ واؤ

اُلفت میں برابر ہے وفا ہو کہ جفا ہو
ہر بات میں لذت ہے اگر دل میں مزا ہو

ہم تم ہوں شبِ وصل اکیلے تو مزا ہو
ہم سے ہو ادب دور حیا تم سے جُدا ہو

آئے جو مری لاش پہ وہ طنز سے بولے
اب میں ہوں خفا تم سے کہ تم مجھ سے خفا ہو

جو اُن سے ادا ہوتی ہے کہتا ہے مرا دل
اس پردے میں اللہ کرے میری قضا ہو

مہمانِ چمن آج ہے سیدا گلِ نازک
کہدو کہ دبے پاؤں رواں بادِ صبا ہو

گھبرا کے وہ بولے جو سُنا شورِ قیامت
دیکھو مرے عاشق کا جنازہ نہ اُٹھا ہو

آئے جو دمِ نزع کہا ہنس کے سدھارو
پریوں کو تو چاہا بہت اب حوروں کو چاہو

کیا شوق تھا مرقد سے قیامت میں میں پہنچا
کہتا ہوا اب وعدۂ دیدار وفا ہو

جھنجلا کے سزا دیں وہ مجھے ہاتھ سے اپنے
ایسی کوئی اے دل جو خطا ہو تو مزا ہو

ہر رنگ میں ہے یار نیا رنگ تمہارا
بے پردہ جو شوخی ہو تو در پردہ حیا ہو

وحشت کو مری ساتھ مرے دفن نہ کرنا
گھر خانہ خرابی کا مرے گھر سے جدا ہو

تو صورتِ دریا ہے حبابِ اہلِ جہاں ہیں
تیرا ہے تری راہ میں سر جس کا فدا ہو

ہنس ہنس کے چھری پھیر گلے پر مرے قاتل
آخر کی تڑپ ہے یہ کچھ اس میں تو مزا ہو

نیرنگیِ حسن اُن کی یہ کہتی ہے شبِ وصل
چتون میں شرارت ہو تو آنکھوں میں حیا ہو

رحم اس دل پر داغ پہ اے الفتِ مژگاں
کانٹوں پہ نہ کھینچ اُسکو جو پھولوں میں پلا ہو

اس وہم سے گندھوانے میں چوٹی کے وہ جھجکے
مشاطہ کا بہروپ نہ عاشق نے بھرا ہو

اُڑ جاتے ہیں محفل سے جو ہو جاتی ہے گُل شمع
ڈرتے ہیں کہ مجھ سے نہ ملی بادِ صبا ہو

کیا ربط ہے سینے سے کھنچے تیر تو پیکاں
ناوک سے جدا ہو مرے دل سے نہ جدا ہو

لایا ہے تو بدر کا آئینہ بغل میں
اتنا بھی نہ اپنا کوئی مشتاقِ لقا ہو

کیا ہاتھ ہیں درکار امیر اُن کو ہے مہندی
چھو لیں گُلِ عارض تو وہی رنگِ حنا ہو

بولے وہ آئے جو ناصح مرے سمجھانے کو
کون ہو تم نہ ستاؤ مرے دیوانے کو

گھر سے ہم نکلے تھے مسجد کی طرف جانے کو
رند بہکا کے ہمیں لے گئے میخانے کو

تو نے کمبخت کبھی پی ہی نہیں کیا تجھے قدر
محتسب دیکھ مری آنکھ سے پیمانے کو

زلفیں اتنی نہ بڑھا ہے وہ بہت زار و نحیف
بیڑیاں چاہیئے ہلکی ترے دیوانے کو

یہ زبان چلتی ہے ناصح کہ چھری چلتی ہے
ذبح کرنے مجھے آیا ہے کہ سمجھانے کو

ہٹ گئی عارضِ روشن سے تمہارے جو نقاب
رات بھر شمع سے نفرت رہی پروانے کو

شمع رو ہے جہاں آپ ہی آ بیٹھتے ہیں لوگ
بزم میں کون طلب کرتا ہے پروانے کو

چشمِ ساقی کی ادا نے مجھے مے نوش کیا
دخترِ رز آکے لگا لیگئی میخانے کو

مے کہاں فرقتِ ساقی میں میسّر ہم کو
رکھ کے ہم سینے پہ سو رہتے ہیں پیمانے کو

گور میں آئے نکیرین تو میں یہ سمجھا
ناصح آ پہنچے یہاں بھی مرا سر کھانے کو

طورِ ہو حق ہے یہاں بڑھ کے وہاں سے زاہد
اپنی مسجد سے لڑا لے مرے میخانے کو

آج کچھ اور بھی پی لوں کہ سنا ہے میں نے
آتے ہیں حضرتِ واعظ مرے سمجھانے کو

باغباں ہاتھ لگاتا نہیں پھولوں کو ترے
آ نکلتا ہوں کبھی دل کے میں بہلانے کو

وہ کہاں دن کہ رہا کرتا تھا دورِ ساغر
آنکھ بھر آتی ہے اب دیکھ کے پیمانے کو

رات دن خال و خط و زلف کا رہتا ہے خیال
گھیرے رہتی ہیں بلائیں ترے دیوانے کو

جا بجا گل نہیں چھلکے کے بدن پر یہ امیر
کیاریاں پھولوں کی ہیں جی مرا بہلانے کو

بولے وہ میں نے کہا تھی کے جو بہلانے کو
منہ لگاتے نہیں دشمن مرے دیوانے کو

ساقیا دخترِ رز کا تو بڑا رتبہ ہے
بے وضو میں کبھی چھوتا نہیں پیمانے کو

موئے مژگاں یہ نہیں گرد تری آنکھوں کے
غول پریوں کے ہیں گھیرے ہوئے میخانے کو

چھیڑ سرہانے ہیں اچھی نہیں یہ اے ناصح
چٹکیاں لینے کو آیا ہے کہ سمجھانے کو

دل میں تیرا جو تصور ہے تو اے رشکِ پری
دیکھنے آتی ہیں پریاں ترے دیوانے کو

بے ادب جا کے جو لپٹا تو سزا بھی پائی
آگ میں پھونک دیا شمع نے پروانے کو

مے پلانے کو جو ہوتی ہے رقیبوں کی طلب
زہر تھوڑا سا عنایت ہو مجھے کھانے کو

آ گئے نزع میں تم راہِ سفر کی کھوٹی
رک رہے تھم گئے تیار تھے ہم جانے کو

بختِ واژوں کو کر اے ساقیِ دوراں سیدھا
کیا کروں لیکے میں الٹے ہوئے پیمانے کو

خوانِ الفت میں وہ ہے کونسی نعمت جو نہیں
خونِ دل پینے کو ہے لختِ جگر کھانے کو

میری آتش قدمی سے نہیں واقف حدّاد
پھونک ڈالے گی یہ زنجیر کے ہر دانے کو

بجلیاں جان پہ توبہ کی گرانے کے لیے
بدلیاں گھیرے ہوئے ہیں مرے میخانے کو

اب خدا چاہے تو مقتل میں اُٹھیں خوب مزے
برق دم تیغ ہوئی ہے مرے تڑپانے کو

واعظو تم جسے سمجھے ہو سحاب رحمت
لے اُڑی ہے یہ صبا دوشپہ میخانے کو

یار کو محفلِ خوباں سے اُڑا لائے امیر
پہلے لُوٹ کے ہم آج پریخانے کو

صدقے میں مرغ دل کو ہمارے رہا کرو
تم بادشاہِ حُسن ہو اس کو ہُما کرو

عصمت یہ اُن سے کہتی ہے اب تم چھپا کرو
نام خدا جوان ہوئے ہو حیا کرو

چلتے ہو ساتھ میرے جنازے کے ہے یہ خوف
ایسا نہ ہو لحد پہ قیامت بپا کرو

شوخی یہ ہے کہ دیکے وہ عاشق کو گالیاں
کہتے ہیں شاہ جی مرے حق میں دعا کرو

لو ہم تو آگے جاتے ہیں صحرائے عشق میں
یارو تم اپنے پاؤں سے کانٹے چنا کرو

جب پوچھتا ہوں میں کوئی تدبیر وصل کی
کہتے ہیں بُت کہ اپنے خدا سے دعا کرو

پردے میں تم ہو اُس پہ یہ عالم ہے حُسن کا
پردے سے باہر آؤ تو کیا جانے کیا کرو

ہم مانگتے ہیں بوسہ تو جُھنجلا کے بد زبان
کہتا ہے اپنے منہ سے جو چاہو بکا کرو

کیا روٹھتے ہو عکس سے آئینہ دیکھ کر
اپنی طرف خیال تم اے مہ لقا کرو

جب پوچھتا ہوں اُن سے دوا درد عشق کی
کہتے ہیں پہلے ہوش کی اپنے دوا کرو

مشکل ہے اس سے حضرتِ دل یوں تو رسم و راہ
پہلے تم اپنے درد سے دل آشنا کرو

کہتے ہیں بزم میں تو تمہارا یہ رنگ ہے
تنہا جو مجھ کو پاؤ تو کیا جانے کیا کرو

کیا قدر ہے فسانۂ اُلفت کی واں امیر
کہتے ہیں ہم سنیں نہ سُنیں تم کہا کرو

اے تیغِ یار ملکے گلے سے جُدا نہ ہو
اب روٹھنے کا وقت نہیں ہے خفا نہ ہو

وہ کیا خرامِ ناز ہے جو فتنہ زا نہ ہو
وہ فتنہ کیا ہے جس سے قیامت بپا نہ ہو

حسن و وفا کا ساتھ تو اے دل ہوا نہ ہو
معشوق نام اسی کا ہے جس میں وفا نہ ہو

میری نگاہِ یاس کی اک چوٹ کھا تو لے
بیدرد پھر میں دیکھوں کہ درد آشنا نہ ہو

چٹکا چمن میں غنچہ تو بولا جھجک کے یار
ٹوٹا کہیں مرا ہی یہ بندِ قبا نہو

موسیٰ پڑے ہیں غش میں تڑپتی ہے برق طور
پردہ تمہارے رُخ سے کہیں ہٹ گیا نہو

ہنستے ہیں اونچے زخم تو خوش ہو کے تو بھی ہنس
یہ تو ہنسی کی بات ہے ظالم خفا نہو

اے ضعف حسرت اسقدر تو گھلا میرے جسم کو
آئینے میں بھی شکل مری رونما نہو

ہر وار میں نمک کی بھی چٹکی چلی ہی جائے
کس کام کی تڑپ ہے وہ جس میں مزا نہو

حسرت سے دیکھتا ہوں جو اُن کی طرف امیر
کہتے ہیں دیکھیو. دیکھیو کوئی دیکھتا نہو

حکم درباں کا ہے عشاق سے سرکو سرکو
ہائے جائیں یہ کہاں چھوڑ کے تیرے در کو

بدشگونی دمِ رخصت نہ کرو گرم نہ ہو
ٹھنڈے ٹھنڈے مری جان جاؤ سدھارو گھر کو

ہند میں آکے ہے آئینہ مرا صاحب اُن کا
مژدہ ہے روم میں جاکر کوئی اسکندر کو

تھا وہ پیاسا جو گیا خلد میں دل نے پوچھا
پہلے تسنیم کو پی جاؤں کہ میں کوثر کو

معتکف حجروں میں بن بن کے جو بت بیٹھے ہیں
کیا بلا دیر بنایا ہے خدا کے گھر کو

کون میخوار ہے ذی رتبہ جہاں میں مجھ سا
تاک دیتا ہے کنیزی میں مجھے دختر کو

ناخدا ہے جو خدا پار ہے بیڑا تیرا
پھینکنا ہے تو توڑ کے کشتی سے الگ لنگر کو

محتسب نے تو کیا دونوں کا خون اے ساقی
روئیں میخوار ترے شیشے کو یا ساغر کو

ملکے بیٹھا میں شبِ وصل تو جھنجلا کے کہا
دم گھٹا جاتا ہے گرمی سے ذرا تو سرکو

پھیر کر گردنِ بسمل پہ جو رُک جاتے ہیں
ذبح کرنے کا سکھاتے ہیں چلن خنجر کو

میری ایذا کا ہے کب وادیِ وحشت خواہاں
پاؤں سے کھینچتی ہیں کانٹوں کی زبانیں سر کو

پھیرنا آنکھ کا اچھا نہیں مجھ سے قاتل
پھیر لے اس سے تو گردن پہ مری خنجر کو

اس قدر ہے ادبِ پیرِ مغاں مجھ کو امیر

بے وضو ہاتھ لگاتا نہیں میں ساغر کو

آج وہ چھاؤں میں تاروں کی سدھارے گھر کو
لگ گئی آگ دھندلکے ہیں ہمارے گھر کو

ہائے برسات کی رُت میں وہ سدھارے گھر کو
پھونک دے پھونک دے اے برق ہمارے گھر کو

کوئے قاتل کو چلیں ہم تو عدم کو پہنچیں
راہ جاتی ہے اُدھر ہو کے ہمارے گھر کو

دیکھو کیا ڈھیٹ ہوا ہے یہ دلِ خانہ خراب
پوچھتا تم سے ہے رستے میں تمہارے گھر کو

راہ میخانے کی ہم بھول گئے ہیں زاہد
لے ثواب اُٹھ کے جو پہنچا دے ہمارے گھر کو

دل جو پھنک جائے تو ٹھنڈا ہو کلیجہ میرا
خوش ہوں میں آگ لگا دے کوئی سارے گھر کو

دیکھوں اب خانہ خرابی مجھے لیجائے کہاں
ٹھکرا کر کے تو ہیں آپ سدھارے گھر کو

گھر سے ہم وادیٔ وحشت کی طرف چل نکلے
چھوڑ کر خانہ خرابی کے سہارے گھر کو

ڈوبتا دل کا جو اشکوں میں ہمیں یاد آیا
رو دیے دیکھ کے دریا کے کنارے گھر کو

کہتی ہے یادِ وطن مجھ سے نہ رو اٹھ اب بن جا
چھوڑ غربت کو پلٹ چل مرے پیارے گھر کو

میں نے پوچھا جو پتہ گھر کا بگڑ کر بولے
ہم سے پوچھا نہ کرے کوئی ہمارے گھر کو

خانہ بر دوش ہیں ایسے کہ بگولے کی طرح
بادِ صرصر لیے پھرتی ہے ہمارے گھر کو

دم نکلتے ہی ہوئی لاش جو ایسی دوبھر
کیا ہوئی ہم سے محبت تھی جو سارے گھر کو

جب اُترتی ہیں فلک سے تو ہمیں آتی ہیں
تاک رکھا ہے بلاؤں نے ہمارے گھر کو

کیا خبر تھی کہ گراں ہوگا ہمارا آنا
ہم تو گھر اپنا سمجھتے تھے تمہارے گھر کو

مجمرِ دل کی نہیں افشاں کے تصور میں امیر
ایک دن پھونک ہی دینگے یہ شرارے گھر کو

مسجدوں میں نہ بے محل بیٹھو
زاہدو میکدے میں چل بیٹھو

یارو پڑھتا ہوں اک غزل بیٹھو
میری باری ہے اب سنبھل بیٹھو

گھر میں مستو نہ آج کل بیٹھو
فصلِ گل ہے چمن میں چل بیٹھو

دیکھو نکلی شہیدِ ناز کی لاش
تم بھی گھر سے ذرا نکل بیٹھو

کہہ رہی ہے یہ سوزنِ ساعت
چلنے والو نہ ایک پل بیٹھو

جب میں اُٹھتا ہوں کوئے قاتل سے
روک کر کہتی ہے اجل بیٹھو

شوقِ دیدار کا تقاضا ہے
حشر میں سب سے پہلے چل بیٹھو

درد کتنا ہے مجھ سے رہ رہ کر
دیکھو اُٹھتا ہوں میں سنبھل بیٹھو

وہ جو اُٹھتے ہیں فتنے کہتے ہیں
ہے تمہیں سے چہل پہل بیٹھو

بزمِ ماتم کسی کی سونی ہے
دو قدم پر تو گھر ہے چل بیٹھو

دیکھو دیکھو وہ آئنہ آیا
چوٹ پڑ جائے گی سنبھل بیٹھو

یادِ احبابِ رفتہ کہتی ہے
کسی تکیے میں اب تو چل بیٹھو

دونوں ہاتھوں سے تھام لو دل کو
آہ کرتا ہوں میں سنبھل بیٹھو

بیقراروں کی دیکھنا ہو جو سیر
کبھی چلمن سے تم نکل بیٹھو

کشتۂ ناز کے ہیں پھول اے جان
جی میں آئے تو تم بھی چل بیٹھو

ہو جو مسجد میں دل گرفتہ امیر
کسی بھٹی پہ کیوں نہ چل بیٹھو

رازِ توحید کا جو ظاہر ہو
ایک منظور اور ناظر ہو

کوسِ رحلت سے آتی ہے آواز
کہ خبردار اے مسافر ہو

شبِ فرقت دراز ہے دیکھیں
عمر آخر ہو یا یہ آخر ہو

سخت منزل ہے امتحاں کی جگہ
ٹھہرے ایوب سا جو صابر ہو

کیا مزہ ہو جو ذبح سے پہلے
پاسِ قاتل پہ لوٹتا سر ہو

اتنی وابستگی جہاں سے ہے کیا
شہر بسیگا نہ تم مسافر ہو

اوّلِ عشق میں یہ حال امیر

تم تو آغاز ہی میں آخر ہوں

نہ آؤ تم تو مزاجِ چمن بحال نہ ہو
شجر نہال نہ ہو گل کا چہرہ لال نہ ہو

ہے ایک عمر سے ہجران سے ملال نہ ہو
شبِ فراق میں ذکرِ شبِ وصال نہ ہو

نکل چلی ہے بہت تیغِ ناز دیکھ اے یار
کوئی غریب کہیں بے چھری حلال نہ ہو

یہ غیر سے ہے محبت کہ میں جو ہوں بیمار
وہ دیکھنے کو نہ آئیں جو غیر حال نہ ہو

جو اوچھے زخم بھی ہنستے ہیں پیٹ ڈلنا ہو
ہنسی ہنسی میں کسی کو کہیں ملال نہ ہو

یہ چاہتا ہے تحیّر کہ دونوں ہوں تصویر
اُدھر جواب نہ ہو کچھ اِدھر سوال نہ ہو

دمِ خرام یہ کہتی ہے پاؤں کی چھاگل
وہ سرفراز نہیں ہے جو پائمال نہ ہو

خوشی کی دل میں تمنّا بھی کر نہیں سکتا
خیال ہے ترے غم کو کہیں ملال نہ ہو

کرو بناؤ سنوارو تم اپنے گیسو کو
پر اس قدر کہ پریشان کسی کا حال نہ ہو

عروسِ مرگ سے بھی میں لپٹ نہیں سکتا
خیال ہے کہ انہیں اور کچھ خیال نہ ہو

ہٹی جو زلف یہ چہرے کی روشنی پھیلی
میں ڈر گیا کہیں صبحِ شبِ وصال نہ ہو

ترے مریضِ محبت کو کوئی کیا جانے
وہی بتائیگا یہ حال جس پہ حال نہ ہو

یہ ہم کو رہتا ہے اظہارِ دوستی میں بھی خوف
کہ دشمنوں کو تمہارے کہیں ملال نہ ہو

بہت ہوئے ہیں زمانے میں لوگ شادیٔ مرگ
شبِ وصال ہے اپنا کہیں وصال نہ ہو

نمودِ خطِ رُخِ یار سے ہے خوف امیر
کہ خضر کو بھی کہیں زندگی وبال نہ ہو

مار ہی ڈالتے ہیں گیسوؤں والے دل کو
پیچ پر پیچ ہیں اللہ بچا لے دل کو

کیسے الفت میں پڑے جان کے لالے دل کو
اس مصیبت سے اب اللہ نکالے دل کو

ہوں میں بیکس کوئی ہمدم ہے نہ غمخوار مرا
درد ہی اُٹھ کے سنبھالے تو سنبھالے دل کو

تاک کر تیر ہی سینے پہ لگائے ظالم
یوں ہی نکلے مری حسرت کہ نکالے دل کو

اُس سے کہتی ہے شب وصل یہ حسرت میری
تجھ سے روٹھا ہے مری جان منا لے دل کو

ناوک ناز پر ایسا ہے بھروسا تجھ کو
مفت بھی لے تو کروں اُس کے حوالے دل کو

تم تو وہ ہو کہ کبھی بوسۂ گیسو بھی نہ دو
کس توقع پہ کوئی پیچ میں ڈالے دل کو

ٹوٹ کر آبلے ناسور ہوئے جاتے ہیں
ہائے چھلنی کیے دیتے ہیں یہ چھالے دل کو

اُنکے گیسو تو بلا ہو کے پڑے ہیں پیچھے
بے ڈسے آج نہ چھوڑینگے یہ کالے دل کو

کوئی پامال بھی کرنے کو نہیں لیتا ہے
مجھکو دوبھر ہے کروں کس کے حوالے دل کو

تیری خلخال کی آواز سے چیخ اُٹھتا ہے
تیرے گھنگرو ہی تو سکھلاتے ہیں نالے دل کو

دل کیا نذر جو میں نے تو کہا ٹھکرا کر
جان اپنی جسے دوبھر ہو وہ پالے دل کو

مغبچے دختر رز سے ہیں لگاوٹ میں سوا
تاکتے رہتے ہیں یہ میکدے والے دل کو

تم جو پوچھو تو کرے کون تمنا سے اجل
جان بھی دیں نہ قضا کو جو ادا لے دل کو

ہو گیا سرد تڑپ کر تو وہ بولے ہے ہے
کیا ہوا آج مرے چاہنے والے دل کو

اسکو زنجیر میں جکڑے گی گلے کی زنجیر
طوق پہنائیں گے وہ کان کے بالے دل کو

اپنے مطلب کی انہیں آتی ہیں کیا کیا گھاتیں
ناز سے مانگتے ہیں نازونکے پالے دل کو

چکھ چکا خوب محبت کے مزے دل دیکر
لاؤ جاؤں میں کرو میرے حوالے دل کو

سخت ناداں ہے کہ ملتا ہے وہ پاؤں کے تلے
کچھ بھی سمجھے تو کلیجے سے لگا لے دل کو

وہ درِ رقص جو ہر بار لگائیں ٹھوکر
پھر کہاں تک کوئی سینے میں سنبھالے دل کو

کہتے ہیں شوق سے آئیں مری محفل میں امیر
ساتھ لائیں نہ مگر لوٹنے والے دل کو

حسن کس کام کا جو آن نہ ہو
کیا وہ معشوق جس میں شان نہ ہو

اے جنوں لے چل اب وہاں کہ جہاں
یہ زمیں اور یہ آسمان نہ ہو

اُسکی تصویر لیکے سوتا ہوں
کہیں وہ شوخ بدگمان نہ ہو

یوں مٹا اُلفت خدا میں خودی — نام باقی رہے نشان نہو
ہم رہیں تم رہو وصال رہے — غم نہیں ہے جو یہ جہان نہو
ہو رہیں ہم تو اے صنم تیرے — تو ہمارا خدا کی شان نہو
وہ بھی معشوق ہے کوئی معشوق — جس میں جوبن ہو آن بان نہو
زلف مجھ زار کو دکھائی واہ — اُس پہ سودا رہے جسمیں جان نہو
مست عالم کو کرتی ہے وہ آنکھ — میفروشی کی یہ دکان نہو
وہ اُٹھاتے نہیں مرا مُردہ — کہتے ہیں دیکھو اس میں جان نہو
مستیوں کا عروج کیا جب تک — پاؤں کے نیچے آسمان نہو

ہیں جو آیا کہا یہ اُس نے امیر
دیکھنا یہ وہی جوان نہ ہو

منہ دکھا دو جو ہم ندیدوں کو — تو چلا لو اجل رسیدوں کو
ملتے ہیں تُربتوں میں عیدونکو — کیا خوشی ہے ترے شہیدوں کو
کہتے ہیں رشک سے کہ لٹتی ہیں — حسرتیں کیوں مرے شہیدوں کو
تو وہ بُت ہے جو کعبے جا نکلے — بُت بنا دے خدا رسیدوں کو
ہر جفا کو ادا سمجھتے ہیں — کیا مزے ہیں ستم کشیدوں کو
نامہ بر لا مرے خطوں کا جواب — پھاڑ کر پھینکدے رسیدوں کو
اس ادا سے کیا شہید اُس نے — خونبہا ملگیا شہیدوں کو
دیکھ لے حالِ شمع و پروانہ — گھر جہنم ہے زن مریدوں کو
سیرِ فردوس و سایۂ طوبیٰ — ہو مبارک ترے شہیدوں کو
اور تو آسرا نہیں کوئی — یاس ہے آس نا اُمیدوں کو
آئنہ خانے میں وہ کہتے ہیں — کوئی دیکھے تو ان ندیدوں کو

چشمِ بد دُور اب تو حوریں بھی
گھورتی ہیں ترے شہیدوں کو
جلنے بُت ہیں یہاں وہ جنّت ہیں
سب ملیں گے خدا رسیدوں کو

قفلِ خاطر تو کیا کھلے گا امیر
آزماتے ہیں ہم کلیدوں کو

قتل کرتے ہو دکھا کر جو ادائیں مجھ کو
پہلے لے لینے دو جی بھر کے بلائیں مجھ کو
دیکھے اُن زلفوں کو دل جان مصیبت میں پڑی
لپٹی جاتی ہیں زمانے کی بلائیں مجھ کو
حکم ہے عفو کو یارب کہ کرے مطلع صاف
مرگ کے بعد بھی گھیرے ہیں خطائیں مجھ کو
ہاے وہ لوگ جو رکھتے تھے مدام آنکھوں میں
اب لحد میں بھی جو ڈھونڈیں تو نہ پائیں مجھ کو
دلکو بندھ جاتا ہے جس شب ترے گیسو کا خیال
نظر آتی ہیں بلائیں ہی بلائیں مجھ کو

نقش بیٹھا ہے مرا کوچۂ جاناں میں امیر
کیا نگہبان کی طاقت کہ اُٹھائیں مجھ کو

غیر سے آنکھیں چار کرتے ہو
جاؤ بھی کس کو پیار کرتے ہو
عکسِ آئینہ سے وہ کہتے ہیں
تم کو کیا مجھ کو پیار کرتے ہو
ہے جو نفرت اُمیدواروں سے
کیوں پھر اُمیدوار کرتے ہو
دل کے دو ٹکڑے اک نگہ میں کیے
اور پھر آنکھ چار کرتے ہو
بنکے انجان مجھ سے کہتے ہیں
سچ کہو کس کو پیار کرتے ہو
ایک نالہ جو ہم کریں تو ابھی
نقلیں تم ہزار کرتے ہو
روز آنے کو جب کہا بولے
اِک تمھیں مجھ کو پیار کرتے ہو
تم ہو خنجر ہے میں ہوں قتل کرو
کس کا اب انتظار کرتے ہو
میں نے تعریفِ حسن کی تو کہا
کیوں مجھے شرمسار کرتے ہو

سچ کہو کس کو دل دیا ہے امیر

جان کس پر نثار کرتے ہو

میکشو الجھو نہ واعظ سے عبث جانے بھی دو
منہ کی کھائیگا جو آئے تمپہ منہ آنے بھی دو

آنسوؤ نکلے ایک چھینٹے میں بجھا دونگا میں آگ
آتشِ افروز اُن کو بھڑکا ئیں تو بھڑکانے بھی دو

خوف کیا تمہارے وہ مجمع یہاں ہے میکشو
محتسب آتا ہے میخانے میں تو آنے بھی دو

وہ خطِ عارض وہ گیسو دیکھ کر آیا خیال
غول پریوں کا ہے اسکے ساتھ دیوانے بھی دو

لختِ دل میرے جو دیکھے ہنسکے اُس گل نے کہا
پھول یہ بے فصل کے ہیں ان کو مرجھانے بھی دو

آؤ ہم تم میکشو مسجد سے میخانے چلیں
یہ جو سر سجدوں میں ٹکراتے ہیں ٹکرانے بھی دو

کون پوچھیگا تمہاری نغمہ سنجی کے حضور
زُہرہ اپنی سی اگر گاتی ہے تو گانے بھی دو

ابروؤنکو اور آنکھوں کو تو ان کی دیکھیے
ساتھ ہی دو مسجدوں کے ہیں یہ میخانے بھی دو

حضرتِ دل اب تو چھپنا ہے ربط پریوں سے لیے
حوریں جنت میں جو گھبراتی ہیں گھبرانے بھی دو

تنگ ہو کر کہتی ہے مشاطہ اُن سے بار بار
اس قدر الجھو نہ صاحب بال سلجھانے بھی دو

بوسۂ لب لیکے خود ہی بن گیا ہے بُت ا ہیہ
بات کیا ہے تم بھی چپکے ہو رہو جانے بھی دو

دیکھ سکتے نہیں پیاسا مرے آنسو مجھ کو
روز دیجاتے ہیں پانی کوئی چلّو مجھ کو

پھولوں کی سیج سے آتی ہے تری بو مجھ کو
تکیے پہلو کے ہیں اب حور کے زانو مجھ کو

آبروئے نگہِ لطف سے گر تو مجھ کو
سب جگہ آنکھوں پہ دیں صورتِ ابرو مجھ کو

سرگیں آنکھیں جو آئینے میں دیکھیں تو کہا
گھورتے ہیں یہ جگاتے ہوئے جادو مجھ کو

کشتہ ہوں وحشتِ طرزِ نگہِ قاتل کا
خطِ شمشیر ہے موجِ رمِ آہو مجھ کو

ہوں وہ بلبل کبھی صیاد کو آیا جو ترس
پھولوں میں چھوڑ دیا توڑ کے بازو مجھ کو

چتونیں چلتی ہیں لیکے نکیلی چھریاں
دو دو تلواروں سے دھمکاتے ہیں ابرو مجھ کو

گھر سے کیوں مجلسِ منعم میں لیے جاتی ہے حرص
چار زانو سے بٹھائے گی دو زانو مجھ کو

لوٹتا ہے دل دیوانہ لپٹنے کے لیے
سانولے رنگ کی پریاں ہیں وہ گیسو مجھ کو

چوم کر آنکھوں میں رکھ لوں نہیں پتلی کی طرح
یاد دلواتے ہیں جگنی تری جگنو مجھ کو

شمع ساں کیا ہے مجھے حاجت دریا پئے غرق
آپ لے ڈوبے گا میرا عرق [illegible] مجھ کو

آرسی سامنے آئی تو کہا جھنجھلا کر
دیدے پھوٹیں ترے کیوں گھورتی ہو تو مجھ کو

میرے پہلو میں تری طرح وہ جھک کر بیٹھے
درد دل ایسا بتا دے کوئی پہلو مجھ کو

ہوں جوان آمد پیری سے مگر ڈرتا ہوں
کہ جبیں سے نہ بنا دے کہیں ابرو مجھ کو

میں جہاں بیٹھ کے روتا ہوں وہیں ہی ہوتی ہے
ہر جگہ کرتے ہیں رسوا مرے آنسو مجھ کو

سمجھے ہیں دیکھنے والا جو تری آنکھوں کا
کہتے شرماتے ہیں اب دیکھ کے آہو مجھ کو

سمٹا جاتا ہے مرا حشر میں رویاں رویاں
شرم عصیاں سے بنایا ہے لجالو مجھ کو

مکشف راز ہوں بستر ہے مجھے چادر آب
ہے حباب لب جو تکیۂ پہلو مجھ کو

کون پہنچائے مجھے کوچۂ جاناں تک امیر
لے چلیں کاش بہا کر مرے آنسو مجھ کو

چین آتا نہیں دم بھر کسی پہلو مجھ کو
اتنی نکہت تو اسے [illegible] مجھ کو

عالم عشق میں بھی ہے الفت گیسو مجھ کو
چاہیئے لخلخۂ نافۂ آہو مجھ کو

میرے قاتل کو تڑپنے سے ہے ایسی نفرت
ذبح کرتا ہے دبا کر تہ زانو مجھ کو

کشتۂ عشق ہوا دیکھ کے آنکھیں اسکی
شیشے کے منہ پہ لگائے گئے آہو مجھ کو

نگہ شوق سے کھلتی ہے یہ عصمت اسکی
کہ اچھوتا مرا پنڈا ہے نہ چھو تو مجھ کو

کیوں نہ مضمون نرے گوہر دنداں کے تابیں
طبع سنجیدہ کی ہاتھ آئی ترازو مجھ کو

عاشق چشم ہوں دل لوٹ کے رہ جاتا ہے
نظر آتا ہے جو قیدی کوئی آہو مجھ کو

ضبط سے اور محبت میں گلا گھٹتا ہے
آنسو پیتا ہوں تو ہو جاتا ہے اچھو مجھ کو

ہوں وہ میخوار کہ بھٹی میں ملی شوکت جم
ٹاٹ مسند ہے سبو تکیۂ پہلو مجھ کو

چشم ابرو کے اشاروں سے ہوا یہ ثابت
زیر شمشیر بلاتے ہیں یہ آ آ مجھ کو

بار بار اس گُل خوبی کا سمٹنا شب وصل
یاد دلواتے ہیں شرما کے لجالو مجھ کو

ہوں وہ خوش چشموں کا عاشق کہ ختن سے احباب
چھانٹ کر بھیجتے ہیں چھٹے ہیں آہو مجھ کو

سب کو سنجیدہ کیا خود نہ ہوا سنجیدہ
طالع بد نے کیا سنگِ ترازو مجھ کو

آبرو جان پہ کمبخت ہیں سب کے دشمن
مار ڈالیں گے ڈبو کر مرے آنسو مجھ کو

اس توقع پہ پھرا کرتا ہوں گلزاروں میں
کہ کسی گل سے کبھی آئے تری بُو مجھ کو

کس کی آنکھوں کا ہوں وحشی کہ خوشی کے مارے
بھرتے ہیں چوکڑیاں دیکھ کے آہو مجھ کو

روح ہوتی ہے جو رخصت تو یہ کہتا ہے بدن
اسی دن کے لیے لائی تھی یہاں تو مجھ کو ..

پھونک ہی دیتی مجھے گرمیِ رخسار امیر
اپنے سائے میں نہ لے لیتے جو گیسو مجھ کو

حسرت آئی یہ اُنہیں دیکھ کے بسمل مجھ کو
چُلبلا ایسا ہی ملجائے کوئی دل مجھ کو

دیکھنا نیند جو آئی دمِ بسمل مجھ کو
اپنے زانو پہ سُلا رکھیگا قاتل مجھ کو

تو ہو کچھ درد سے آگاہ نہ بیدردی سے
دل مرا تجھ کو ملے اور ترا دل مجھ کو

بوسے پر بوسے دمِ ذبح اشاروں میں لیے
اچھی سوجھی یہ تہِ خنجرِ قاتل مجھ کو

چٹکیاں لیتا ہے پہلو میں مرے آٹھ پہر
دلربا بن کے ستاتا ہے مرا دل مجھ کو

آنکھ جھپکے نہ پتنگوں سے تو اس مجمع میں
پھونکنا سے کہ پھونکدے نہ لے گرمیِ محفل مجھ کو

پھر مزہ تجھ کو سکھا دوں میں دل آزاری کا
پیار دل کو کبھی جو مانگے ترا دل مجھ کو

کچھ اس انداز سے وہ ناز بھرے ہاتھ چلے
آ گئی نیند تہِ خنجرِ قاتل مجھ کو

شبِ غم کون ترس کھا کے ہے رونے والا
کبھی رو لیتا ہوں اب دل کو کبھی دل مجھ کو

ناتوانی نے بنایا ہے مجھے نقشِ قدم
پا زدن رکھتا ہوں جہاں ملتی ہے منزل مجھ کو

کچھ خبر مجھ کو نہیں ہے کہ کہاں جاتا ہوں
کہیں کھینچے لیے جاتا ہے مرا دل مجھ کو

وہ مسافر ہوں ہوا دفن بھی اپنے گھر میں
گھر تلک آ کے مرے لیگئی منزل مجھ کو

بن سنور کر جو نکلتے ہیں ادھر سے وہ کبھی
گدگدا دیتا ہے ارمان بھرا دل مجھ کو

دست و بازو جو ہو خنجر اور لگا دے اک ہاتھ
پھر ہے بیدرد نہ جا چھوڑ کے بسمل مجھ کو

اُسکی رحمت ہے جو ہو خاتمہ بالخیر امیر
پھر ہے سب سہل کڑی ہے یہی منزل مجھ کو

بوسہ دینے نہیں کہدینے سے حاصل مجھکو
پھیر دو پھیر دو اے جان مرا دل مجھ کو

غنچے حوروں کے جو فردوس بریں میں دیکھے
یاد آئی کسی محبوب کی منزل مجھ کو

سانس کے ساتھ رگ جان سے لہو آتا ہے
نیشتر ان کے نہ چھیڑا کئے خلش دل مجھ کو

اُسکے خنجر سے کہا کیا میں کوئی مرشد ہوں
وجد میں آتے ہیں کیوں دیکھ کے بسمل مجھ کو

ہوں وہ مجنوں کہ جو لیلی کی طرف جا نکلوں
اُٹھ کے تعظیم کو لے پردۂ محمل مجھ کو

اس تمنا میں کہ ملجائیں مجھے اُٹھ نہ سکا
ہو گئے اترے ہوئے ہار اُنکے سلاسل مجھکو

دشت وحشت میں آنکھوں میں بسی ہے لیلی
ہر بگولے میں نظر آتا ہے محمل مجھ کو

وہ نگہ کہتی ہے اس گھر میں نہیں میری جگہ
نکلی میں آنکھ سے باہر تو ملا دل مجھ کو

وہ نزاکت ہے یہ کہتے ہیں نہ پہنونگا میں لڑ
عکس دانتوں کا پنہا دے گا حمائل مجھ کو

تشنہ لب دیکھ کر کھینچا مجھے خنجر کی طرف
لیگیا پیاس میں قاتل لب ساحل مجھ کو

شوق نظارہ لیلی جو بناتے اندھا
سرمہ دے دوڑ کے گرد پس محمل مجھ کو

شوق پابوس کسی کا ہے مجھے وحشت میں
پاؤں چھونے کی جو پائے گی سلاسل مجھ کو

گڑگڑا کر کچھ اس انداز سے بوسہ مانگا
بھیک دینے وہ بڑھے جانکے سائل مجھ کو

ساری دنیا مجھے اس پردے میں الفت کی [illegible]
[illegible] لینے کے قاتل مجھ کو

یاد اس شوخ کی تڑپاتی ہے [illegible] امیر
چین لینے نہیں دیتا ہے مرا دل مجھ کو

کم نہیں موئے کمر سے جسم لاغر دیکھ لو
فرق کیا ہے ہوگئے ہم تم برابر دیکھ لو

میری حیرت پر عبث ہو اسقدر حیران تم
اک ذرا آئینہ اپنے آگے رکھ کر دیکھ لو

دیدۂ بلبل سے نظارہ رخ گل کا کرو
فاختہ کی آنکھ سے قدِ صنوبر دیکھ لو

نزع میں ہچکی جو آئی اس نے کوٹھے سے کہا
سر اٹھا کر ایک ذرا نیچے سے اوپر دیکھ لو

باغ میں تم نے کہا طاؤس تو پائمال
کوہ پر ہے کبک اب اسکو بھی چلکر دیکھ لو

حسن میں بیجا ہے یکتائی کا دعویٰ جانِ من
اک حسین ہے اور آئینے کے اندر دیکھ لو

نزع میں جاتے تو ہو بالیں سے مجھ بیمار کے
اک نظر آنکھوں کا صدقہ اور پھر کر دیکھ لو

سوچ کیا نظارۂ برقِ تجلی میں امیر
کھول دو آنکھیں دکھائے جو مقدر دیکھ لو

ہو وصل پر دوئی کی کہیں اس میں بو نہو
تو ہو تو میں نہوں میں اگر ہوں تو تو نہو

زاہد شراب ناب سے جب تک وضو نہو
قابل نماز پڑھنے کے مسجد میں تو نہو

پہلو سے دل جدا ہو تو کچھ غم نہیں مجھے
اے دردِ دل جدا مرے پہلو سے تو نہو

وہ گم شدہ ہوں میں کہ اگر چاہوں دیکھنا
آئینے میں بھی شکل مری روبرو نہو

قاتل لگا رہا ہے جو تیغ نگہ سے زخم
منظور ہے کہ چاکِ جگر میں رفو نہو

ملتا تو کیا حنا کو لگا ہیں نہ ہاتھ وہ
جب تک شریکِ خونِ ہزار آرزو نہو

مستی میں میں نے شیخ کو چھیڑا یہ کہکے آج
مے لاؤں میکدے سے جو آبِ وضو نہو

مہندی لگاتے ڈرتے ہیں کہتے ہیں بار بار
شامل کسی شہید کا اس میں لہو نہو

غش آگیا ہے مجھ کو گمان اور کچھ نہ کر
اچھا ہوں میں اداس مری جان تو نہو

شاخیں اسی کی ہیں یہی جڑ ہے فساد کی
پہلو میں دل نہو تو کوئی آرزو نہو

تو ہو تو بتکدہ مجھے کعبے سے کم نہیں
کعبہ صنم کدہ ہے جو کعبے میں تو نہو

میں ان کو دیکھتے ہی جو کل لوٹنے لگا
بولے تمہارے بارے کوئی خوبرو نہو

ایذا پسند ہیں وہ ترے زخمیوں میں ہم
دوٹیسے نہ دل جو زلف تری مشکبو نہو

صحن چمن ہو ابر ہو شیشہ ہو جام ہو
یہ سب تو ہوں غضب ہے کہ پہلو میں تو نہو

آنسو بہائے میں نے جو محفل میں تو کہا
دیکھ اسقدر نہ رو کوئی بے آبرو نہو

کہتے ہیں سامنے ترے آ بیٹھیں ہم مگر
یہ شرط ہے کہ آگے کوئی آرزو نہو

ساری چمک دمک تو انہیں موتیوں سے ہے
آنسو نہوں تو عشق میں کچھ آبرو نہو

پردے میں آئینے کے یہ دل ہے امیر کا
پہچان لے جو وہ تو کبھی رو برو نہوا

ابھی آئے ابھی جاتے ہو جلدی کیا ہے دم لیلو
نہ چھیڑونگا میں جیسی چاہو تم مجھ سے قسم لیلو

نہ دو بوسہ نگاہِ لطف ہی پر دل صنم لیلو
تمہارا مال ہے تم دیکھے قیمت بیش و کم لیلو

گلا خنجر پہ میں نے رکھدیا آتے ہی تو بولے
کرینگے ذبح ٹھہرو کیوں مرے جاتے ہو دم لیلو

سوئے میخانہ آنکلے جو قاضی دختِ رز بولی
بڑے مرشد ہیں حضرت میکشو اٹھو قدم لیلو

زمینِ گور مہمان سے اپنے یہ کہتی ہے
اُتر جائے تھکن آگے کڑی منزل ہے دم لیلو

خدا نے دن یہ دکھلایا کہ وہ بُت میہمان آیا
ملے تو شیخ سے کہد شکے دو دن کو حرم لیلو

خبر ہے حضرتِ مجنوں کو آئی نجد میں لیلے
نہ پہنچے ہاتھ محمل تک تو ناقے کے قدم لیلو

فراقِ یار کا دن کم نہیں عاشورے سے نالو
اُٹھاؤں تعزیہ میں اپنے دل کا تم علم لیلو

دکھانا ہے جو زورِ نشہ شب ... ... و
فلاطوں سے نہ ہاتھ آئے اگر تم جام جم لیلو

نہ ملنے تک اے شیخ حرم سار القدس ہے
برہمن سے تو سجدے کر کے مٹی کا صنم لیلو

ابھی تو آسماں تو خاک میں گڑ جاؤ تم ساتوں
جو میرے سر سے اپنے سر پہ میرا بارِ غم لیلو

چمن سے پینے کو ہے میکشو برسات میں لازم
نہ پیچھے تو کرایہ دیکے رضواں سے ارم لیلو

نہیں کچھ انتہا اُس ترک کے کشتوں کی بیٹھی
کہا منکر قم کہو گے منہ سے تھک جاؤگے دم لیلو

غرض تو میکشو مستی سے ہے تکرار سے حاصل
ملے پیرِ مغاں سے جسقدر بیش و کم لیلو

ہم اُسکے قد کے ہیں عاشق ہمیں کیا غیر سے مطلب
عبث کہتی ہے یہ قمری صنوبر کے قدم لیلو

امیر اُس عیسیِ دوران کو خط لکھنا جو ہو تم کو
فلک سے مانگ لو کاغذ عطارد سے قلم لیلو

جو وقت بوسہ ایذا ہو ذرا بھی لعل جاناں کو
اتارا دل میں آنکھیں دیکھ کر اُس شاہ خوباں کو
گلوں سے جا کے ہیں نے داغ دل اپنے ملائے تھے
خدا نے حسن کو تیرے عجب تاثیر بخشی ہے
لہو رو رو کے ان آنکھوں سے ایسے گل کھلائے ہیں
اجل آئے کہیں پیری میں ہم اس درد سے چھوٹیں
میں اُٹھتا ہوں تو کانٹے پاؤں پڑ پڑ کر یہ کہتے ہیں
صبا گلی صحبتیں یاد آتی ہیں یاران رفتہ کی
تسلی یاد رخ میں جب کسی صورت نہیں ہوتی
وہ آنکھیں تاکتی ہیں لوٹ سے مژگاں کی دل میرا
اگر یوں کھٹکے جیسے دل میں وہ مژگاں کھٹکتی ہو
سوا اب خاک ہونے کے نہیں حسرت کوئی باقی
قیامت سے نہ دوں تشبیہ اُسکی چال کو کیونکر
تڑپنا جانتا ہوں لذت ناوک سے اے قاتل
گیا میں بزم جاناں تک تو بولے وہ سکندر سے
میں اُس پردہ نشیں کی جالیے کا ہوں دیوانہ
عبث ترکش میں قاتل رکھے رکھے زنگ لگتا ہے

گھڑی کی طرح پہیوں توڑ کر میں اپنے زنداں کو
جگہ پہلو میں دی پریوں کے لالچ سے سلیماں کو
نہیں شبنم پسینا آگیا ہے یہ گلستاں کو
یہ نعمت دیکھنے سے سیر کر دیتی ہے مہماں کو
چمن سے دیکھنے آتے ہیں گلچیں میرے زنداں کو
شکستہ حال اب دیکھا نہیں جاتا ہے زنداں کو
اجی بیٹھو بھی کیوں ویران کرتے ہو بیاباں کو
نکلکر گھر سے دیکھ آتا ہوں میں گور غریباں کو
تو بوسہ دیکے آنکھوں سے لگا لیتا ہوں قرآں کو
کہ پریاں جھانکتی ہیں ان جھروکوں سے سلیماں کو
مژہ کی طرح رکھ لوں آنکھ پر خار مغیلاں کو
کہ مٹی ہو گیا جی دیکھ کر گور غریباں کو
اُٹھا کر راہ میں چلتے ہیں فتنے جسکے داماں کو
نہ میں سوفار کو جانوں نہ پہچانوں میں پیکاں کو
اُٹھاؤ آئینے کو بیٹھنے دو میرے حیراں کو
چھپائے رکھتی ہے پردے میں عصمت جسکے داماں کو
مجھے دے چھیر کر پہلو میں رکھ لوں تیرے پیکاں کو

تصور قید میں سنتے لسے امیر اک بت کی آنکھوں کا

پری خانہ بنا رکھا ہے میں نے اپنے زنداں کو

غضب ہے اپنے عیبوں کا خیال آئے نہ انساں کو | کہا ہے شرم عریانی نے خم شمشیر عریاں کو

کریں مجھ سے محبت میں تو کچھ کا ہوں محبت کا | اُٹھا رکھیں یہ منعم اپنے نعمہائے الواں کو

میں اک غربت زدہ باقی رہا تھا میں بھی آتا ہوں | مبارک باد دے آئے کوئی گور غریباں کو

رہانے دیں نگہباں مجھ کو زنداں سے نہیں پروا | مری زنجیر کے نالے تو جاتے ہیں بیاباں کو

ہیں لیے بُت مصحف رخ کو ترے چھو کر ہوا مجرم | مسلماں رات دن بوسے دیا کرتے ہیں قرآں کو

جراحت ناوک افگن کی جو وقت صید یاد آئی | دہانِ زخم نے چوسا مزے لے لیکے پیکاں کو

کہاں آسودگان خاک کا دل سے نہیں جانا | لیے پھرتا ہوں اپنے ساتھ میں گورِ غریباں کو

پری کو بھی اترتے یوں نہیں دیکھا ہے شیشے میں | عجب انداز سے تو نے اتارا دل میں پیکاں کو

ان آنکھوں کی نظر بازی میں دل کھو گیا میرا | نگاہوں میں اڑا کر لے گئیں پریاں سلیماں کو

جو ملتا ہے تو مہندی میں تو مہندی رنگ لاتی ہے | پسند اس واسطے کرتے ہیں وہ خونِ شہیداں کو

جگر کو ڈھونڈتی پھرتی ہے تیغ ناز قاتل کی | کسی کے دل میں جا بیٹھو تو دھن ہے اسکے پیکاں کو

ابھارکھا ہے اسنے ایک مدت سے گلا میرا | کوئی جھٹکا تو دے لے پنجۂ وحشت گریباں کو

ابھی ہی مختصر ہے وصل کی شب کچھ تو بڑھ جائے | مری خاطر سے دم بھر کھول دو زلف پریشاں کو

بہار گل میں کام آئے ترے ملے پنجۂ وحشت | لگا رکھا ہے میں نے اسلیے اپنے گریباں کو

کیا تھا شام کو نالہ تڑپ کر تیرے وحشی نے | ہلا یا زلزلے نے صبح تک دیوار زنداں کو

بہت از ور پرست جنوں ناصح ایک دن ہا | ترا دامن نہ پکڑے میں چھوڑ کر میرے گریباں کو

ہوائے گل اسے کہتے ہیں لے بلبل کہ جنگل میں | لیے پھرتا ہے ہر اک اس خط اپنے گلستاں کو

میں کہا مست وحشی ہوں جو سب [illegible] | بناتا ہوں [illegible] کی ڈاٹ [illegible] کے گریباں کو

اسیر [illegible] کہاں قسمت کہ پہنچوں اڑ کے پھولوں تک
کبھی چاک قفس سے جھانک لیتا ہوں گلستاں کو

گر دا غیار بیچ میں تو ہو
ہائے کیونکر قضا پہ قابو ہو

جام ہو شیشہ ہو لب جو ہو
یار ہو میں ہوں ساقیا تو ہو

بوسہ کب چاندسی جبیں کا لیا
کیا سبب ہے کہ چین بابرو ہو

آئنہ اور وہ رخ روشن
شانہ ہو اور اُس کا گیسو ہو

عشق ابرو ہے عاشقو مشکل
تیغ باندھو جو زور بازو ہو

بات کہتے زبان کٹتی ہے
کس سے تعریف تیغ ابرو ہو

کیا تمہارا ملے چمن میں نشان
رنگ میں رنگ بو میں بو تم ہو

عاشق چشم بھی شراب پئیں
جام سے ساغر چشم آہو ہو

پاس سے تم اُٹھو تو دل بیٹھے
کبھی خالی نہ اپنا پہلو ہو

قد ہے طوبےٰ تو لب ترے کوثر
وہی فردوس ہے جہاں تو ہو

فکر کس بات کی ہے تم کو امید
کیا سبب ہے کہ [illegible] ہو

وصل کی راحت تو رات سے بسر ہونے دو
شام ہی سے ہے یہ دھکی کہ سحر ہونے دو

ناوک ناز کا پہلو میں گزر ہونے دو
کب سے برباد ہے آباد یہ گھر ہونے دو

دیکھنا کیسی برابر کی پڑینگی چوٹیں
یار کا آئنہ خانے میں گزر ہونے دو

وصل ہو قتل ہو جو مد نظر ہو ہو جائے
یا اِدھر ہونے دو یا مجھ کو اُدھر ہونے دو

جسنے یہ درد دیا ہے وہ دوا بھی دیگا
لادوا ہے جو مرا درد جگر ہونے دو

ہیں غریب اور غریبوں کا خدا والی ہے
ہونے دو سارے زمانے کو اُدھر ہونے دو

تلملاتے ہیں تڑپتے ہیں کبھی کس دن
ہے جو اس پر کبھی خفا درد جگر ہونے دو

پھر سب خاک میں ملجائیگا مغروروں کا
اِک ذرا گور غریباں میں گزر ہونے دو

ذکر رخصت کا ابھی سے نہ کرو بیٹھو بھی
جان من رات گزرنے دو سحر ہونے دو

ہم تصور میں نہ کھینچیں یہ نہ ہوگا ہم سے — لاکھ نازک ہے حسینوں کی کمر ہونے دو

تو سہی مجھ سے سوا صبر تڑپ کر پیچھے — میرے دل تک تو ذرا اُس کا گزر ہونے دو

وصلِ دشمن کی خبر مجھ سے ابھی کچھ نہ کہو — ٹھہرو ٹھہرو مجھے اپنی تو خبر ہونے دو

ہائے وہ وصل کی شب اُن کا ادا سے کہنا — باندھنے دو مجھے جوڑے کو سحر ہونے دو

جاگ کر کاٹتے ہیں ہجر میں ہم بھی راتیں — رتجگے ہوتے ہیں گر غیر کے گھر ہونے دو

شوق سے تم ہو در و بام پہ سرگرم خرام — دونوں عالم ہوں اگر زیر و زبر ہونے دو

آنے دو آنے دو زلفوں کو ذرا گالوں پر — شاہدِ شب کو ہم آغوش سحر ہونے دو

خواب میں آکے وہ بولے مرے ارمانوں سے — بےخبر کو نہ خبردار خبر ہونے دو

چھیڑتے کیوں ہو جوانی میں حسینوں کو امیر
رات ہی بھر کا یہ جوبن ہے سحر ہونے دو

ردیف ہائے ہوز

کتنی ہے گرم دخترِ رز کی ادا تو دیکھ — واعظ ذرا سی پی کے تو اُس کا مزا تو دیکھ

لے گُل بہار جاتی ہے رکھا ہے گھر میں کیا — بلبل کا شُن نہ حال چمن کی فضا تو دیکھ

بُت سنگِ طور کے ہیں نرے سنگ ہی نہیں — زاہد کدھر خیال ہے نورِ خدا تو دیکھ

وہ رُخ بھی لاجواب وہ گیسو بھی برہمن — کعبے کا دیکھنا نہ سہی کالکا تو دیکھ

اب تو نہ بند کر رہ میخانہ محتسب — نکلا ہے چاند عید کا سوے سما تو دیکھ

اُس آستان کو عرش سے تشبیہ دی امیر
پہنچا کہاں رسائی ذہن رسا تو دیکھ

چمن میں غیر بھی آئے جو میرے یار کے ساتھ — ہزار نالے کروں باغ میں ہزار کے ساتھ

خزاں میں کیجیے نہ بلبل سے چھپانے کو — کہ وہ بہار کی باتیں گئیں بہار کے ساتھ

کیا وہ نالہ کہ دل سے نکل گئیں پھانسیں — ہوا میں اُڑتے ہیں خس جس طرح غبار کے ساتھ

مزار سے جو یہ آتی ہے دردناک صدا — ہمیں تو روتے ہیں شمع سرِ مزار کے ساتھ
چُرائے رنج و مشقت سے جی نہ طالبِ عیش — کہ نوش نیش کے ہمراہ گل ہے خار کے ساتھ
شبِ وصال جھگڑنے سے فائدہ کیا ہے — مزہ تو یہ ہے کہ باتیں ہوں چاہ پیار کے ساتھ
بجا ہے آنکھ جو ہے جوشِ گریہ سے بے نور — نظر بھی بہ گئی ہے آنسوؤں کے تار کے ساتھ
عدم کو روح گئی رہ گیا تنِ خاکی — پہنچ سکے نہ پیادہ کبھی سوار کے ساتھ

ذرا ہوئے جو وہ آزردہ اپنی آئی اجل
ابھر پھر گئیں آنکھیں نگاہِ یار کے ساتھ

رکھتے ہو قفس میں جو کمر پر اُٹھا کے ہاتھ — موسے کمر سے باندھ گئے دزدِ حنا کے ہاتھ
چھوٹیں جو اپنے ہاتھ سے اُس دلربا کے ہاتھ — سارے جہان سے بیٹھ رہیں ہم اُٹھا کے ہاتھ
ڈھکا نہ بار بار مرے پاس لا کے ہاتھ — دے ڈال جام کھینچ نہ ساقی بڑھا کے ہاتھ
اب تک تو تیغ یار سے موڑا نہیں ہے مُنہ — آئینہ آن بان ہے اپنی خدا کے ہاتھ
کچھ بھی ہوئی جو دست درازیٔ شبِ وصال — چین جبیں سے اُس نے چھُری لی بڑھا کے ہاتھ
ڈرتا ہوں اور کچھ نہ سمجھ کر وہ چھپ جائے — سینے پر اپنے رکھ نہیں سکتا اُٹھا کے ہاتھ
لیں اُس نے ہاتھ اُٹھا کے جو انگڑائیاں کبھی — جوبن نے کتنے چھین لیے دل بڑھا کے ہاتھ
کب سعی سے اُچھلتے ہیں ڈوبے ہوئے نصیب — دریا کے پار کب ہوئیں موجیں لگا کے ہاتھ
دکھلا کے پاؤں کتنوں کو پامال کر دیا — کتنوں کو تم نے ہاتھ سے کھو یا دکھا کے ہاتھ
دیکھی جو اُسکی زلف میں افشاں ہوا یہ شوق — کیا چاندنی ہے توڑیے تارے بڑھا کے ہاتھ
وہ سخت جان ہوں میں نہ چلا کچھ کسی کا بس — جلّاد بیٹھ بیٹھ گئے سب تھکا کے ہاتھ
کہتا ہے قاتل آپ ہی مرتے تھے جاں نثار — بدنام ہائے مُفت ہوئے ہم لگا کے ہاتھ
قاضی کو شوق بادہ کشی کا ہے آج کل — بنت العنب پڑی ہے عجب پارسا کے ہاتھ
بس میں کسی کے نہ موت ہے میری نہ زیست ہے — بیوہ ہے قضا کے ہاتھ تو وہ ہے ادا کے ہاتھ

واہ امیر ایسا ہو کہنا شعر ہیں یا معشوق کا گہنا
صاف ہے، بندش مضمون روشن ماشاء اللہ ماشاء اللہ

ردیف یاے تحتانی

کیوں وصل کی چرخ کو خبر کی — آمد ہے جو شام سے سحر کی
کیسی آ کر بنی و لن ترانی — تھی ایک صدا اِدھر اُدھر کی
اے یاس نہ دل میں پاؤں پھیلا — پھانسیں نہ چبھیں مرے جگر کی
خط لیتے ہی چلدیا عدم کو — اتنی ہی لکھی تھی نامہ بر کی
نیرنگی چار باغ عالم — گذرتی ہے ترے گدائے در کی
کچھ میری سنو کچھ کہو اپنی — باتیں نہ کرو اِدھر اُدھر کی
خط یار نے اُس طرف کیا چاک — یاں اُڑ گئیں دھجیاں جگر کی
دن بھر مجھے رکھتی ہیں پشیماں — شرمائی وہ چتونیں سحر کی
ہر بات میں ہو زباں سے نکلا — جب ہمنے کہی کہی اُدھر کی
غفلت میں نہ کھو شباب اے دل — یہ رات ہے جان عمر بھر کی
سینے میں نہیں ہے داغ ظالم — اُبھری ہیں یہ چٹکیاں جگر کی
چھا گل کا یہ شور ہو شب وصل — آواز سنوں نہ میں گجر کی
عنقا جسے جانتا ہے عالم — پرچھائیں ہے وہ تری کمر کی
آنکھیں کھولیں بھی بند بھی کیں — وہ شکل نہ سامنے سے سرکی
ہنگامۂ حشر کو جو دیکھا — ڈیوڑھی سمجھا میں تیرے گھر کی

شام شب ہجر و عمر آخر
اُمید امیر کیا سحر کی

دوسرا کون ہے جہاں تو ہے — کون جانے تجھے کہاں ہے تو

لاکھ پردوں میں تو ہے بے پردہ — سو نشانوں پہ بے نشاں تو ہے
تو ہے خلوت میں تو ہے جلوت میں — کہیں پنہاں کہیں عیاں تو ہے
نہیں تیرے سوا یہاں کوئی — میزباں تو ہے میہماں تو ہے
جسم کہتا ہے جان ہے تو ہی — جان کہتی ہے جانِ جاں تو ہے
نہ مکاں میں نہ لامکاں میں کچھ — جلوہ فرما یہاں وہاں تو ہے
رنگ تیرا چمن میں بو تیری — خوب دیکھا تو باغباں تو ہے

محرم راز تو بہت ہیں امیر
جس کو کہتے ہیں رازداں تو ہے

جتنی کمی کہ نامہ سیاہی میں رہ گئی — اتنی ہی دیر عفوِ الٰہی میں رہ گئی
حسرت نہیں وطن کی تباہی میں رہ گئی — کچھ گرد تھی کہ دامن راہی میں رہ گئی
صد شکر عفو میرے گنہ حشر میں ہوئے — حرمت گدا کی مجلس شاہی میں رہ گئی
آنکھ اس نے پھیر لی تو کہاں پھر ہماری زیست — آدھی تو جان نیم نگاہی میں رہ گئی
تھی زار کوئے یار میں کیا جاتی اپنی خاک — اتنی تھی کم کہ اڑ کے ہوا ہی میں رہ گئی
اونچی تو قد یار کو طوبےٰ سے دی مثال — پستی مری بلند نگاہی میں رہ گئی
دیکھو تعلیاں مری تبدیل آہ کی — کیسی لٹک کے عرش الٰہی میں رہ گئی
اوبلے ہوئے نصیب نہ اچھلے کسی طرح — کشتی ابھر ابھر کے تباہی میں رہ گئی
کٹ تو سیہ سے آنکھیں اس سے نہیں دو چار — چمک چمک کے سیاہی میں رہ گئی
ساحل پہ آکے تم نے دکھائیں وہ شوخیاں — پتلی حباب کے دیدۂ ماہی میں رہ گئی
الٰہیں ادھر جھکا تو مرا دل ادھر جھکا — دو ہاتھ پل کے رشتۂ راہی میں رہ گئی
بندہ نواز حشر موڑ گئی تیغ یار بھی — پانی ہوئی نہ بات گواہی میں رہ گئی
صد شکر منہ سے نام محمد نکل گیا — بات بنی بارگاہِ الٰہی میں رہ گئی

ابرو پر اُس کے آ گئی اُڑ کر ہوا سے زلف
کیا رو بہت ہلال سیاہی میں رہ گئی

اللہ رے انقلاب محل ہے نہ قصر ہے
تربت فقط عمارت شاہی میں رہ گئی

صد شکر حق نے میری تواضع قبول کی
اچھی کٹی نشے خزانہ شاہی میں رہ گئی

اُمید ناخدا کی کہاں بحرِ عشق میں
ہاں اک خدا کی آس تباہی میں رہ گئی

اظہار جرم عشق میں کی آہ نے کمی
ایسی زبان دراز گواہی میں رہ گئی

پردے سے اُس کی ذات کو کیا کام تھا امیر
چھپ کر صفات نامتناہی میں رہ گئی

آئینہ ترے حسن کا دل بھی ہے جگر بھی
ہے ایک ہی صورت کہ ادھر بھی ہے اُدھر بھی

خورشید بھی اُس نور کا مظہر ہے قمر بھی
انے ہے بصر و کچھ نہیں آتا ہے نظر بھی

ساقی ہوں تری بزم میں میں تشنہ جگر بھی
صدقے تری آنکھوں کے کوئی جام ادھر بھی

تو چشم سخن گو سے مجھے پوچھ دے اتنا
ہیں باتیں ہی باتیں کہ ہے کچھ مدّ نظر بھی

گھبرائے چلے جاتے ہیں گل کس کی ہے آمد
گھبرائی ہوئی پھرتی ہے کچھ بادِ سحر بھی

کیا پاس نہیں میرے جو تم غیر سے مانگو
پہلو میں مرے دل بھی ہے سینے میں جگر بھی

اللہ رے ناطاقتی و ضعف کا عالم
میں کیا کہ پہنچتی نہیں واں میری خبر بھی

مُنہ مہرِ فلک کا جو اِدھر کو نہیں پھرتا
شاید کوئی معشوق تمہیں سا ہے اُدھر بھی

کیا جانئے کیا حال ہے یارانِ عدم کا
اک عمر ہوئی ہے نہیں آئی ہے خبر بھی

وہ چہرہ پہ نور ہے اک برقِ تجلی
کس آنکھ سے دیکھوں میں ٹھہرتی ہے نظر بھی

بتخانے سے دل اپنا نہ کعبے سے پھرا ہے
کچھ سوچ کے انجام ادھر بھی ہے اُدھر بھی

رک رک کے جو چلتا ہے گلے پر مرے خنجر
کچھ دل میں ہے قاتل کے ترحم کا اثر بھی

کس کس کا گلہ کیجئے یا رب کہ شبِ وصل
دشمن ہے مؤذن کی طرح مرغِ سحر بھی

کیا تنگ ہے جلاّد مری سختی جان سے
ہر وار پہ کہتا ہے کہ ظالم کہیں مر بھی

جوبن مری آنکھوں میں پھرا گلبدنوں کا — گدرائے ہوئے باغ میں دیکھے جو ثمر بھی
رفتار تری دیکھ کے کہتے ہیں فرشتے — اللہ وغنی ایک ہی فتنہ ہے بشر بھی

مقصود مزہ ہے تو امیر اور کہو شعر
ہونگے نہیں پھولوں انہیں پتوں میں ثمر بھی

غیروں سے ہیں باتیں بھی عنایت کی نظر بھی — پر دیکھتے جاتے ہیں کنکھیوں سے ادھر بھی
پیری میں بھی جائیگی جوانی کی نہ غفلت — اللہ ہے جو آنکھ کھلے وقت سحر بھی
سچ کہدو نکل بھاگو ہوتا ہو سے یہ کہکے — لب خشک ہیں ایمان پسینے میں ہو تر بھی
جاتا ہے مجھے وعظ کی محفل میں نہ کر دیر — شتاق ہے گلرنگ سے ساغر کہیں بھر بھی
جب قتل کو آیا ہے مرے غمزۂ قاتل — کیا تیز چھری کھینچ کے نکلی ہے نظر بھی
کیا غم ہے خزاں میں جو نہیں طاقت پرواز — نکلینگی جو کلیاں تو نکل آئیں گے پر بھی
معلوم نہیں کس کو کیا قتل کہ ڈر کر — غائب ہے دہن یار کا روپوش کمر بھی
جاتا ہے جو ہستی سے عدم کو نہیں پھرتا — بے شبہ کوئی شہر ہے دلچسپ ادھر بھی
ہے شوق جو بالوں کے بڑھانے کا تو ایمان — پیدا کرو اس بوجھ اٹھانے کو کمر بھی
پہلو میں مرے رہتے ہیں جی دیتے ہیں تیر — دل ہو کہ جگر دونوں ادھر بھی ہیں ادھر بھی
بیمار ہوں کس کا ہوں کہ آئے جو مسیحا — تعظیم کو اٹھا نہ مرا درد جگر بھی
ڈرتا ہوں شب وصل کی تقدیر بری ہے — آئے نہ کہیں شام کے ہمراہ سحر بھی
ان آنکھوں کی الفت میں پسا ہوں [illegible] — کافی مرے دب جانے کو ہے گرد نظر بھی
ڈرتے ہیں سیہ خانے سے میرے جو دونو — منہ پھیرے ہوئے شمس بھی جاتا ہے قمر بھی
رخ عرش کی قندیل ہے قد شمع تجلی — اللہ کی قدرت کا تماشا ہے بشر بھی

فرقت میں امیر ایسی برستی ہے اداسی
روتے ہیں مرے حال پہ دیوار بھی در بھی

پیکاں ہی ترے تیر کا پہلو میں در آئے
بھنڈا ہو کا بھا یہی اُمید بر آئے

آمد جو شبِ وصل کی سن لے مرے گھر میں
اللہ رے ضد شام سے پہلے سحر آئے

رخصت ترے بیکس کو کرے کون دمِ نزع
ہچکی ہی الٰہی کوئی وقتِ سحر آئے

اللہ رے ستم بیخودیِ عشق کے ہم پر
ہم آپ میں آئے تو کہا تم کدھر آئے

عاشق کی طرف خود نہیں جاتے ہو تو کہدو
کچھ ناوکِ دلدوز ہی تسکین کر آئے

آئے وہ دمِ بازپسیں یوں مرے گھر میں
جس طرح کہیں چاندنی پچھلے پہر آئے

کوٹھے سے نزاکت تو اُترنے نہیں دیتی
تم آنکھوں سے دل میں مرے کیونکر اُتر آئے

ہمسایہ ہی کے کوٹھے پر آئے کبھی وہ ماہ
چاند اور وں کے گھر چاندنی ہی میرے گھر آئے

دیکھی جو مری یاس ترس کھا کے یہ بولے
اللہ کرے اب تری اُمید بر آئے

یاد آئے اگر مجھ کو چمن کنج قفس میں
دامن میں لیے پھول نسیم سحر آئے

ہنس ہنس کے بہت زخمِ جگر چھیڑ رہے ہیں
قاتل وہ لگا ہاتھ کہ دل تک اُتر آئے

کس طرح امیران سے بنا ہے کوئی الفت
دل دینے کو ہر روز کہاں سے جگر آئے

ہیں اشارے یہ تیغِ قاتل کے
آؤ ارماں نکالدوں دل کے

داغ افسردہ ہو چلے دل کے
جھلملائے چراغ محفل کے

شرم لیلےٰ تو مانعِ دیدار
مفت بدنام پردے محمل کے

ہم سے سیکھیں جو طرز نالہ کشی
پھول مُنہ چوم لیں عنادل کے

دل میں آ کر نہ دل سے پھر نکلے
تم تو ارمان بن گئے دل کے

سونے کیا ہیں پڑے ہیں تکیے میں
تھکے ماندے غریب منزل کے

فیصلہ کر رہے ہیں مجنوں کا
بیچ میں پڑ کے پردے محمل کے

غم کو نہیں سے مجھے کیا کام
کسی کونے میں پڑ رہے دل کے

اب تو کپڑے بھی وہ پہنتا ہے
چھاپے دے دیکھ خون بسمل کے

ہوں جو واقف جناب احسان ہے
ہاتھ چومیں کریم سائل کے

کیسے مجنوں کے بن گئے ہیں قیب
پا کے لیلیٰ کو پردے محمل کے

حال دل درد و داغ سے پوچھو
یہ بڑے راز دار ہیں دل کے

موت سے وہ جھڑک کے کہتا ہے
ہٹ نہ آ پاس میرے بسمل کے

پوچھتے ہیں وہ مجھ سے عہد کے دن
کہو کیا جل گیا گلے جل کے

تیر آتے ہی دل کو لے نکلے
اچھے آتے یہ مدعی دل کے

اُس کی رحمت سے لو لگا کر امیر
آڑے آئیگی وقت مشکل کے

وہ بن سنور کے ادھر آتے ہیں جفا کے لیے
مزے ہیں آج دل درد آشنا کے لیے

خیال ہی میں مزے وصل دلربا کے لیے
لیے جو بوسہ تو ہونٹوں سے بھی چھپا کے لیے

مجاز میں بھی ہے اپنی نظر حقیقت پر
بتوں کی راہ میں پھرتے ہیں ہم خدا کے لیے

خدا کی شان جو شوخی سے آشنا ہی نہیں
ترس رہی ہیں وہی آنکھیں اب حیا کے لیے

زبان زخم ہیں خنجر وہ دکھ کے کہتے ہیں
کہ بے زبان تجھے دیتے ہیں مرحبا کے لیے

لگاؤ لگا شب وصل انکو پھول داغوں کے
لگا رہا ہوں یہ ڈالی اک آشنا کے لیے

ہچکیاں نہیں آتی ہیں نزع میں پیہم
بٹھائی جاتی ہے ڈاک آمد قضا کے لیے

وہ آئیں نزع میں حلق نہیں زبان نہ چلے
نگاہ یاس تو ہے عرض مدعا کے لیے

ہم اخیر تو ترسا نہ اپنے جلوے کو
مسافروں پہ ترس کھا ذرا خدا کے لیے

نگاہ لطف بھی خالی نہیں زبان نہ چلے
کسی ادا کو تو رکھ چھوڑیے حیا کے لیے

ہوس کے وصل کی ہے آرزو کہ یاس بھی اب
دعائیں مانگ رہی ہے مری دعا کے لیے

دل و جگر کو مرے تاک کر وہ کہتے ہیں
نشانے خوب ہیں یہ ناوک جفا کے لیے

ٹپک رہی ہے مرے بال بال سے حسرت
درست کرتی ہے کیوں بار بار مشاطہ

یہ سب زبانیں ہیں اظہارِ مدعا کے لیے
شکست عیب نہیں گیسوِ دوتا کے لیے

امیر کعبے کو جاتا ہوں میں تو دیر سے بُت
پکارتے ہیں اِدھر بھی ذرا خدا کے لیے

کہہ رہی ہے حشر میں وہ آنکھ شرمائی ہوئی
ہائے کیسی اس بھری محفل میں رسوائی ہوئی

ٹھوکریں کھلوائیگی یہ چال اٹھلائی ہوئی
کیا جوانی پھرتی ہے جوبن پہ اترائی ہوئی

آئنے میں ہر ادا کو دیکھ کر کہتے ہیں وہ
آج دیکھا چاہیے کس کس کی ہے آئی ہوئی

جان بلب حسرت میں پاتی ہے جو مجھ ناشاد کو
کیا ہنسی پھرتی ہے ان ہونٹوں پہ اترائی ہوئی

کھل گیا جوبن تو عصمت سے حیا نے یہ کہا
ایک انگڑائی سے ہم دونوں کی رسوائی ہوئی

کہہ تو اے گلچیں اسیرانِ قفس کے واسطے
توڑ لوں دو چار کلیاں میں بھی مرجھائی ہوئی

میں تو رازِ دل چھپاؤں پر چھپا رہنے بھی دے
جان کی دشمن یہ ظالم آنکھ للچائی ہوئی

کیفِ مستی میں بھی رہتا ہے یہ جوبن کا لحاظ
انکو انگڑائی بھی آئی ہے تو شرمائی ہوئی

موت آتی روح جاتی ہے کرے کون اہتمام
اک نگاہِ واپسیں پھرتی ہے گھبرائی ہوئی

کیوں ترے لب پر تبسم مجلسِ ماتم میں ہے
یہ ہنسی بھی کیا مرے پھولوں میں ہے آئی ہوئی

آنکھ اُٹھے پردہ ہٹے یہ بھی ہے کوئی دیکھنا
آڑ میں گھونگھٹ کی آنکھ اور وہ بھی شرمائی ہوئی

وصل کی شب واہ رہی بیتابیِ شوقِ وصال
شرم بھی نیچی نگاہوں سے تماشائی ہوئی

غمزہ ناز و ادا سب میں حیا کا ہے لگاؤ
ہائے رے بچپن کہ شوخی بھی ہے شرمائی ہوئی

جو ادا کی جس حسیں نے میری آنکھوں نے کہا
ہیں یہ سب پائے نگہ کی ٹھوکریں کھائی ہوئی

وصل میں خالی ہوئی اغیار سے محفل تو کیا
شرم بھی جائے تو میں جانوں کہ تنہائی ہوئی

اُٹھ گیا پردہ تکلف کا جب اُٹھے جب نکے ہاتھ
آکے حسن و عشق میں مشاطہ انگڑائی ہوئی

کیا پھلے پھولے گی اُمید دلِ پُر آرزو
یاس کے دامن میں ہے یہ پرورش پائی ہوئی

گرد اڑی عاشق کی تربت سے تو جھنجلا کر کہا
واہ سر پر چڑھنے لگی پاؤں کی ٹھکرائی ہوئی

شعر گلدستے ہیں مجھ افسردہ دل کے کیا امیر
دامنِ گلچیں میں کچھ کلیاں ہیں مرجھائی ہوئی

کیا رنگ کہوں ضبطِ نفس پاسِ ادب کے
پس پس گئی فریاد مری ہونٹوں میں دب کے

وہ آکے تصور میں جدا ہو گئے کب کے
ہم لے رہے ہیں بوسے ابھی تک رخ و لب کے

غمزے رمضان میں ہیں وہی بنتِ عنب کے
شعبان کے کام آئے نہ اعمال رجب کے

ٹھہریں کہیں محشر میں بھی بے جرم نہ مجرم
کشتے تری آزردگی غیر سبب کے

جس نخل کے سائے کے تلے راہ میں ٹھہرے
ہم راہرو زار وہیں رہ گئے دب کے

دیوانو گلستاں کو چلو بادِ بہاری
پتے جو اڑا لائی ہے خط ہیں یہ طلب کے

الٹیں تو وہ محشر میں ذرا چہرے سے پردہ
آگے ابھی ہو جائیں گے پیچھے ہیں جو سب کے

ایک ایک گھڑی روزِ قیامت سے بڑی ہے
کس طرح کٹیں چار پہر ہجر کی شب کے

لیں ساتھ مجھے ڈرتے ہیں کیوں حضرتِ موسےٰ
طالب ہیں وہ خود دیدۂ دیدار طلب کے

بتلائیں گے کیا مجھ کو یہ دربار کا آئین
خود ہوش ٹھکانے نہیں خدامِ ادب کے

آئینے حسینوں تلک آنے بھی نہ پائے
افسوس یہ ہے ہم ہوئے حاکم نہ حلب کے

کس مے کے ہیں سائل یہ حبابِ لبِ دریا
خالی ہے جو ایک ایک قدح ہاتھ میں سب کے

معشوقِ حقیقی میں بھی گرمی کی ہیں باتیں
قرآن میں بھی آئے ہیں آیات غضب کے

واعظ کا کسے ڈر ہے جو ساقی ہے سلامت
ہم مست تو ملتے نہیں گردن بھی دبا کے

گھر بیٹھے ہمیں ہاتھ لگے منزلِ مقصود
جب توڑ کے ہم بیٹھ رہے پاؤں طلب کے

جب تیغ تری آکے گلے ملتی ہے قاتل
آتے ہیں ہمیں یاد مزے وصل کی شب کے

ہر ماہ میں دیکھا کیے وہ مصحفِ رخسار
اس سال میں سب چاند ہوئے ہم کو رجب کے

سنتے ہیں کہ آئیں گے حسین فاتحہ پڑھنے
دن پھرتے نظر آتے ہیں کچھ گور کی شب کے

کوسوں کا تفاوت ہے وفا اور جفا میں
ہیں گور کا تمہاری ہوں نہ تم ہو مرے ڈھب کے

وہ فتنہ ہے تو تن میں ترے چار عناصر
ہیں تجھ سے آفت کے قیامت کے غضب کے

باقی ہے امیر اب تو فقط جان کا جانا
ہوش و خرد و تاب و تواں جا چکے کب کے

رند و جو ملو حضرت قاضی سے تو دب کے
سمجھو کہ بزرگوں میں ہیں یہ بنت عنب کے

دیوانو پری بن کے بہار آئی ہے اب کے
غمزے ہیں قیامت کے تو عشوے ہیں غضب کے

کیا رعب جنوں وادیِ وحشت میں ہے اب کے
کانٹے بھی مرے چھالوں سے ملتے ہیں تو دب کے

سمجھانے ہیں آؤ کبھی اے حضرت زاہد
دیکھو کہ تماشے ہیں عجب قدرت رب کے

سو لینے دے اے قبر ہم اٹھ لیں تو دبانا
آئے ہیں بھرے نیند میں جاگے ہوئے شب کے

اچھے وہ رہے سامنے اللہ کے او بت
جو بیٹھنے والے تھے تری بزم ادب کے

ساقی نے مجھے آنکھیں دکھا کر یہ کہی بات
دو جام مرے پاس ہیں یہ آپ کے ڈھب کے

افلاک نے چمکائے ستارے تو میں سمجھا
نقشے یہ اڑائے ہیں تری بزم طرب کے

دل ہی میں رہے جاتے ہیں سب حوصلے افسوس
کیا کیجئے معشوق نہیں ملتے ہیں ڈھب کے

ٹھوکر سے مرا سر نہ ہٹاؤ نہ ہٹاؤ
دیکھو کہیں کھل جائیں نہ یاں ہاتھ ادب کے

معلوم نہیں خون شہید ان کی تمہیں قدر
مہندی بھی ہے یاں باندھے ہوئے ہاتھ ادب کے

جی بھر کے تڑپتے انہیں چھاتی سے لگاتے
دل اور بھی دو چار جو ملتے اسی ڈھب کے

جی چاہے جہاں جائیں حسیں کون ہے مانع
ہمراز نہیں کچھ جو رہوں ساتھ میں سب کے

ہر مرتبہ کہتے ہو کہ ہم جاتے ہیں گھر کو
سب باتیں نہیں تو اچھی ہیں فقرے ہیں غضب کے

ہر صبح جو ہوتے ہیں عیاں خط شعاعی
لوگوں کو خط آنے ہیں ادھر سے یہ طلب کے

زلف سیہ حور ہو یا تیرگی گور
دونوں یہ نمونے ہیں مری ہجر کی شب کے

زاہد انہیں لوگوں کو وہاں چاہیئنگی حوریں
جو چاہنے والے ہیں یہاں بنت عنب کے

شاخوں پہ نہیں پھول یہ تختوں پہ ہیں پریاں
دیوانو بہار آئی نئے رنگ سے اب کے

ماتم میں مرے خاک ہوا نے یہ اڑائی
جو گاڑنے آئے تھے وہ خود رہ گئے دب کے

قرآن میں امیر آئے ہیں حوروں کے جو اوصاف
در پردہ وہ انداز ہیں سب حسن طلب کے

نازکی کہتی ہے تسمہ تو لگا رہنے دے
ناز کہتا ہے لگی میری بلا رہنے دے

عشق کے راز کو پنہاں کوئی کیا رہنے دے
داغ کچھ درد نہیں ہے کہ چھپا رہنے دے

خلشِ نوکِ مژہ کا نہ گلا سے دل شکوہ
کیا مزے کی ہے یہ پھانس اسکو چبھا رہنے دے

اہل اس دور میں ایسی نہیں سنتا کوئی
تذکرہ اس قصے کو اب ذکرِ وفا رہنے دے

بے پر و بال ہوں طاقت نہیں اڑنے کی صبا
اک ذرا شاخِ نشیمن کو جھکا رہنے دے

روسیہ ہوں سرِ محشر نہ بلا اور نہ حشر
مجھکو تو خاک کے پردے میں چھپا رہنے دے

اے نمک پاش خدا کے لیے چٹکی نہ بھرے
کوئی دم اور تڑپنے کا مزہ رہنے دے

سو بلائیں ہیں مرے ہوش کی دشمن شبِ وصل
لے اڑیں اور ادائیں جو حیا رہنے دے

درد بیدرد مرے دل کو ستاتا کیوں ہے
چپ پڑا ہے یہ غریب اسکو پڑا رہنے دے

جب وہ بت ہی نہیں جنت میں تو جنت کیسی
ایسی جنت سے تو دوزخ میں خدا رہنے دے

بیقراری جو اٹھاتی ہے تجھے اس در سے
ضعف کہتا ہے نہ چھیڑ اسکو پڑا رہنے دے

دل لیا صبر لیا ہوش لیا جان ہی چھوڑ
کچھ تو گھر میں مرے اے دزدِ حنا رہنے دے

کثرتِ رنج سے رو رو کے نہ کر دل خالی
یہ بھرا گھر نہ اجاڑ اس کو بسا رہنے دے

دل شکستوں کی نہ توڑ آس کہ کھائے یاس
آسرا آسرے والوں کا لگا رہنے دے

اے فلک گورِ غریباں کو تو برباد نہ کر
اس لٹے قافلے کا کچھ تو پتا رہنے دے

اک کھٹک سی ہے مزے کو ہیں دو کانٹے جنوں
کوئی کانٹا کسی تلوے میں چبھا رہنے دے

سو جگہ صدقے گئے ان چھالوں پہ امیر

ذکر پھولوں کا یہاں بادِ صبا رہنے دے

لوٹ ہو جیں پہ تبسم وہ دہن کس کا ہے
ہائیں سنتے ہیں وہ اندازِ سخن کس کا ہے

فتنے پیستے ہیں یہ بے ساختہ پن کس کا ہے
حشر کی کچھ نہیں چلتی یہ چلن کس کا ہے

پوچھ اے تیغِ ادا تیغِ قضا سے چل کر
تیرے چلتے ہوئے فقروں میں چلن کس کا ہے

تو اُسے لائے مرے گھر نہیں باور آتا
یہ نیا شعبدہ اے چرخِ کہن کس کا ہے

پھونک دیتی ہے دو عالم کو ہوائے دامن
تجھ میں اے گرمیِ رفتار چلن کس کا ہے

بات پھنس پھنس کے نکلتی ہے ہنسی لپ لپ کر
اسقدر تنگ سوا تیرے دہن کس کا ہے

چُبھ رہی ہیں دل پر داغ میں پلکیں کس کی
تلتے ہیں پھولوں میں کانٹے یہ چمن کس کا ہے

گھر اُجڑتے بھی ہیں بستے بھی ہیں لیکن اے روح
جو اجڑ کر نہ بسے پھر وہ وطن کس کا ہے

دیر سے ہم گئے کعبے کو تو کعبے نے کہا
آ نئے رہیے یہ گھر قبلۂ من کس کا ہے

تیر چٹکی میں کمان ہاتھ میں تجھ سے قریب
انتظار اب تجھے اے تیر فگن کس کا ہے

میں تو ہوں غش میں وہ کہتے ہیں سنگھا کر مجھ سے
بوجھ تو جاؤ کہ یہ سیبِ ذقن کس کا ہے

نظر آتی ہے کہیں جب نئی چادر کوئی
دل دھڑکتا ہے کہ یارب یہ کفن کس کا ہے

دیکھ کر خط تیرے گالوں پہ یہ کہتی ہے بہار
کانٹے پھولوں سے ہیں نازک یہ چمن کس کا ہے

بولے مجھ زار کی تربت میں نکیرین امیر
لاش تو ہے نہیں خالی یہ کفن کس کا ہے

نہ سُنے دردِ دل مرا نہ سُنے
میں کہوں گا سنے وہ یا نہ سُنے

دل کی یارب سنا وہ دلربا نہ سُنے
ایسی حسرت بھری صدا نہ سُنے

یوں وہاں چل کہ پاؤں کی آہٹ
پاسباں کیا ہے نقشِ پا نہ سُنے

کسی نا آشنا کا کیا شکوہ
آشنا کی جب آشنا نہ سُنے

لاکھ دلچسپ ہے مرا قصہ
مگر اُسنے کبھی سُنا نہ سُنے

جو کسی کو بُرا بھلا نہ کہے
وہ کسی سے بُرا بھلا نہ سُنے

دل وہاں ٹھنڈی سانسیں لیتا ہے
کوئی فقرہ جلا بھنا نہ سُنے

خواہش وصل پر وہ شوخی سے
بولے بس جانے دو حیا نہ سُنے

وائے قسمت جو سب کی سُنتا ہے
وہ بھی عاشق کی التجا نہ سُنے

دل جو کہتا ہے بے اثر ہے دوا
درد کہتا ہے چپ دوا نہ سُنے

پھول آہستہ توڑا ہے گلچیں
دیکھ ظالم کہیں صبا نہ سُنے

وعدۂ وصل چپکے چپکے ہو
غمزہ عشوہ ادا حیا نہ سُنے

حال پھولوں کا جو خزاں نے کہا
کہیں بلبل وہ ماجرا نہ سُنے

میری فریاد رائگاں تو نہ ہو
بُت ہی سُن لیں اگر خدا نہ سُنے

درد پر دل منتشار دل پر درد
ایسے دیکھے ہیں آشنا نہ سُنے

نالے میرے سنے وہ اور تڑپے
میں سُناؤں اگر تو کیا نہ سُنے

بہت اے دل وفا وفا نہ پکار
کہیں وہ دشمن وفا نہ سُنے

میں تو سُنتا ہوں تو جو کہتا ہے
اے ستمگر مگر خدا نہ سُنے

رات تھوڑی سی حسرتیں بےحد
کیا کرے کیا سُنے وہ کیا نہ سُنے

ناز اُٹھوانی ہے تقضا مجھ سے
کہیں اُس شوخ کی ادا نہ سُنے

جو کوئی درد آشنا ہو امید
ادھر آئے مرا فسانہ سُنے

منہ پہ کہدیں گے ہم قیامت کے
ہیں یہ فتنے کسی کے قامت کے

پھر وہ چمکے نصیب فرقت کے
تم چلے دن پھرے قیامت کے

چھپتی پھرتی ہیں حسرتیں پس مرگ
کونے گوشے میں میری تربت کے

اس ادا سے چلے وہ حشر کے دن
فتنے پس پس گئے قیامت کے

پھلے جاتے ہیں روٹھے بیٹھے ہیں
کیا گلے ہیں میری شکایت کے

عیش کر لو نئی جوانی ہے
یہی دو چار دن ہیں فرصت کے

ہجر کی ایک شب نے دکھلائے
سیکڑوں دن مجھے قیامت کے

جلوۂ بزم عیش و سیرِ چمن
ہیں ترارے سمند دولت کے

دیکھ کر دخترِ رز کو پگھلے شیخ
اب تو ٹھنڈے وضو ہیں حضرت کے

رتبہ دیکھو ہمارے نالوں کا
کنگرے ہیں قصورِ جنت کے

کیا کیا کوہکن سے شیریں نے
بھاگ سائے سے بے مروت کے

ناز کی طرح اُٹھے گا تابوت
ہم ہیں کشتے تری نزاکت کے

باغ لوگوں کو ہم کو داغ ملے
تھے یہی پھول اپنی قسمت کے

دل کی افسردگی ہے مرکے وہی
جھلملے ہیں چراغ تربت کے

ہفت دوزخ کو جانتا ہے اسیر
گرم فقرے تری شرارت کے

دل میں جو داغ ہیں ندامت کے
پھول ہیں سب یہ باغ جنت کے

سوکھے جب پھول میری تربت کے
رو پڑے سقّے سحابِ رحمت کے

وصل کے دن قریب آتے ہی
جوڑ چلنے لگے نزاکت کے

کہتے ہیں عاشقوں سے اب اُٹھئے
مرے جاتے ہیں پان رخصت کے

دل مرا اور آرزو تیری
جان صدقے ہو ایسی حسرت کے

تیری صورت بنا کے بیٹھ رہے
کارکن کارگاہِ صنعت کے

کیوں نہ ہو رنگ آنسوؤں کا سیاہ
ہیں عزادار دل کی حسرت کے

ہو گئے سرخ ہونٹھ باتوں میں
واہ کیا رنگ ہیں نزاکت کے

دونوں عالم ہوئے تہ و بالا
تم تھے پردے میں کیا قیامت کے

قدنے گیسو کو سر چڑھایا ہے | سرو سے بھی بلند سایا ہے
خود نہیں ابر گھر کے آیا ہے | شوق مستوں کا گھیر لایا ہے
روح پھر آگئی بدن میں مرے | دیکھو تربت پہ کون آیا ہے
سجدے کرتے ہیں طاقِ ابرو میں | ہمنے کعبہ نیا بنایا ہے
مشرب صلح کل میں اے زاہد | دیر بھی اک حرم کا سایا ہے
طرفہ آفت ہے روزِ فرقت بھی | حشر نے راس اسے بٹھایا ہے
دیدۂ تر سے کرکے ہم چشمی | کیا سمندر نے غوطہ کھایا ہے
گیسوؤں سے ضیائے رخ ہے عیاں | نورِ مہتاب چھن کے آیا ہے
کھیلتے ہیں وہ غیر سے ہولی | دل لہو ہو کے رنگ لایا ہے
ہو بہو چین زلف میں ہوگا | ہم نے دل کا پتہ لگایا ہے
نقدِ طاعت جو روز کرتے ہیں نذر | خلد کا پیشگی کرایا ہے
اُنس پیکاں سے کیوں نہ ہو دل کو | اپنا ہمشکل یار پایا ہے

گھڑیوں روئے ہیں ہم امیرؔ لہو
زخم کوئی جو مسکرایا ہے

کیوں وہ شرمائیں اپنے دربان سے | حوریں چھپتی نہیں ہیں رضوان سے
نشتر اُنکی نکیلی پلکوں کے | مانگتے ہیں لہو رگِ جان سے
آبلے دل کے جب دکھاتا ہوں | چھیڑ دیتے ہیں نوکِ مژگان سے
پھنسکے بلبل نے دام میں یہ کہا | آب و دانہ اُٹھا گلستان سے
نخلِ اُمید یوں ہی ہیں سرسبز | سینچیئے اسکو آبِ پیکان سے
چاک کرنیکی وضع پوچھتی ہے | صبحِ محشر مرے گریبان سے
چاندنی کو اگر چمکنا ہے | مانگ لے ذرّے اسکی افشان سے

وشتِ وحشت سے پیشتر اُٹھے
آگے چل نکلے ہم گریبان سے

یادِ مژگاں ہوئی پیامِ اجل
خون آنے لگا رگِ جان سے

برگِ گل لکھ ہاے ابر نہیں
تیرے دامن مرے گریبان سے

پھول جھڑتے نہیں خزاں میں امیر
روٹھے جاتے ہیں گل گلستان سے

شکل آئینہ جو حیرت ہوگی
دیکھ لینے کی تو صورت ہوگی

کچھ تو پچھ جائیں گے آنسو میرے
لاش پر تم کو جو رقت ہوگی

کہتے ہیں آئیں گے ہم بھی پئے دفن
کنگھی چوٹی سے جو فرصت ہوگی

وصل میں شام سے یہ خوف رہا
صبح کو کیا مری حالت ہوگی

لوگ کہتے ہیں کہ بجلی چمکی
میری آہوں کی شرارت ہوگی

دوڑ ساقی کہ ترے مستوں کو
ہوش آیا تو قیامت ہوگی

نزع میں ہوں نہ چُراؤ آنکھیں
دیکھو پھر تم کو بھی حسرت ہوگی

کب تلک اے شیخ حسینوں سے گریز
یہی حوروں کی بھی صورت ہوگی

ہے یہی چال تو دو ہی دن میں
آگے تم پیچھے قیامت ہوگی

گرد اے حور ترے کوچے کی
اڑ کے بوئے گلِ جنت ہوگی

یادِ خوباں ہے تو کیا رنجِ فراق
شبِ غم حور کی صورت ہوگی

دم لبوں پر ہے بہت دیر نہیں
آئیے جلد فراغت ہوگی

آئنہ دیکھیے ہنسیے نہ مجھے
آپ کی بھی یہی صورت ہوگی

بیخودی شیشہ نہ ٹوٹے کوئی
مجھ کو ساقی سے خجالت ہوگی

لاش اُس حور کے کوچے میں گڑی
روح اب داخلِ جنت ہوگی

ہم بھی محشر میں طلب ہونگے امیر
کیا قیامت میں قیامت ہوگی

نہ اُٹھو نزع میں حسرت ہوگی
یار پھر کا ہے کو صحبت ہوگی

آپ گھر غیر کے جائیں ہم بھی
مر ہی جائیں گے جو غیرت ہوگی

یہی بیتابیِ دل ہے تو مجھے
مر کے بھی خاک نہ راحت ہوگی

وہ تو ہونے کے نہیں گرمِ خرام
کون کہتا ہے قیامت ہوگی

رہ سیئے گا نہ مرے ماتم میں
قبر میں مجھ کو اذیت ہوگی

گرمیِ مہر قیامت کیسی
طپشِ دل کی شرارت ہوگی

ہم سے دیوانے اگر جمع ہوئے
کیا پریشان قیامت ہوگی

کشتہ اک چاند سے رخسار کا ہوں
چاندنی چادرِ تربت ہوگی

آنکھ اُس حور کو تکتے تکتے
نرگسِ گلشنِ جنت ہوگی

یہ اُٹھا دینے کی حکمت ہے نئی
کہتے ہیں پھر بھی زیارت ہوگی

دل اُٹھاؤنگا میں اُس سے ناصح
ناز اُٹھانے سے جو فرصت ہوگی

میں نے شکر ان کا کیا غیروں سے
اُن کو اس کی بھی شکایت ہوگی

آئنہ دیکھنے دو اُن کو امیر
دیکھنا اور ہی صورت ہوگی

اُٹھا پردہ تو شرم حائل ہوئی
نہ پتلی سے پتلی مقابل ہوئی

طبیعت کہیں اُن کی مائل ہوئی
جو پازیب تھی وہ سلاسل ہوئی

جبھی اُس شمع رو سے مقابل ہوئی
چراغِ سحر شمعِ محفل ہوئی

بڑھا ہجر میں اس قدر ضعفِ دل
مجھے سانس لینی بھی مشکل ہوئی

چھپا دخترِ رز کو پیرِ مغاں
جوان ہو کے پردے کے قابل ہوئی

اجل آ گئی اپنی پیری میں یاد
سحر کو جو گل شمعِ محفل ہوئی

[illegible] اس نازک کی میان سے
کہ بیچ میں رکھنے کے قابل ہوئی

شبِ غم جو اُس زلف کا تھا خیال
بلا بھی پری بن کے نازل ہوئی

ہوا وصل اُس سے تو اک دم کے دم
یہ سمٹی کہ شب آنکھ کا تل ہوئی

ہوا گرم رحمت کا جب محکمہ
مرے جرم کی فرد باطل ہوئی

شبِ غم کی صورت نہ نکلی کبھی
بلا جو مرے گھر میں نازل ہوئی

کچھی قتل گہ میں جو تیغ ادا
قضا شوق سے بڑھ کے بسمل ہوئی

وہ لاغر ہوں باہر جو ہوں آپ سے
تو سمجھوں کہ طے کوئی منزل ہوئی

جوانی کے دن آئے نام خدا
وہ گات اب اچھپانے کے قابل ہوئی

ہوا دونوں آنکھوں سے یہ جوشِ اشک
کہ گنگا سے جمنا مقابل ہوئی

نظر بھر کے دیکھا یہ کس مست نے
کہ سرشار محفل کی محفل ہوئی

بڑھی قید غم دیکھ کر زلفِ یار
مرے دل کی الجھن سلاسل ہوئی

چھری تیری مژگاں کی ایسی ہے تیز
کہ ساقی بطِ مے بھی بسمل ہوئی

وہاں باغ میں کی قبا گل نے چاک
یہاں ٹکڑے ٹکڑے سلاسل ہوئی

میں دیوانہ کیوں ہوش میں آگیا
یہ کیسی مری عقل زائل ہوئی

پڑھا ماعرفناک برسوں امیر
تو کچھ معرفت اس کی حاصل ہوئی

حجابِ نور ایسا درمیاں ہے
عیاں ہو کر وہ آنکھوں ہی نہاں ہے

رقیبوں پر جو وہ بت مہرباں ہے
ہمارا حق نصیبِ دشمناں ہے

نزاعِ مرگ و ہستی اب کہاں ہے
قدم خنجر کا تیرے درمیاں ہے

کہیں نہ ایک بوسے پر جو دوں دل
کہ مال اچھا اگر قیمت گراں ہے

ہوا تو ہے ترے عشاق مہ جبیں
جدھر تو اُس طرف عالم رواں ہے

کہو لیلیٰ سے اب پردہ الٹ دے
ترے ناقے کا مجنوں ساربان ہے

اُٹھا جب ابر دوڑے مست بیخود
زلیخا کیا جو تم کو دیکھ پائیں
ہزاروں خوبرو رہتے ہیں اس میں
تڑپ کر کہتے ہیں مژگاں کے کُشتے
یہ وقتِ مرگ لیلیٰ کی دعا تھی
تم اپنے پاؤں سے کانٹے نکالو
نہیں ہو بے سبب میری بے قراری
صدا یہ تیشۂ فرہاد کی تھی

فلک کیا میفروشی کی دکاں ہے
کہیں یوسف بھی کیا اچھا جواں ہے
یہ دل بھی کیا تماشے کا مکاں ہے
یہ لذّت زخمِ خنجر بھی کہاں ہے
الٰہی خوش رہے مجنوں جہاں ہے
مجھے اے ہمرہو فرصت کہاں ہے
کوئی شاید کسی کا میہمان ہے
ارے تیری مشقت رائیگاں ہے

کرے دو حصّے مجھ کو تیغ اُس کی
امیر ایسی مری قسمت کہاں ہے

مہر الفت میں تیری جلتا ہے
ہے زمانہ بھی کیا ترا بیتاب
شمع کہتی ہے یہ پتنگوں سے
حوریں کیونکر نری زباں سیکھیں
سوزِ غم بعدِ مرگ بھی ہے وہی

صبح کا تجھ پہ دم نکلتا ہے
رات دن کروٹیں بدلتا ہے
کہو پہلے سے کون جلتا ہے
لب و لہجہ کہیں بدلتا ہے
ہڈیوں سے دھواں نکلتا ہے

ہے گلرنگ یہ نہیں ہے امیر
دہن شیشہ لعل اُگلتا ہے

بدن میں جان شبِ وصل داستاں آئی
ہزار طوطی و بلبل نے مشق پیدا کی
بہار جوش پہ ہے منتشر ہے ہیں پھولوں میں
کہا جگر نے کہ اب چھیڑیے مرا قصّہ

اجل ہوا بھی ہوا اسوقت تو کہاں آئی
نہ اسکو آئی نہ اُسکو مری زباں آئی
ذلیل ہو گی جو اب باغ میں خزاں آئی
جو خاتمے پہ کبھی دل کی داستاں آئی

پھری نہ مرضیٔ جلاد سے کبھی گردن
ہزار بار تہ تیغ امتحان آئی

وہ بادہ کش ہیں قدم جھک گئے امیر وہیں
جو میفروش کی ہم کو نظر دکان آئی

کوے جاناں میں ہوئی ہے شہادت میری
دامن حور کے سایہ میں ہے تربت میری

آج کل آئنۂ یار ہے حیرت میری
چڑھتی ہے منہ پہ سکندر کے بھی قسمت میری

پیچ میں عشق کے ہوں پیچ ہے یہ ہمّت میری
تیرے گیسو سے بھی بل کرتی ہے قسمت میری

ہنس کے فرماتے ہیں وہ دیکھ کے حالت میری
کیوں تم آسان سمجھتے تھے محبت میری

پھیر لیتا ہے مجھے دیکھ کے منہ آئینہ
میرے آگے سے سرک جاتی صورت میری

سو پہ پچانے سرے دشت جنوں کے صدقے
تخت پریوں کے اُڑا لاتی ہے وحشت میری

یاد آتی ہے رہِ فکر جو وہ طرز خرام
ناز کرتی ہوئی چلتی ہے طبیعت میری

کیا وفادار ہے ناگور مرا ساتھ دیا
میرے گھر تک مجھے پہنچا گئی غربت میری

چارہ گر مجھ سے مکدر ہے الٰہی کیا ہے
آج مٹی ہوئی جاتی ہے طبیعت میری

کس سے شرماتے ہو تم وصل میں یاں غیر نہیں
میں ہوں یا ایک مرے پاس ہے حسرت میری

ہو چکے قتل دو عالم تو کہا ظالم نے
آج کچھ رنگ پہ آئی ہے طبیعت میری

چاہ سے قتل کرو پیار سے مٹی دیدو
ہائے اتنی بھی نہیں تم کو مروّت میری

میں نے آغوشِ تصور میں بھی کھینچا تو کہا
پس گئی پس گئی بیدرد نزاکت میری

ہاتھ جوبن تلک اُنکے تو پہنچتا ہی نہیں
چٹکیاں دل میں مرے لیتی ہے حسرت میری

لامکاں میں نہ پتا ہے نہ مکاں میں میرا
مجھ کو کیا جانے کدھر لیگئی وحشت میری

بیدھڑک وصل میں چلاؤ نہ اتنا دیکھو
کہیں گھبرا کے نکل آئے نہ حسرت میری

جرم الفت سے میں انکار اگر کرتا ہوں
آئینہ سامنے رکھ دیتی ہے حسرت میری

یار پہلو میں ہے تنہائی ہے کہدو نکلے
آج کیوں دل میں چھپی بیٹھی ہے حسرت میری

حور آئی مری تربت پہ تو میں یہ سمجھا
آزماتے ہیں ابھی تک وہ محبت میری

تجھ سے اے باد صبا مجھ کو یہ امید نہ تھی
پھول پھولوں کو ترس جائیگی تربت میری

کس ڈھٹائی سے وہ دل چھین کے کہتے ہیں امیرؔ
وہ مرا گھر ہے رہے جس میں محبت میری

بعد مرنے کے بھی چھوڑی نہ رفاقت میری
میری تربت سے لگی بیٹھی ہے حسرت میری

ایسی نازک ہے ترے ہجر میں حالت میری
تو بھی چاہے تو نہ نکلے کوئی صورت میری

دھوم ہے روز قیامت کی قیامت کیسی
آئی ہے بھیس بدلکر شب فرقت میری

پھول داغوں کے مرے دل میں جو دیکھے تو کہا
کیا ریاں خوب بناتی ہے محبت میری

چین سے حور کے آغوش میں میں سوتا ہوں
سیج فردوس کے پھولوں کی ہے تربت میری

آئنہ دیکھ کے شرمائے تو ہنسکر بولے
اب تو مجھ سے بھی لجانے لگی صورت میری

توبہ کی جان کو بجلی ہے چمک بجلی کی
بدلی آتے ہی بدل جاتی ہے نیّت میری

مسّی سرمے کے لیے قاف میں پریاں لیجائیں
کہیں نکلے تو ترے دل سے کدورت میری

در قاتل کا پتا دیتی ہے مشتاقوں کو
خضر بن بیٹھی ہے اس کوچے میں تربت میری

وصل میں چھیڑ کا شکوہ نہ زباں پر لانا
چوم لیگی ترے ہونٹوں کو شکایت میری

کہتے ہیں مال ہے میرا تو مجھی کو دیدو
کیوں بغل میں لیئے بیٹھے ہو محبت میری

آئنہ صبح شب وصل جو دیکھا تو کہا
دیکھ ظالم یہی تھی شام کو صورت میری

توبہ بھی سر کے خُم مے کا نہ چھپا چھوڑا
مُہر کی طرح لگی رہتی ہے نیّت میری

مجھ کو کیا غم نہیں دیتے ہیں وہ مٹی تو نہ دیں
خاک میں تجھ کو ملا دے گی کدورت میری

کہتے ہیں اپنی نزاکت کے میں صدقے جاؤں
کہ بچا لیتی ہے یہ وصل میں عزّت میری

جسطرف دیکھ لیا اس نے وہ چلّا اٹھا
دیکھیے دیکھیے وہ آئی طبیعت میری

بیخودی نے کیا بال و پر عنقا پیدا
میرے گم ہوتے ہی عالم میں ہے شہرت میری

دخترِ رز کہتی ہے واعظ سے کہیں کچھ ہی ہوں
مگر اللہ کے گھر میں تو ہے حرمت میری

قہر ہے حشر میں یہ کہکے چھڑایا مجھ کو
جانے دے اس کی طرفدار ہے رحمت میری

آرسی آئینہ چوری میں ہیں دونوں اُستاد
جب بچی آنکھ چرا لیگئے حیرت میری

جب میں جانوں کہ بدلتا ہے زمانہ کروٹ
وصل کی شب سے بدل دے شبِ فرقت میری

جان بلب ہوکے بھی دم توڑ رہا ہوں میرا پیر
اسقدر ضعف پر اللہ رے طاقت میری

مر کے بھی ایسی شگفتہ ہے طبیعت میری
پھولوں کے ساتھ کھلی جاتی ہے تربت میری

کہتے ہیں حسن میں دیکھے کوئی عصمت میری
کہ نہیں ملتی ہے پریوں سے بھی رنگت میری

خنجرِ ناز نے نوشاہ بنایا مجھکو
آئی مقتل میں دلھن بنکے شہادت میری

وصل میں اُن کی حیا دیکھ کے نکلے کیونکر
دل میں شرمائی ہوئی بیٹھی ہے حسرت میری

خاک میں مجھ کو ملا کر بھی ہوئے صاف نہ وہ
مٹ گیا میں نہ مٹی ہائے کدورت میری

شمع روتی ہے بہت اُسکو اٹھالے کوئی
بیٹھ جائے نہ کہیں کچی ہے تربت میری

دیکھتے ہیں وہ آئینہ تو کہتا ہے یہ عکس
تم تو بنتے ہو بگڑتی ہے طبیعت میری

اپنے مستوں پہ کڑی پڑتی ہے ساقی کی نگاہ
آج مشکل ہے کہ ثابت رہے نیت میری

کہتے ہیں میری نگہ پیار کیا کر اس کو
میں نہیں تو ترے دل میں ہے محبت میری

گلۂ جور کیا میں نے تو وہ بت بولا
قدرت اللہ کی تم اور شکایت میری

عمر گزری ہے نکلنے کا نہیں لیتی ہے نام
شبِ فرقت بھی ہے شاید کوئی حسرت میری

فاتحے کو جو وہ آیا تو لپٹ کر رویا
نقشِ حُب بن گئی تعویذ سے تربت میری

آج گھر میں مجھے جنت کا مزہ آتا ہے
گیسوئے حور کی لٹ ہے شبِ وصلت میری

دل سے باتیں میں کرتا ہوں تو وہ کہتے ہیں
سُن رہا ہوں میں کیے جاؤ شکایت میری

شان پیدا ہوئی ہے عشق میں معشوق کی
جوڑ ہے تیری نزاکت کا نحافت میری

کہتے ہیں آئینے کی آنکھ سے شرم آتی ہے
تیری صورت سے بھی ملتی ہے جو صورت میری

کھوئے دیتی ہیں مرے دل کو لٹیں زلفوں کی
انہیں گلیوں میں بھٹک جاتی ہے طبیعت میری

ہاتھ سینے سے جھٹک دیتے ہیں وہ سوتے میں
رات کو روز سرک جاتی ہے دولت میری

حسن اور عشق ہم آغوش نظر آ جاتے
تیری تصویر میں کھنچ جاتی جو حیرت میری

آس تھی روزِ قیامت کی نہ آیا وہ بھی
چکھ گئی اسکو بھی شاید شبِ فرقت میری

بھیجدے شاہدِ رحمت کو اب اے ربِّ کریم
ہمنشیں کوئی نہیں سونی ہے تربت میری

الفت موئے کمر نے یہ گھلایا ہے امیر
آئینے میں نظر آتی نہیں صورت میری

بے ترے حالت ہے گلزار کی
نکہتِ گل سانس ہے بیمار کی

حکم ہے باتیں کرو اغیار کی
واہ کیا فرمائشیں ہیں یار کی

مل گئیں ہم سے نگاہیں یار کی
ہوگئیں آپس میں باتیں پیار کی

ہوں وہ لاغر در پر اسکے گر پڑا
کھا کے ٹھوکر سایۂ دیوار کی

اٹھ چلے جب وہ خبر دی موت نے
نبض ابھی چلتی ہے اس بیمار کی

حال مجھ سے سر پٹکنے کا نہ پوچھ
دیکھ لے حالت در و دیوار کی

خشمگیں ہے یار ظاہر میں تو ہو
ہم نظر پہچانتے ہیں پیار کی

دل میں رہیے خواہ آنکھوں میں رہو
جلوہ گاہیں دونوں ہیں سرکار کی

جرم میرے حد سے باہر ہیں تو ہوں
رحمت ان سے بڑھکے ہے غفار کی

شمع کی آتش زبانی پر نہ جا
اور ہوتی ہے زباں گفتار کی

ہجر میں باقی نہیں کچھ میرے پاس
اک شکایت ہے تو وہ بھی یار کی

فرطِ بیماری سے میں گھلتا نہیں
کوفت کھائے جاتی ہے غمخوار کی

آ کے بالیں پر مرے بولی اجل
میں دوا ہوں عشق کے آزار کی

گل ترے عارض کے دیوانے ہوئے
پھاڑے کپڑے راہ لی بازار کی

وہ مسلمان ہوں اگر توڑوں میں بت
صاف آواز آئے استغفار کی

عاجزی کس دن مرے گھر سے گئی
ہے وہی اُفتادگی دیوار کی

حشر کے دن بھی وہ نہ آئے نظر
دل میں حسرت رہ گئی دیدار کی

اے امیر اُسکی لگاوٹ پر نہ جا
مار ڈالیں گی نگاہیں پیار کی

دم تری الفتِ پوشیدہ کا بھرنے والے
دل ہے جلے سینہ جلے اُف نہیں کرنے والے

عشق میں جی سے گزرتے ہیں گزرنے والے
موت کی راہ نہیں دیکھتے مرنے والے

داغ دل سے مرے کہتا ہے پیا اُسکا جوبن
دیکھ اُسطرح اُبھرتے ہیں اُبھرنے والے

بزم ماتم میں کبھی شب ہی کو آجا چھپ کر
او مرے سوگ کے پردے میں سنورنے والے

پھر بہار آئی ہے پھر ہم کو جنوں ہوتا ہے
کیا دن آئے ہیں فراغت سے گزرنے والے

دیدۂ و دل میں رقیبوں کے بسے ہیں جاکر
میری آنکھوں سے مرے دل میں اُترنے والے

آخری وقت بھی پورا نہ کیا وعدۂ وصل
آپ آتے ہی رہے مر گئے مرنے والے

پھر کھچیگی یہ گلرنگ چڑھ ہیں گے نشے
خوشۂ انگور کے رندو ہیں اُترنے والے

اُٹھے اور کوچۂ محبوب کو پہنچے عاشق
یہ مسافر نہیں رستے میں ٹھہرنے والے

بام پر کھولکے زلفوں کو وہ خود کہتے ہیں
راستہ بند یہی سانپ ہیں کرنے والے

بحرِ ہستی میں جو ڈوبے تو عدم میں نکلے
پار اُتر جاتے ہیں یوں پار اُترنے والے

نزع میں ہم ہیں غمِ عشق یہ چلاتا ہے
دیکھ غربت میں مجھے چھوڑ نہ مرنے والے

دلِ بیتاب مگر آہ کوئی کی تو نے
رو اُٹھے چونکے کیوں بات نہ کرنے والے

اب مرے اُٹھتیں گے اُٹھتی ہے جوانی اُنکی
نخلِ امید سے دو پھل ہیں اُترنے والے

کیوں رقیبوں سی جلوں میں کہ یہ سب ہیں ای ترک
ذکر میرا تری سرکار میں کرنے والے

وقت انکار زباں چلتی ہے خنجر کی طرح
خون اقرار کا کرتے ہیں مکرنے والے

جان دینے کو کہا اُن سے تو ہنس کر بولے
تم سلامت رہو ہر روز کے مرنے والے

آپ خنجر کو بھی قاتل نے مجھے ترسایا
نہ دیے حلق سے دو گھونٹ اُترنے والے

مر رہے پر مرے مزاروں میں گڑینگے تا حشر
لاکھ مہماں ہوں یہ گھر نہیں بھرنے والے

تیغ و خنجر سے نہ جھگڑا سرو گردن کا مٹا
چل دیے موڑ کے منہ فیصلہ کرنے والے

نزع میں کیا نظر آتا ہے کوئی برق جمال
آنکھیں کر لیتے ہیں کیوں بند یہ مرنے والے

کبھی داغوں کے چمن پر بھی نظر حسرت سے
او مرے پھولوں میں پھولوں سے سنورنے والے

جب میں کہتا ہوں کہ مرتا ہوں تو کہتی ہے اجل
مر بھی چک اب کہیں او روز کے مرنے والے

نزع کا وقت جو گزرا تو خوشی کیا اُس کی
ایسے صدمے ابھی کتنے ہیں گزرنے والے

آسماں پر جو ستارے نکل آئے تو امیر
یاد آئے مجھے داغ اپنے ابھرنے والے

اک ذرا دیکھ تو کیا کتنے ہیں مرنے والے
او غریبوں کے مزاروں پہ گزرنے والے

پھر کہاں دل کا پتا دل میں حسیں جب آئے
گھر بھی لیجاتے ہیں اس گھر میں ٹھہرنے والے

دل عشاق کے ٹکڑے نہیں یہ پرچے ہیں
داورِ حشر کی خدمت میں گزرنے والے

موت کتنی ہے کہ دیتے تو حسینوں پہ ہی جان
اور مجھے مفت لیے مرتے ہیں مرنے والے

منہ پہ اڑ آ کے نہ آئیں تو گُند ہے کیوں چوٹی
مشکیں بندھواتے ہیں خود بال بکھرنے والے

جلوے ان برق جمالوں کے غضب ہیں دل کو
برسوں تڑپائیں گے دم بھر کے ٹھہرنے والے

آئے تربت پہ تو وہ کوٹ کے ماتھا بولے
سر ٹپکواتے ہیں سر پاؤں پہ دھرنے والے

ساتھ دو چار کو لے نکلیں گے ہم مقتل سے
پڑ کے مرتے نہیں جو لڑ کے ہیں مرنے والے

تار اشکوں کا نہ ٹوٹے گا لپٹ کر اُن سے
اب گلے سے نہیں یہ ہار اُترنے والے

نقش پا سے بھی اپاہج کہیں دیکھے ہی نہیں
ہر قدم پر یہ مسافر ہیں ٹھہرنے والے

حوریں بولیں گئے جنت کو جو مستانہ عشق
آئے کوثر سے نہا دھو کے نکھرنے والے

گھر کے گھر کر دئے خالی ترے غصّے نے مگر
آج تک تجھ کو بھرے جاتے ہیں بھرنے والے

دل دھڑکتا ہے مرا دیکھ کے جوبن کا ابھار
چوم لیں منہ نہ تمہارا یہ ابھرنے والے

غم کو بین سے جھنجلا کے یہ بولا غم عشق
بھاگ تجھ سے دل عاشق نہیں بھرنے والے

ہمتو دم کوچۂ جاناں ہی میں جا کر لیں گے
گور کیسی نہیں جنت میں ٹھہرنے والے

چاند کو داغ لگائیں جو ملیں وہ غازہ
چاندنی میلی ہو نکھریں جو نکھرنے والے

روح نے پردے میں توبہ کے کئے لاکھ بناؤ
زاہد اسطرح سنورتے ہیں سنورنے والے

خوب پہچان گئے اہل ہوس کو وہ امیر
نظروں پہ چڑھ گئے سب دل سے اترنے والے

لیکے دل کہتے ہیں وہ بال بکھرنے والے
کہ بگڑتے ہیں بھی بنتے ہیں سنورنے والے

ہائے قاتل نہیں ملتا کہیں شمشیر بکف
سر ہتیلی پہ لیے پھرتے ہیں مرنے والے

دو قدم وہ جو چلے فتنے یہ چلا اٹھے
اب نہیں پاؤں قیامت کے ٹھہرنے والے

بولے وہ آئنہ خانے میں عجب سیر ہے یاں
ساری دنیا کے اکٹھا ہیں سنورنے والے

کہتے ہیں کیجیے عشاق کی خاطر کب تک
انکے دل تو نہیں دیدار سے بھرنے والے

کام آئیگی نہ ظاہر کی چمک محشر میں
عرق شرم میں ڈوبیں گے نکھرنے والے

جتنے عارف ہیں وہ دنیا سے الگ رہتے ہیں
خضر کب گھر میں ہیں رہزن کے ٹھہرنے والے

یوں بدلنے کے نہیں لالہ و ریحان کے لباس
ٹکڑے ہو ہو کے یہ کپڑے ہیں اترنے والے

جان لینے کا سلیقہ تو اجل کو آئے
جان مرنے سے چراتے نہیں مرنے والے

کھلکے محرم جو بندھی اور بھی ابھرا جوبن
کہیں دبتے ہیں دبانے سے ابھرنے والے

زلفیں ہونگی جو پریشان تو جھڑ گئی افشاں
بال کے ساتھ یہ موتی ہیں بکھرنے والے

بلکے پن میں جو حوروں کی خبر لیتے ہیں
کیا قیامت ہے وہ ہیں آج نکھرنے والے

عشق نے پھیر کے منہ پر مرے زردی یہ کہا
ہم ہیں رنگ آپکی تصویر میں بھرنے والے

کہو بلبل سے کہ منقار کی لائے مقراض
پھول پاؤں کے لیے ہیں وہ کترنے والے

خم کے خم ہوگئے خمخانۂ غم میں خالی
دل نہ مستوں کے کبھی تھک گئے بھرنے والے

چتونیں کہتی ہیں کرتا ہے جو وہ وعدۂ وصل
کیا کہا پھر تو کہہ او کہہ کے مکرنے والے

قابلِ رحم قیامت میں نہ ٹھہرینگے امیر
رحم دنیا میں غریبوں پہ نہ کرنے والے

خاکی نژاد خاک کے اندر چلے گئے
جس گھر سے آئے تھے پھر اُسی گھر چلے گئے

شب اُٹھکے انجمن سے جو تم گھر چلے گئے
ہم اُٹھ سکے نہ آپ سے باہر چلے گئے

کیں چلتے چلتے مڑکے نگاہیں یہ تیز تیز
دل میں مرے چبھوکے وہ نشتر چلے گئے

غیروں کے بند بند کیے یار نے جدا
پر اُن کے جوڑ توڑ برابر چلے گئے

تربت پہ میری ہاتھ اُٹھانے کا ذکر کیا
وہ تو تھے سے ہاتھ اُٹھاکر چلے گئے

ملکِ عدم کی آمد و شد کا ہے کیا شمار
ستّر جہان میں آئے بہتّر چلے گئے

مجھ سخت جان [illegible] چل نہ سکا قاتلوں کا زور
مقتل میں توڑ توڑ کے خنجر چلے گئے

دل پر ہے اختیار نہ قابو ہے جان پر
کیا جانے کیا وہ پھونک کے منتر چلے گئے

اے ہمصفیر اُڑ نہ سکا جب میں ضعف سے
اُڑ اُڑ کے سوئے باغ مرے پر چلے گئے

آئے وہ کیوں اس آنے سے حاصل ہی کیا ہوا
چپ تھوڑی دیر بیٹھے اُٹھے گھر چلے گئے

بجلی ابھی چمک کے چھپی یا وہ ناز سے
جھلکی دکھا کے پردے کے اندر چلے گئے

شیشے پکارتے ہیں کہ رندان بادہ نوش
آئے تباہ کرکے مرا گھر چلے گئے

ہنستے ہوئے وہ سامنے آئے جو مثلِ برق
مانندِ ابر ہم کو رُلا کر چلے گئے

آنکھیں لڑانے غیر سے نکلے تھے وہ مگر
دیکھا جو مجھ کو آنکھ چرا کر چلے گئے

کیا ہستی و عدم کا کہیں حال اے امیر

اِس گھر سے تنگ جب ہوئے اُس گھر چلے گئے

جو گھر میں پھر کے ہم اُنکے حضور سے آئے
کلیمؑ پھر ملاقات طور سے آئے

خطا معاف کریں آئیں شب کو وہ چھپ کر
وہ دن بھی فضلِ خدائے غفور سے آئے

سمندِ ناز سے اُترے نہ بیٹھنا کیسا
وہ آئے گھر [illegible] کس غرور سے آئے

خدا تو عفو کرے بار بار دیکھ کے جرم
[illegible] قصور سے آئے

وہاں یہ حکم کہ کپڑے بھی چھین لو اسکے
[illegible] حضور سے آئے

دکھاؤں دخترِ رز کا جمال واعظ
[illegible] سے آئے

لحد میں آئے نکیرین تو ہیں یہ سمجھا
[illegible] سے آئے

وہ بادہ کش ہوں کہ ہو جاؤں مست حشر کے دن
صدائے قلقلِ مینا جو صور سے آئے

ہیں نہ تم سے ملا کچھ رہے وہی اچھے
کہ خالی ہاتھ تو موسیٰؑ نہ طور سے آئے

گناہگار ترے گیسوؤں کے محشر میں
بندھے ہوئے رسنِ زلفِ حور سے آئے

بخیر کیجئے گا یاد حضرت موسیٰؑ
کبھی جو ذکر ہمارا حضور سے آئے

امیر اپنی جو آنکھیں ہوں طالبِ دیدار
چمک کے برق ابھی کوہ طور سے آئے

آ کے غربت میں ہمیں عیشِ وطن بھول گئے
لطف اُٹھایا یہ قفس میں کہ چمن بھول گئے

نجد میں پھرتے ہیں کیوں چار طرف سرگرداں
کیا نشاں مرقدِ مجنوں کا ہرن بھول گئے

اب تو بھولے سے کبھی کرتا نہیں تو یاد ہمیں
جتنے وعدے تھے سب اے عہد شکن بھول گئے

ہیں وہ دیوانہ عریاں تھا کہ مرقد میں عزیز
دفن کرنے لگے مجھ کو تو کفن بھول گئے

قید میں طول کھچا یہ کہ اسیرانِ قفس
شکلِ گل بھول گئے رنگِ چمن بھول گئے

بخت بیدار ہوئے آ کے ترے کوچے میں
صورتِ خوابِ فراموش وطن بھول گئے

دل کو ہر پیچ میں گیسوے رسا کے ڈھونڈا
پر یہ چوکے کہ ترا چاہِ ذقن بھول گئے

سالہا سال ہوئے ہیں نہیں آئی ہچکی | کیا غریبوں کو عزیزان وطن بھول

نالے گھٹ گھٹ کے مرے دل ہی میں رہتے ہیں امیر
کیا بلا انکو ہوئی راہِ دہن بھول گئے

تیغ کھینچے جو یار آتا ہے | اور بھی مجھ کو پیار آتا ہے
دل کو اب کب قرار آتا ہے | سن لیا ہے کہ یار آتا ہے
بال کھولے جو یار آتا ہے | گھر کے ابرِ بہار آتا ہے
زلف و رخ کو سنوار آتا ہے | اور کیا تجھ کو یار آتا ہے
تیرے وعدے سے عشق ہوا اسکو | ساتھ ہی اعتبار آتا ہے
وصل میں اس کو کس نے بلوایا | غصہ کیوں بار بار آتا ہے
دیکھ کر ہمکو چتونوں سے کہا | وہ تمہارا شکار آتا ہے
روز تکیوں میں جا کے دل میرا | دوستوں کو پکار آتا ہے
کیا مصیبت عدم میں ہے یارب | کدھر اک اشکبار آتا ہے
اک نظر دل کو دیکھ لو دیکھو | کب سے امیدوار آتا ہے
وردِ دل میں مری تسلی کو | گریہ بے اختیار آتا ہے
تم کو آتا ہے پیار پر غصہ | مجھ کو غصے پہ پیار آتا ہے
چین آتا نہیں مزار پہ آج | کون سوئے مزار آتا ہے
کہتے ہیں آنکھیں بند کر لو تم | اسی رستے سے پیار آتا ہے
گردِ کلفت کو دل میں دو نہ جگہ | آئینے میں غبار آتا ہے
زندگی میں کبھی نہ آ نکلا | مر گئے پر قرار آتا ہے
تیری رحمت کو دیکھ کر مجرم | حشر میں شرمسار آتا ہے
ذبح کے وقت اسکی گھبراہٹ | دیکھ کر مجھ کو پیار آتا ہے

بیقراری کا گھر ہے دل میرا ‏ ‏ تو کہاں اسے قرار آتا ہے
فتنے کتنے ہیں دیکھ کر اُس کو ‏ ‏ فتنۂ روزگار آتا ہے

جا ہے شکوہ مری زباں پر امیر
شکر بے اختیار آتا ہے

جب سے بلبل تو نے دو تنکے لئے ‏ ‏ ٹوٹتی ہیں بجلیاں اُن کے لیے
مے نہ دی قرض اُسنے دو دنکے لیے ‏ ‏ جسنے توڑے ہیں سبو گن گن کے لیے
دن مرا روتا ہے میری رات کو ‏ ‏ رات روتی ہے مری دن کے لیے
ہے جوانی خود جوانی کا سنگار ‏ ‏ سادگی گہنا ہے اس بن کے لیے
پاک رکھا پاک دامن سے حساب ‏ ‏ بوسے بھی گن کے دیئے گن کے لیے
کون ویرانے میں دیکھیگا بہار ‏ ‏ پھول جنگل میں کھلے کن کے لیے
ساری دنیا کے ہیں وہ میرے سوا ‏ ‏ ہمنے دنیا چھوڑ دی جنکے لیے
ذرّہ ذرّہ دُردِ مے کا زاہدو ‏ ‏ دُوربیں ہے چشمِ باطن کے لیے
وصل میں جھنجلا کے وہ بولے کہ ہائے ‏ ‏ کن کا جوبن اور ہے کن کے لیے
کیمیا گر آگ سا دیکھا نہیں ‏ ‏ تار سونے کے وٹے تنکے لیے
باغباں کلیاں ہوں ہلکے رنگ کی ‏ ‏ بھیجنا ہے ایک کمسن کے لیے
سب حسیں ہیں زاہد ونکو ناپسند ‏ ‏ اب کوئی حور آئیگی ان کے لیے
جائیے سونپا خدا کو جائیے ‏ ‏ تھا یہ سارا حسن ضامن کے لیے
ذبح کرنے میں بڑا اشتاق ہے ‏ ‏ گھر ہو مسلخ میں مؤذن کے لیے
وصل کا دن اور اتنا مختصر ‏ ‏ دن گنے جاتے تھے اس دنکے لیے
کھا گیا ہم ناتوانوں کو فراق ‏ ‏ کھول کر منہ دیوتے تنکے لیے

صبح کا سونا جو ہاتھ آتا امیر

بھیجتے تحفہ مؤذن کے لیے

تم سے اور ایسے کمسن کے لیے ساقیا ہلکی سی لا ان کے لیے

حور یا رب ہے جو مومن کے لیے بھیج دے دنیا میں دو دن کے لیے

وائے قسمت وہ بھی کہتے ہیں بُرا ہم بُرے سب سے ہوئے جن کے لیے

پی بھی لے زاہد جوانی میں شراب عمر بھر ترسے گا اس دن کے لیے

گالیوں میں بھی بتوں کی ہے مزہ اک ہنر ہے عیب بھی ان کے لیے

دخترِ رز سی پاک دامن چاہیے شیخ جی سے پاک باطن کے لیے

کہتے ہیں چھپنے کی بھی اچھی کہی پردے میں بیٹھینگے ہم ان کے لیے

دل کا ضامن تو ترا کیا اعتبار پہلے اک ضامن ہو ضامن کے لیے

چھاؤنی چھائیگی کیا فوجِ خزاں صرصر آئی باغ میں تنکے لیے

وصل میں بولے جھٹک کر ہاتھ وہ پھول پھل سب آج ہیں انکے لیے

بن سنور کر آرسی دیکھا کیے سب تکلفات تھے بن ٹھن کے لیے

مجھ سے رخصت ہو مرا عہدِ شباب یا خدا رکھنا نہ اس دن کے لیے

جھاڑتی ہے کون سے گل کی نظر بلبلیں پھرتی ہیں کیوں تنکے لیے

کھا گئی پیری جوانی کو مری ہائے کتنی یہ رات اس دن کے لیے

بوسہ بازی میں انہیں دھوکے دیئے بے گنے دس بیس دس گن کے لیے

لاش پر غیرت یہ کہتی ہے امیر
آئے تھے دنیا میں اس دن کے لیے

عجب عالم ہے اسکا صبح ساوی شکل بھولی ہے کبھی جاتی ہے دل میں کیا رسیلی زہر ہے

اداؤں کی جھلکتی ہوں رنگ نادرا اس نے تولی ہے لڑکی جاتی ہیں پچکاریاں ہنسی کی ہیں

بہار باغ کی شہرت میں یا جوشِ مستی میں یہ ادا سے ہے گلِ رنگ میں افیون گھ

بہار آئی چمن ہوتا ہے مالا مال دولت سے
نکالا چاہتے ہیں زر گرہ غنچوں نے کھولی ہے

عجب ملبوس ہے ہم وحشیوں کا رخصت عریانی
گریباں ہے نہ دامن ہے نہ پردہ ہے نہ چولی ہے

گھٹا کی سیر حجرے سے نکل کر دیکھ لے زاہد
نہانے کو یہ چوٹی حور نے جنت میں کھولی ہے

پری نے قاف میں دیکھی جو وہ تصویر بول اٹھی
میں اس صورت کے صدقے ہائے کیسی بھولی ہے

خفا کیوں ہو جو آوازے کسے عاشق نے غیروں پر
یہ آزادوں کی باتیں ہیں ہنسی انکی بول ٹھٹھولی ہے

صراحی دور میں آتی ہے زاہد ہو جو محفل میں
جھکا لیں اپنی آنکھیں دختر رز کی یہ ڈولی ہے

نظر بازی سے جو ملتی ہے لذت ہمیں کہتے ہیں
ترے دیدار کے بھوکے فقیروں کی یہ جھولی ہے

ادا ہی سے تری مرتا ہے جو مرتا ہے دنیا میں
قضا کہتے ہیں جسکو وہ اسی سانچے کی گولی ہے

جگاتی ہے یہ کہہ کر صبح پیری چشم غافل کو
بس اٹھو او نیند کی ماتی کہ شب بھر خوب سو لی ہے

طمع سے وہ نگاہ شوخ جا لپٹی ہے دشمن سے
کمر بجلی سے گو وہ آتش افشاں کی ٹٹولی ہے

وہ کہتے ہیں کہ ہم آنکھوں ہی سے کب تاڑ لیتے ہیں
محبت ساری دنیا کی اسی کانٹے میں تولی ہے

صبا ان منہ بندھی کلیوں سے تجھکو کسی چٹکیاں کیا
کہ تو نے صبح کو ایک ایک کی لقچی ٹٹولی ہے

اسیرا یہ شگفتہ ہیں مضامین نازک و رنگین
غزل کیا ہے یہ پھولوں سے بھری گلچیں کی جھولی ہے

عجب ناگن ہے زلف اسکی کہ جس محفل میں کھولی ہو
وہاں سے جو چلا ہے اٹھ کے اسکے ساتھ ہو لی ہے

تصور میں ہے کیا کیا پری مضمون پھرتے ہیں
مری نازک خیالی ان حسینوں کی مچولی ہے

طمع کی لت مرے پر بھی نہیں جاتی حرامخوروں سے
کہ تحت الثری میں جا کے قاروں کی ٹٹولی ہے

گلوری کھائی اس غنچہ دہن نے تو یہ سمجھا نے
کہ ہے جو پھول گلشن میں مرے پانونکی ڈھولی ہے

کہاں ہے قصر شاہی ہے یہ چھپرکھٹ نازنینوں کا
وہ بچوں کا گھروندا ہے یہ گڑیوں کی کھٹولی ہے

کرم کرتی ہے رحمت دیکھیے کس پر کہ خفتہ ہیں
وہ صف پرہیزگاروں کی یہ میخواروں کی ٹولی ہے

چھپا کر منہ رلوا اسکو روز حشر او ظالم
جہاں تک آنکھ سے رویا گیا فرقت میں رو لی ہے

نہ روک اے سخت جانی جانے دے اجانِ بسمل کو
گلے مل مل کے رخصت خنجرِ قاتل سے ہولی ہے

خوشامد اے دلِ بیتاب اس تصویر کی کب تک
یہ بولا چاہتی ہے پر نہ بولے گی نہ بولی ہے

ادا کی تیغ ہی سے ساری دنیا ہو چکی بسمل
نکیلی چتونوں نے اب یہ برچھی کس پہ تولی ہے

سوا تیرے کسی کا آئنے نے منہ نہیں دیکھا
تجھے دیکھا ہے جب سے آرسی نے آنکھ کھولی ہے

تصور میں بھی اُن کو کھینچتا ہوں تو وہ کہتے ہیں
مسک جائے نہ او بیدرد نازک میری چولی ہے

بہارِ لالہ و گل دو گھڑی تو دیکھ لینے دے
ابھی نرگس نے او گلچیں چمن میں آنکھ کھولی ہے

اکیلے تم کہاں ہو وصل کی شب دل لگانے کو
ہنسی ہے، چھیڑ ہے، آپس کی چہلیں ہیں، ٹھٹھولی ہے

کلی گل کی ہو راضی وصل پر بلبل سے کیا ممکن
ہزاروں منتوں پر تو چٹک کر منہ سے بولی ہے

امیر اس بیوفا دنیا کی صورت پر نہ تم جاؤ
بڑی عیار ہے مکار ہے ظاہر میں بھولی ہے

بتوں ہی میں ہے وہ بت کچھ تجھے خبر بھی ہے
چھپا ہوا انہیں فتنوں میں فتنہ گر بھی ہے

یہاں تو جان بھی ہے دل بھی ہے جگر بھی ہے
تری نگاہ میں کچھ جذب کا اثر بھی ہے

لپٹ کے تم سے تصور میں کوئی سوتا ہے
کدھر خیال تمہارا ہے کچھ خبر بھی ہے

وہ تیغ میان میں کرتے ہیں کوئی یہ کہہ دے
کہ اک غریب سا مشتاقِ قتل ادھر بھی ہے

یہ بیخودانِ محبت پہ طعن اے واعظ
مزے سے بے خبری کے تجھے خبر بھی ہے

گئے جہان سے منعم مگر تزک نہ گیا
کہ بعد مرگ مسہری مزار پر بھی ہے

عجب رفیق ہے یہ بیکسی کہ بعدِ فنا
سرِ مزار مجاور بھی نوحہ گر بھی ہے

جو تیر دل کی طرف اُس کماں سے چلتا ہے
پکارتا ہے وہیں سے کہیں جگر بھی ہے

نہ دستِ ناز میں رکھیں تو کیا کریں آخر
کہاں وہ تیغ کو باندھیں کہیں کمر بھی ہے

ہوا ہے شوقِ احبّا ابھارتی ہے امیر
وگرنہ مجھ میں کہیں طاقتِ سفر بھی ہے

لاش پر اشک تری آنکھ سے بارے نکلے
شکر ہے آج تو ارمان ہمارے نکلے

کیا دھواں آہ شرر بار کا ہے تیرہ و تار
دن کی شب ہوگئی گردوں پہ ستارے نکلے

یاد دلوائیں وہ آنکھیں نہ ہرن صحرا کے
ہم وطن سے ہیں اسی درد کے مارے نکلے

مر گئے عشق میں ہم تم سے یہ اُمید نہ تھی
چار آنسو بھی نہ ماتم میں ہمارے نکلے

شام ہوتے ہی ہوئی کیسی شبِ وصل سحر
دل سے ارمان ہمارے نہ تمہارے نکلے

خوب دیکھا تو کیے چرخ نے ہم پر جو ستم
وہ بھی در پردہ تمہارے ہی اشارے نکلے

کوہ پر جا کے جو ہم سوختہ جان بیٹھ گئے
گرمیاں کرنے کو پتّھر سے شرارے نکلے

کوپلیں پھوٹیں تو اُن سے یہ صدا آئی امیر
سر پہ سودائیوں کے چلنے کو آرے نکلے

نالۂ بلبل سے دل پر چوٹ ایسی لگ گئی
روتے روتے باغباں کو آج ہچکی لگ گئی

ہمصفیرو اس چمن میں ہوں میں وہ درد آشنا
غنچہ بھی چٹکا تو میرے دل پہ گولی لگ گئی

بیعتِ پیرِ مغاں سے مل گیا بامِ مُراد
سلسلہ پیدا ہوا رفعت کا سیڑھی لگ گئی

واہ رے شوقِ تماشا وہ ابھی گھر ہی میں ہیں
اُٹھ گئی دیوار در پر بھیڑ ایسی لگ گئی

تا کجا بیداد اب فریاد کی طاقت نہیں
باغباں آواز میں بلبل کے پٹی لگ گئی

درد دل نے اُٹھ کے پہلو میں وہیں چونکا دیا
رات بھر میں ایک پل جب آنکھ میری لگ گئی

آنکھ بدلی اے امیر اُس نے میں بسمل ہو گیا
واں نگاہ ترچھی ہوئی یاں دل پہ برچھی لگ گئی

زیرِ گیسو شوخیِ چشم پر پردہ اور ہے
اس ختن میں طرز جست و خیز آہو اور ہے

دور اتنا کس لئے کھنچتی ہے شمشیرِ ہلال
جسکا بسمل ہے جہاں وہ تیغِ ابرو اور ہے

تن منقش بوریے سے ہے اگر کیا فائدہ
فقر کے جامے کو زینت دے وہ اُلّو اور ہے

روتی ہے شبنم گلستاں میں تو ہنستے ہیں پھول
پانی پانی جو کرے دل کو وہ آنسو اور ہے

وہ گلابی پوشش آیا ہے مگر گلگشت کو
جامے سے باہر ہیں گل رنگ اور ہی بو اور ہے

مل گیا ہوں تجھ میں میں ہر چند مثلِ آب و رنگ
شوق کہتا ہے ابھی میں اور ہوں تو اور ہے

بوئے یوسف مصر سے کنعاں میں لائی ہے صبا
اب دماغِ حضرت یعقوب میں بو اور ہے

بوالہوس دم دیکھے کیا لیگا مرے قاصد سے خط
چل گیا تھا جو پیمبر پر وہ جادو اور ہے

بہرِ بالش حور کا زانو ہمیں درکار کب
جب سے ہم سر رکھ کے سوتے ہیں وہ زانو اور ہے

کان میں موتی جو تم پہنو بڑھے ہے آبرو
بحر سے قطرہ کہے میں اور ہوں تو اور ہے

یار آیا دیکھئے اب تو ٹھہر جا کوئی دم
ایسے تڑپانے کا وقت اے دردِ پہلو اور ہے

جنبشِ مژگاں سے مارا ناتوانوں کو تو کیا
بانکپن کی نوک اے ترکِ جفا جو اور ہے

بوئے گل رکھ چھوڑ کیا ہم کو اڑاتی ہے صبا
تازہ ہے جس سے دماغ اپنا وہ خوشبو اور ہے

آہوئے چیں کب پھنسا سکتا ہے ہم کو اے امیر
شیر کو جو صید کرتا ہے وہ آہو اور ہے

چشمِ مخمور کو کیا کام قدح نوشی سے
کم نہیں مست ترا دارو بیہوشی سے

زندگی بھر میں رہا جامۂ عریانی میں
مرگ کے بعد ہے کیا کام کفن پوشی سے

کیا بت ہو جو ہم آغوش تو لذت اٹھے
لطف کیا ماہ کو ہالے کی ہم آغوشی سے

چپ ہوا جسکی طرف گھور کے تم نے دیکھا
کم نہیں گردشِ نظر سرمۂ خاموشی سے

تذکرہ کچھ تو کیا میری پریشانی کا
آج الجھے وہ بہت زلف کی سرگوشی سے

رنگِ گلزار تحیر نظر آیا جب سے
غنچہ ساں بند ہیں لب لذتِ خاموشی سے

خلق ناراض خدا ناخوش امیر اس سے ہے
عیب بدتر نہیں انسان میں حق پوشی سے

ہے یقیں پھیر دلِ عاشق نہ کبھی غم میں رہے
عشق جا کر جو ترے حسن کے عالم میں رہے

مرگِ دشمن کی خبر سن کے بھی ماتم میں رہے
ہم خموشی میں بھی ہیں یوں کہ کوئی غم میں رہے

شاد دل غم میں رہے جیسے محرم میں رہے
کچھ سپیدی بھی سرے جا نہ ماتم میں رہے

غم کہاں جا کے رہیگا نہ رہینگے جب ہم
ہم تو جب تک رہے عالم میں اسی غم میں رہے

غنچۂ گل کو چمن میں یہ ہوا ہے اسے گل
عطرداں بن کے ترے گیسوئے پرخم میں رہے

شوخیوں نے کسی قاتل کی کیا ہے بسمل
مر بھی جائیں تو یقیں ہے کہ تڑپ ہم میں رہے

پاس عصمت کا یہ ہے حکم مرے ساقی کا
دامن دختر رز پنجۂ مریم میں رہے

خم بھی رویا مجھے پیمانہ بھی رویا مجھ کو
جتنے تھے چھوٹے بڑے سب مرے ماتم میں رہے

آ کے بگڑی ہوئی اس باغ کی نکہت جو ہوا
مشورے کوچ کے شب بھر گل و شبنم میں رہے

جمع ہیں سائل دشنام ذرا منہ کھولو
ہے غضب قفل جو دروازۂ حاتم میں رہے

چارہ گر مشک نہیں سودۂ الماس سہی
جزو کوئی مزۂ زخم کا مرہم میں رہے

لب جاں بخش کی ہے یاد تو مرنا کیسا
موت کیونکر خلل عیسیٰ مریم میں رہے

بیخودی سے ہمیں یہ حال نہ تا زیست کھلا
ایک عالم میں رہے ہم کہ دو عالم میں رہے

اور کوئی تو عزادار نہ تھا غربت میں
میرے کاندھوں کے فرشتے مرے ماتم میں رہے

اپنے بیگانے کو روتے ہی کٹی عمر امیر
کبھی دشمن کے کبھی دوست کے ماتم میں رہے

دو جہاں چھوڑ کے عشاق ترے غم میں رہے
دونوں عالم سے جدا تیسرے عالم میں رہے

عاقبت میں ہو تو خود عیش یہاں غم میں رہے
ڈوب کر خندۂ گل گریۂ شبنم میں رہے

محو تصویر کی صورت یہ ترے غم میں رہے
نہ رہے اتنے بھی باقی کہ خودی ہم میں رہے

حیف ہے تم مرے مرنے کا ذرا غم نہ کرو
آنکھ تر شمع کی پروانے کے ماتم میں رہے

غیر کے رنگ میں ملتے ہیں کہیں اہل صفا
سبزۂ گل پہ سپیدی وہی شبنم میں رہے

صرصر مرگ اڑا لیگئی سب پھولوں کو
خار ہی خار فقط گلشن عالم میں رہے

گھنگھنی چوٹی میں مری جان دکھاؤ وہ ادا
پھنس کے مشاطہ کا دل گیسوئے پرخم میں رہے

شرم ہے ساتھ پہ شوخی بھی تمھیں ہے کیا خوب
لطف تو جب ہے کہ وہ تم میں تو وہ ہم میں رہے

دل میں عصیاں کے یہ ہے ایک نہ ہو داخل خلد
عفو کہتا ہے کہ کوئی نہ جہنم میں رہے

چوڑیاں ٹوٹی ہوئی نیل بدن پر ہیں پڑے
بزمِ دشمن میں کہ تم مجلسِ ماتم میں رہے

باتیں ناصح کی سنیں یار کے نظارے کیئے
آنکھیں جنت میں رہیں کان جہنم میں رہے

زعفراں کی بھی پیالی ہو کوئی پھولوں میں
اثرِ خندۂ شادی مرے ماتم میں رہے

اُنکے تڑپانے کی طاقت جو نہیں ہم میں نہ ہو
کاش اپنے ہی تڑپنے کی سکت ہم میں رہے

مرگ عاشق کی خبر آئی تو جھنجلا کے کہا
روز سو مرتے ہیں کب تک کوئی ماتم میں رہے

تو اُلجھتا ہے اُلجھنے سے اگر بالوں کے
کھیچدے مجھ کو یہ الجھن بھی مرے دم میں رہے

ہم وہ ہیں رند کہ رندی کا نہ لے نام امیر
آکے دو دن پسرِ نوح اگر ہم میں رہے

حسن مرنے کا یہ ہے حسن مرے غم میں رہے
سوگ میں بیٹھے ادا ناز بھی ماتم میں رہے

گر غریب الوطنی بھی نہ مرے غم میں رہے
اور پھر کون ہے جو غربت میں جو ماتم میں رہے

کبھی کعبے میں چلے دور کبھی جنت میں
کشتیِ مے کبھی کوثر کبھی زمزم میں رہے

یاس اس کو بھی تو رہنے نہیں دیتی دل میں
کاش اُمید ہی ملنے کی تری ہم میں رہے

جسطرح ریگ رہے شیشۂ ساعت میں رواں
چلتے پھرتے ترے مشتاق دو عالم میں رہے

وصل کا دن ہے سنورنے کو بگڑنا کیسا
جا کے اب چینِ جبیں گیسوئے پرخم میں رہے

ہنس ہی دیں وہ مرے پھولوں میں یہ رونق ہی سہی
نازکی کچھ تو مری مجلسِ ماتم میں رہے

باغِ جنت سے اسی کی تو بدولت نکلے
کیوں نہ شق سینۂ گندم غمِ آدم میں رہے

میرے گھر کیا ہے شبِ ہجر جو روز آتی ہے
یہ بلا جا کے کسی گیسوئے پرخم میں رہے

پانی جتنا تھا وہ سب پی گئے پینے والے
خاک اُڑانے کو ہمیں چشمۂ زمزم میں رہے

روح تا چند رہے تن میں کچھ انصاف بھی ہے
قید کب تک یہ پری قالبِ آدم میں رہے

بانکی چتون سے کنکھیوں میں کرو مجھ کو شکار
نوک کی بات کبھی کوئی نگہِ کم میں رہے

گرمیِ ہجر میں یاد آئی جو اُن آنکھوں کی — لپکے آغوش میں حوروں کو جہنم میں رہے

دیکھے ہجر میں عالم جو مرے جینے کا — مر نہ جائے تو اجل نزع کے عالم میں رہے

جذبِ اُلفت جو ہوا اپنی چمن میں باندھے — تھرتھلی کی طرح و بادۂ شبنم میں رہے

جان اس کشمکش نزع پہ صدقے ہے امیرؔ
رنگ اگر اُسکی لگاوٹ کا بھی کچھ دم میں رہے

وصل ہو جائے یہیں حشر میں کیا رکھا ہے — آج کی بات کو کیوں کل پہ اُٹھا رکھا ہے

محتسب پوچھ نہ تو شیشے میں کیا رکھا ہے — پارسائی کا لہو اس میں بھرا رکھا ہے

کہتے ہیں آئے جوانی تو یہ چوری نکلے — میرے جوبن کو لڑکپن نے چرا رکھا ہے

دل سی شئے گردشِ دوراں میں ستم ہے کہ نہیں — ہائے کیا خاک میں ظالم نے ملا رکھا ہے

پاس گھیرے ہوئے ہے مجھ کو مگر ہاں کچھ کچھ — آسرا تیری لگاوٹ نے لگا رکھا ہے

کہتے ہیں میری بلا جانے ترا دل ہے کہاں — چور ہیں کیا مرے دشمن کہ چرا رکھا ہے

خونِ عاشق کو ہے اب دسترس اُس تک مشکل — منہدی نے پہلے ہی سے رنگ جما رکھا ہے

کہتے ہیں ناز کی لذت کا تو کچھ شک نہیں — اور مزہ یہ ہے کہ نام اُس کا جفا رکھا ہے

ہیں تمہارے ہی تو جلوے کے کرشمے سارے — اُسکو کیا تکتے ہو آئینے میں کیا رکھا ہے

یاد آتا ہوں کبھی میں تو پہن لیتے ہیں — ایک جوڑا مرے پھولوں میں بسا رکھا ہے

نازسے کشتۂ انداز کو پامال کبھی کر — یہ ستم کس کے لئے تو نے اُٹھا رکھا ہے

آدمی زاد ہیں دنیا کے حسین لیکن امیرؔ
یار لوگوں نے پری زاد بنا رکھا ہے

آپ نے غیر کا خط ہم سے چھپا رکھا ہے — دیکھیے دیکھیے تکیے میں وہ کیا رکھا ہے

ہیں تغافل میں بھی سرگرمِ ستم وہ آنکھیں — آپ تو سوتے ہیں فتنوں کو جگا رکھا ہے

دیکھنا صبح کو انجام جو ہوگا اے شمع — تو نے سر پر تو پتنگوں کو چڑھا رکھا ہے

ناز سے وار کیا اُس نے یہ کہہ کر مجھ سے
لے یہ خنجر بھی ترے دم کو لگا رکھا ہے

ہم چلے دیر سے کعبے کو تو وہ بُت بولا
جا کے لے لیجیے کعبے میں خدا رکھا ہے

کہتے ہیں دل تو ہُوا خون میری حسرت میں
اور یہ کیا ہے جو پہلو میں دبا رکھا ہے

بیخودی نقشِ عدو ہی ہم سے نہیں مٹ سکتا
تو مٹانے پہ جو آئے تو مٹا رکھا ہے

حشر پر قامتِ جاناں کا ہے جلوہ موقوف
اس قیامت کو قیامت پہ اُٹھا رکھا ہے

وحشتِ رز ہوش میں آنے نہیں دیتی مجھ کو
اس پری نے مجھے دیوانہ بنا رکھا ہے

سرمہ اے گردِ گنہ تو ہی کھلائے اس کو
صور نے شور قیامت کا مچا رکھا ہے

جان بھی ہجر میں دیا بیٹھے مگر ہم نے امیر
کسی موقع کے لئے اس کو لگا رکھا ہے

اک عمر ہو گئی کہ اقامت سفر میں ہے
نقشہ مگر وطن کا ابھی تک نظر میں ہے

جو خون ابل چلے وہ مری چشم تر میں ہے
جو داغ رنگ لائے وہ میرے جگر میں ہے

دن رات یاد ہے دُرِ دنداں یار کی
کشتی ہماری عمر کی آبِ گہر میں ہے

ہم ہیں برنگِ لالہ ازل سے الم نصیب
جزو بدن ہے داغ جو اپنے جگر میں ہے

اے ہجر حسن دیکھ تڑپ انتظار کی
مچھلی ہے مردمک جو مری چشم تر میں ہے

نیرنگیاں تصورِ کامل کی دیکھیے
تصویرِ یار دل میں ہے نقشہ نظر میں ہے

مرتا ہے اُس پہ غیر بھی تو میں ہوں بیقرار
دشمن کے دل کا داغ بھی میرے جگر میں ہے

دنیائے بے ثبات میں کیا ہو ہمیں ثبات
جس گھر میں ہم مقیم وہ گھر ہی سفر میں ہے

قاتل ابھی سوار بھی گھر سے نہیں ہُوا
کشتوں کا ڈھیر چار طرف رہگزر میں ہے

رکھتا نہیں زمین پہ مارے خوشی کے پاؤں
شاید جواب خط کمرِ نامہ بر میں ہے

یارب امیر کے بھی گناہوں سے درگزر
یہ بھی تو آخر اُمتِ خیر البشر میں ہے

یہ سب ظہور شانِ حقیقت بشر میں ہے
جو کچھ نہاں تھا تخم میں پیدا شجر میں ہے

ہر دم جو خون تازہ مری چشمِ تر میں ہے
ناسور دل میں ہے کہ الٰہی جگر میں ہے

کھٹکا رقیب کا نہیں آغوش میں ہے یار
اسپر بھی اک کھٹک سی ہماری جگر میں ہے

واصل سمجھیے اس کو جو سالک ہے عشق میں
منزل پہ جانیے اسے جو رہگزر میں ہے

آنکھوں کے نیچے پھرتی ہے تصویر یار کی
پتلی سی اک بندھی ہوئی تارِ نظر میں ہے

کرتے ہیں اس طریق سے طے ہم رہِ سلوک
سر اسکے آستاں پہ قدم رہگذر میں ہے

پہلو میں میرے دل کو نہ اے درد کر تلاش
مدت ہوئی تباہی کا مارا سفر میں ہے

مسّی کی کیا بہار ہے دندانِ یار پر
سوسن کا پھول چشمۂ آبِ گہر میں ہے

ہو دردِ عشق ایک جگہ تو دوا کروں
دل میں جگر میں سینے میں پہلو میں سر میں ہے

صیاد سے سوال رہائی کا کیا کروں
اڑنے کا حوصلہ ہی نہیں بال و پر میں ہے

قاصد کو ہاتھ داغ کے بھیجا ہے یار نے
خط کی نئی رسید کفِ نامہ بر میں ہے

تیغِ قضا کو ناز ہے کیا اپنے توڑ پر
اتنا اثر تو یار کی سیدھی نظر میں ہے

آجاؤ تیغ باندھ کے پھر سیدھے دیکھ لو
میرے گلے پہ ہے کہ تمہاری کمر میں ہے

ساقی مے طہور میں کیفیتیں سہی
پر وہ مزہ کہاں ہے جو تیری نظر میں ہے

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

حسین تو ہے وہ مروت نہیں اگر نہ سہی
غضب کی آنکھ تو ہے لطف کی نظر نہ سہی

پہنچ ہی جائیگا لکھیں تو اسکو نامۂ شوق
تلاش لیں گے آپ ہی ہم پیکِ نامہ بر نہ سہی

مری تپش سے مرے دل کی بیقراری سے
تمام خلق ہے واقف تمہیں خبر نہ سہی

تمہاری ایک نظر میں تو کام ہوتا ہے
گھڑی ہی بھر کو چلے آؤ عمر بھر نہ سہی

یہی ہجوم بلا ہے تو کوئی دم میں ہے صبح
شبِ فراق کی اے دل نہیں سحر نہ سہی

شگفتہ صورتِ گل داغ دل تو ہیں پسِ مرگ
چڑھائے پھول نہ اُس گل نے قبر پر نہ سہی

بھلا نہ کہہ تو بُرا بھی نہ کہہ اُنہیں زاہد
خدا کا خوف تو کچھ کر بتوں کا ڈر نہ سہی

امیر نالہ کشی ہجر میں نہیں ہے عبث
بخار دل کا نکل جائیگا اثر نہ سہی

طور پر اے طپشِ دل ہیں وہ آنے والے
آج ہم تجھ کو ہیں بجلی سے لڑنے والے

آئنہ سامنے آتا ہے عوض لینے کو
ہوشیار او مرے دیوانہ بنانے والے

شام ہوتے ہی شبِ وصل بجاتا ہے گجر
ہاتھ ٹوٹیں تیرے گھڑیال بجانے والے

دیکھ کر چار طرف عکس وہ اپنا بولے
کیوں مجھے گھیرے ہیں یہ آئنہ خانے والے

ہم جو پہنچے تو قیامت میں ہوا غل آئے
دھجیاں دامنِ محشر کی اُڑانے والے

جامِ مے کاتبِ اعمال کو بھی دے ساقی
دو بزرگ آئے ہیں ساتھ اگلے زمانے والے

بولے حسرت سے وہ تابوت کو کاندھا دیکر
بوجھ اٹھواتے ہیں اب ناز اُٹھانے والے

اشکِ خجلت عرقِ شرم نہیں دونوں ہو
دمِ آخر مری بگڑی کے بنانے والے

آگ کعبے میں لگاتا ہے یہ کیا کرتا ہے
توبہ کر توبہ کر او دل کے جلانے والے

کشتۂ چشمِ پری ہوں مجھے انسان نہ چھوئیں
ہوں پری زاد جنازے کے اُٹھانے والے

سو عزیز آئے مگر رو بھی نہ سکے افسوس
چار آنسو مری تربت پہ بہانے والے

لاش پر میری وہ آئے تو نزاکت نے کہا
کہ یہ کاندھے نہیں تابوت اُٹھانے والے

تپشیں چاہیں نہ کہ قاتل مجھے ٹھنڈا کر دے
بولے ٹھنڈا نہیں کرتے ہیں جلانے والے

عصمت و شرم سے کٹتی ہے جوانی ان کی
اب بٹھائیں نہیں پردے میں بٹھانے والے

تیغ قاتل سے میں لپٹا تو وہ کھنچ کر بولی
یہ بڑے آئے گلے مجھ کو لگانے والے

خاک رنج و غم و اندوہ سے آباد ہو دل
ہیں یہ سب خانہ خرابی کے گھرانے والے

اپنے آئینے سے وہ پوچھتے ہیں کون ہو تم
میری تصویر کو سینے سے لگانے والے

دل سے جھنجلا کے یہ کہتا ہے خیالِ جاناں
کون ہو تم مجھے ہر وقت بُلانے والے

کیسی راہ عدم آباد ہے ہموار امیر
چین سے سوتے چلے جاتے ہیں جانیوالے

وہم اخیر تو ظالم ذرا نگاہ ملے
کچھ اس غریب مسافر کو زادِ راہ ملے

ہمیں بھی طور پہ موسیٰ کی طرح راہ ملے
کبھی تو دیکھنے والوں سے بھی نگاہ ملے

وہ بغلیں جھانکیں جو سایہ میانِ راہ ملے
چُرائیں آنکھیں اگر عکس سے نگاہ ملے

میں ہوں وہ کعبہ نشیں جاکے دیر کے در پر
پکارتا ہوں کوئی بت خدا کی راہ ملے

دل و جگر کی تڑپ دیکھ کر وہ کہتے ہیں
کہ مدعی سے بھی چالاک یہ گواہ ملے

وہ تیغ کھینچے ہوئے کہہ رہے ہے محشر میں
زبان کاٹ کے رکھدوں جو دادخواہ ملے

ہم ایسے سچ ہیں اغماض سے ترے بیدم
ہماری نبض ملے گر تری نگاہ ملے

میں اپنے نامۂ اعمال کی بلائیں لوں
جو تجھ سے رنگ کچھ اسے گیسوِ سیاہ ملے

ہزاروں وعدے کئے پر نہ کی وفا اک دن
فقیر بھی ہمیں جھوٹوں کے بادشاہ ملے

گزرتے جاتے ہیں کیا جلد وصل کے دن رات
مرے رقیب سے شاید ہیں مہر و ماہ ملے

دل و جگر بھی طرفدار ہو گئے اُن کے
مرے حریف سے جاکر مرے گواہ ملے

کروں میں دعوتِ پیرِ مغاں تکلف سے
ہوا ایک رات کو زاہد کی خانقاہ ملے

کرم کرے جو وہ بندہ نواز بندوں پر
بتوں کو ڈھونڈنے نکلیں خدا کی راہ ملے

کھلے جو لب ترے اقرارِ وصل کرنے میں
ہوا میں خوش کہ برابر کے دو گواہ ملے

لباس فقر کا ایسا پسند ہے مجھ کو
بناؤں پھاڑ کے گدڑی جو رختِ شاہ ملے

لنڈھاؤ چار طرف خُم کے خُم یہ میخوار و
کہ محتسب کو خرابات کی نہ راہ ملے

امیر میکدۂ معرفت کو یوں جاؤں
کہ راہ میں کوئی مسجد نہ خانقاہ ملے

در کریم پہ محشر میں تا کہ راہ ملے
گنا ہگاروں میں چھپ چھپ کے بیگناہ ملے

فنا جو قبل فنا ہو بقا کی راہ ملے
یہ قلعہ وہ ہے جہاں موت سے پناہ ملے

نشان خاک نظر آئے قافلے کا مجھے
ہوا ور بیچ میں پردہ جو گرد راہ ملے

وصال مرتبۂ انتہا ہے عاشق کو
گہر نہ ہاتھ لگیں جب تلک نہ تھاہ ملے

ہجوم یاس سے قالب میں روح ٹھہری ہے
چھٹے یہ بھیڑ تو اس راہرو کو راہ ملے

چلا ہوں دشت مصیبت میں حال سوز تکی
قدم قدم پہ مجھے ڈوبنے کو چاہ ملے

جو وہ سپہ ہو تو مژگاں مردمک کی طرح
ہزار تیروں میں انسان کو پناہ ملے

ہٹا کے آئنہ رکھدوں دل اسکے زانو پر
کسی بہانے تو اس شوخ سے نگاہ ملے

اس آسرے پہ میں پھرتا ہوں دشت بیتاب
سراغ یاروں کا پوچھوں جو گرد راہ ملے

اتاروں آئنہ دل میں عکس کی صورت
ذرا نگاہ سے اسکی اگر نگاہ ملے

حریص جرم کیا ہے یہ عفو نے تیرے
کہ مانگ لوں اگر ابلیس سے گناہ ملے

پڑا ہے ہجر میں وہ تفرقہ جو تو ڈھونڈھے
تو میں کہیں مرا سایہ کہیں تباہ ملے

ہم اس امید پہ محشر سے خار کو پہنچے
کہ شاید آگئے ترے گھر کی ہم کو راہ ملے

یہ چاہ اس کی جبیں سے کنوئیں جھکائے امیر
سمجھ کے چاہِ ذقن گر پڑوں جو چاہ ملے

سرِ راہ عدم گورِ غریباں طرفہ بستی ہے
کہیں غربت برستی ہے کہیں حسرت برستی ہے

حقیقت دخترِ رز کی کیا ہے کیا رندوں کی ہستی ہے
ترے دم سے یہ ساقی گرمی بازار مستی ہے

تری مسجد میں واعظ خاص ہیں اوقات رحمت کے
ہمارے میکدے میں رات دن رحمت برستی ہے

ہمیں شاہد پرستی میں سمجھ معذور اے واعظ
جوانی کا ہے نشہ بیخودی ہے جوش مستی ہے

خمارِ نشۂ مے سے نگاہیں ان کی کہتی ہیں
یہاں کیا کام تیرا یہ تو متوالوں کی بستی ہے

ہزاروں تشنہ کام آرزومندِ شہادت ہیں
تمہاری تیغ دیکھا چاہیے کس پر برستی ہے

جوانی لیگئی ساتھ اپنے سارا عیش مستوں کا
صراحی ہے نہ شیشہ ہے نہ ساغر ہے نہ مستی ہے

دم مستی قطرہ کی اشکباری دیکھ اے ساقی
گھٹا ہلکی سی ہے پر جھوم کر کیا کیا برستی ہے

جوانی داغ دیجائیگی ناز اس پر نہ کر غافل
برنگ مستی طاؤس کوئی دم کی مستی ہے

بتوں کے عشق نے اللہ تک ہم کو رسائی دی
ہماری بت پرستی نزد یاران حق پرستی ہے

ہمارے گھر میں جس دن ہوتی ہے اُس حور کی آمد
چھپر کھٹ کو پری آکر بچھانے سے کستی ہے

کبھی کروٹ نہیں لیتا کوئی گور غریباں میں
یہ کیسی نیند سوتے ہیں کہ کیسی اُنکی مستی ہے

زبان حال سے کہتے ہیں تابوت و لحد غافل
کہ رستے میں عدم کے بھی بلندی اور پستی ہے

اشاروں پر ترے مقتل میں عزرائیل چلتے ہیں
قضا اپنی کمر تار نظر سے تیرے کستی ہے

چلے نالے ہمارے یہ زبان حال سے کہہ کر
ٹھہر جانا پہنچکر عرش پر ہمت کی پستی ہے

بڑھاپے نے ہرن سب کر دئے نشّے جوانی کے
ترنگیں مستیوں کی ہو چکیں اب فاقہ مستی ہے

امیر اک تختۂ ہموار ہے یہ شعر کا کوچہ
طبائع کے تفاوت سے بلندی اور پستی ہے

خودی سے بیخودی میں آ جو شوق حق پرستی ہے
جسے تو نیستی سمجھا ہے اے غافل وہ ہستی ہے

کہیں زائد کہیں کم بادۂ عرفاں کی مستی ہے
بقدر وسعت مشرب مقام مے پرستی ہے

ترے قربان اے مرگ غریبی جلد اب لیچل
وطن کے دیکھنے کو روح مدت سے ترستی ہے

غضب کے جوش میں ہے دختر رز خیر ہو ساقی
بھری بیٹھی ہے دیکھا چاہیے کس پر برستی ہے

دل ویران کو میرے دیکھ کر کہتی ہے ویرانی
خدا آباد رکھے اس کو کیا دلچسپ بستی ہے

نہ شاخ گل ہی اونچی ہے نہ دیوار چمن بلبل
تری ہمت کی کوتاہی تری قسمت کی پستی ہے

نہ گھبرا اے دل وامانده اب منزل قریب آئی
اسی پستی کے آگے اور آباد ایک بستی ہے

نہ ہو جو آپ ہی میں اُس سے پھر پاس ادب کیسا
تکلف برطرف ساقی کہ وقت جوش مستی ہے

نگاہ ناز خال رخ سے میدان محبت میں
ستم کے تیر پڑتے ہیں غضب گولی برستی ہے

جدا ہم اور دستِ غیر و زلفِ دلبر و شانہ — خدا کی شان جو لپٹیں بلا سے اُن کو پیشانی بستی ہے

خدا جانے ترا جی لگ گیا دنیا میں کیونکر اے دل — اجاڑ اک چند گھر ہیں بے حقیقت سی یہ بستی ہے

قدم جس خاک پر پڑتا ہے تیرے خاکساروں کا — اگر اکسیر کے مولوں وہ ہاتھ آئے تو سستی ہے

بلائیں لیتے لیتے مست ہو جاتی ہے مشاطہ — وہ چوٹی ار گجے کے عطر میں جس وقت بستی ہے

رہیں کیونکر نہ گردِ اس روئے آتش رنگ کے گیسو — عبادت ہندوؤں کے دین میں آتش پرستی ہے

بڑھ اے آہِ رسا اب کنگرے پر عرش کے پہنچی — بلندی کو بلندی جاننا ہمت کی پستی ہے

نہیں بچتا وہ جس کو داغ تیری زلفِ پیچاں سے — یہ وہ ناگن ہے جو طاؤس کو اُڑ اُڑ کے ڈستی ہے

امیر آتی ہے یہ آواز ناقوسِ برہمن سے — بتِ پندار کو توڑو جو شوقِ بت پرستی ہے

خبردار اے مسافر خوف کی جا راہِ ہستی ہے — ٹھگوں کا بیٹھکا ہے جا بجا چوروں کی بستی ہے

بہار آئی ہے ساقی عام فیضِ مے پرستی ہے — در و دیوار سے اس دور میں مستی برستی ہے

تری تلوار میں جو سر ہیں قاتل ابرِ رحمت کے — گنہگاروں پہ آ کر جوش میں کیا کیا برستی ہے

حقیقت آج تک بت کی نہیں معلوم زاہد کو — خدا کی شان اس پر دعویٰ ایزد پرستی ہے

اجل آنے نہیں پاتی کہ ہو جاتا ہے کام آخر — ترے خنجر کو قاتل کیا قضا کی پیش دستی ہے

ہماری آہ کی گرمی جو دیکھی رعد چلایا — معاذ اللہ یہ تو برق کا بھی منہ جھلستی ہے

جلو میں حضرتِ موسیٰ سے ہیں دل سوختہ لاکھوں — سواری میں تری برقِ نہالِ طور دستی ہے

جو آتا ہے وہاں سے پھر ادھر ان پر نہیں ہوتا — عدم میں بھی الٰہی کیا کوئی ناگوں کی بستی ہے

خمیدہ قد ہے جن کا نیک و بد سے جھک کے ملتے ہیں — برابر دونوں باگوں یہ ہلالی تیغ کستی ہے

بتوں کو دیکھ کر ہم کلمۂ توحید پڑھتے ہیں — خدا راضی ہے جس میں وہ ہماری بت پرستی ہے

تری آنکھوں کو کیا تشبیہ دیں ہم چشمِ آہو سے — وہاں شوخی ہی شوخی ہے یہاں شوخی و مستی ہے

نہ کوئی شمع لاتا ہے نہ کوئی گل چڑھاتا ہے — مزاروں پر غریبوں کے عجب غربت پرستی ہے

مرے دامن سے ساری نوک ہے خار مغیلاں کی
جنوں میرے گریباں تک یہ تیری تیز دستی ہے

مکدر کر دیا اشکوں کو یہ دل کی کدورت نے
کہ خاک آنکھوں میں مثل شیشۂ ساعت برستی ہے

نفس کی آمد و شد پر نہ دم بھر زندگانی کا
ارے غافل یہی مقراض بہر رخت ہستی ہے

نئی ترکیب پائی چشم بد دور ان کی آنکھوں نے
غزالوں کی ہے شوخی نرگس شہلا کی مستی ہے

امیر اس راستے سے جو گزرتے ہیں وہ لٹتے ہیں
محلہ ہے حسینوں کا کہ قزاقوں کی بستی ہے

ہم کڑی ایک بتوں کی نہیں سہنے والے
جو گئی منہ پہ برہمن کے ہیں کہنے والے

چھیڑ کی ٹھہرے تو ہم چپ نہیں رہنے والے
کبھی آتی پہ نہیں چوکتے کہنے والے

بنا باتوں میں کسی سے نہیں رہنے والے
ہم تو اے غنچہ دہن منہ پہ ہیں کہنے والے

بلبلو پھولوں سے کیا پوچھتی ہو حال چمن
باغ میں یہ تو ہیں دو روز کے رہنے والے

گلفروشوں کا ملے رتبۂ گل اتنے کھاؤں
وہ پکاریں مجھے او پھولوں کے گہنے والے

منزل گور سے دم لے کے بڑھیں گے آگے
ہم مسافر ہیں بڑی دور کے رہنے والے

دل نے کڑیاں وہ اٹھائیں ہیں کہ لیتا ہے ترک
آفریں او مرے بیداد کے سہنے والے

ہجو سے ہو چکی ممبر سے اب اترے ہیں نیچے
رند کچھ حضرت واعظ سے ہیں کہنے والے

آنکھیں آمادہ ہیں رونے پہ خدا خیر کرے
اب کوئی دم میں یہ ناسور ہیں بہنے والے

نہ سنی گور غریباں میں کسی نے فریاد
کتنے بیدرد ہیں اس شہر کے رہنے والے

منہ پہ تلوار کے کہہ بیٹھے کہ پوری نہ پڑی
تم نے دیکھے ہیں کہیں ایسے بھی کہنے والے

مثل آواز نکل جائیں گے صاف اے زنجیر
ہم یہ ہر روز کی کڑیاں نہیں سہنے والے

قدرت اللہ کی دکھلاتے ہیں آنکھیں مجھ کو
وہ حسیں تھے جو مری آنکھوں میں رہنے والے

بدھیاں پھولوں کی لائے تھے نہ پہنیں اس نے
پھول لے بیٹھے ہوئے ہیں پھولوں کے گہنے والے

کیا ہوا میں بھی ہوں اور غیر بھی اس محفل میں
خلد کے آدم و ابلیس ہیں رہنے والے

گفتگو معرفتِ حق میں ہے یارو ناحق
حق جو کہنے کا تھا سب کہہ گئے کہنے والے

کوچہ اُس رشکِ چمن کا ہے وہی اے قاصد
بیٹھے رہتے ہیں جہاں پھولوں کے گننے والے

ہم کو ہستی میں غریب الوطنی لائی ہے
اصل میں ہیں عدم آباد کے رہنے والے

سادہ سمجھو نہ انھیں رہنے دو دیواں میں امیر
یہی اشعار زبانوں پہ ہیں رہنے والے

جھڑ گئی افشاں جبیں پر کچھ ستارے رہ گئے
آسمانِ حسن پر گنتی کے تارے رہ گئے

نزع میں بند اب زباں بھی ہے ترے بیمار کی
گنگ کی صورت فقط باقی اشارے رہ گئے

دے سکے کب دشت گردی میں ترے وحشی کا ساتھ
ہر قدم پر پا ہوئے آہو چکارے رہ گئے

چشم واعظ پر ہے عینک دستِ واعظ میں عصا
ضعفِ پیری میں یہ دو باقی سہارے رہ گئے

سخت جانی سے جو دندانے پڑے اُس تیغ میں
یہ بنکر وہ بھی زخموں میں ہمارے رہ گئے

بحرِ الفت کے کنارے تک نہ پہنچا ایک بھی
دست و پا کتنے ہی پیراکوں نے مارے رہ گئے

اور جیتا ہیں تو گھٹنے اور تم جور و ستم
میرے ارماں جو صلے باقی تمہارے رہ گئے

تیغ کا پانی پلایا سب کو اُس سفاک نے
تشنہ لب ہم ایک دریا کے کنارے رہ گئے

وصل کی شب بھی نہ آنا تھا تجھے اے مونا بھی
کیا غضب ظالم کیا ارمان سارے رہ گئے

موت آئے یا وہ آئے یا قیامت ہو امیر
اب یہی دو تین جینے کے سہارے رہ گئے

آنکھ اُس کو کھولنی بھی دشوار ہو گئی ہے
پہلے چمن میں نرگس بیمار ہو گئی

جس نے لکھا ہے نامہ اُس عالم آشنا کو
جانے کو با، ہمیری تیار ہو گئی

جب یار کی گلی کو میں ناتواں چلا ہوں
پرچھائیں میری مجھ کو دیوار ہو گئی

ہم تم چمن میں جا کر جب چار دن رہے ہیں
بلبل ہیں اور گل میں تکرار ہو گئی

سب کی نظر میں ہیں وہ گو دل میں ہیں ہمارے
خلوت کی کوٹھری بھی بازار ہو گئی

کچھ فکر دخترِ رز کی پیرِ مغاں ہے لازم
بیہوش اب نہیں ہے ہشیار ہو گئی ہے

انگور میں تھی یہ مے پانی کی چار بوندیں
جس دن سے کھچ گئی ہے تلوار ہو گئی ہے

پیاسی جو تھی لہو کی دل میں لہو بہت تھا
سینے سے نوک خنجر کیوں پار ہو گئی ہے

دن رات ناز بیجا اُٹھواتے ہیں وہ ہم سے
الفت ہمارے حق میں بیگار ہو گئی ہے

طرار اُن کے گیسو تھے ابتدا سے پر اب
طُرّہ یہ ہے زباں بھی طرّار ہو گئی ہے

رنگیں بیاں ہوتی ہے بلبل جو وصف گل میں
پتّی گلاب کی اب منقار ہو گئی ہے

اک بات سہل سی ہے مرگ اے امیر لیکن
دشوار سمجھے ہیں شب دشوار ہو گئی ہے

آنکھ اُسکی یہ کیونکر کہوں مخمور نہیں ہے
ہاں کیف جوانی سے ابھی چور نہیں ہے

ہر چند بتوں سے ہے بہت دور ترحم
اللہ کی قدرت سے مگر دور نہیں ہے

جب کہیے کہ مرتے ہیں کرو رحم جلا لو
فرماتے ہیں اپنا تو یہ دستور نہیں ہے

فرہاد کو تکلیف نہ دے کوہکنی کی
شیریں ترا عاشق ہے یہ مزدور نہیں ہے

ہم خونِ جگر پیتے ہیں اے محتسبِ شہر
کیا تاک رہا ہے انگور نہیں ہے

حوروں سے یہ کہدو نہ دکھائینگے وہ جلوہ
نظروں سے گرانا تمہیں منظور نہیں ہے

حسنِ رخِ محبوب سے جھپک جائیگا اے دل
صورت پہ نہ جانا رہے یہ نور نہیں ہے

ہے میکدۂ درد میں مستوں کا یہی قول
شیشہ نہیں پتھر ہے جو دل چور نہیں ہے

اُس باغ سے سو داغ بھلے گل نہ ہو جس میں
جلجائے وہ فردوس جہاں حور نہیں ہے

ٹکرا کے نہ چل ساغرِ مے پاسِ ادب کر
غافل یہ سرِ قیصر و فغفور نہیں ہے

شبنم جگرِ گل پہ چھڑکتی ہے نمک کیوں
بیمار یہ داغِ دلِ رنجور نہیں ہے

بوسے سے ہے انکار انہیں تو سہی اے دل
آنکھوں سے وہ دیں ہیں کہوں منظور نہیں ہے

مردہ سا امیر ایک سرِ راہ پڑا تھا

تیرا تو کہیں وہ دلِ رنجور نہیں ہے

جلوہ گر یار گر فتنہ گرِ جام میں ہے
جب بلاتا ہوں میں سنتا ہوں قضا کام میں ہے

نشۂ عیش مجھے گردشِ ایام میں ہے
مے بے درد اگر ہے تو مرے جام میں ہے

دور جاری رہے ہر وقت مے گلگوں کا
پڑھ لے ساقی یہی تحریر خطِ جام میں ہے

دفعتہً رنگ بدل دیتی ہے یہ عالم کا
چال اے مہر تری گردشِ ایام میں ہے

نہ ہوا نالۂ مظلوم سے ظالم بیدار
پھک چکا صور یہ مردہ ابھی آرام میں ہے

اسمِ اعظم پہ سلیمان کو تفاخر ہے عبث
سو طرح کا اثر اللہ کے ہر نام میں ہے

دل سے میرے کہ زباں سے تری پوچھے کوئی
غیر کیا جانے مزہ کیا ترے دشنام میں ہے

آنکھ خالی نہ دکھا لطف بھی کر اے ساقی
جام ہی جام ہے یا مے بھی کہیں جام میں ہے

ہر طرف دیکھیے کھولے ہوئے آغوش ہے حور
سرفروشی کا مزہ لشکرِ اسلام میں ہے

الفت زلف میں ہے طائرِ دل اشک فشاں
آب و دانہ مری قسمت کا اسی دام میں ہے

سرمہ اے یار لگایا کہ جگایا جادو
کیا بلا سحر تری چشمِ سیہ فام میں ہے

پڑ گیا گرمیِ فرقت سے پھپولا دل میں
جا ہے مے دانۂ انگور مرے جام میں ہے

لب پہ تو نے مسّی ملکے جمایا لاکھا
کھل گیا شاہِ بدخشاں کا عمل شام میں ہے

یادِ گیسو سے کہاں جوشِ جنوں میں آرام
میں ہوا ہوں آزاد تو کیا روح مری دام میں ہے

ڈال دے مجھ سے بلا نوش کو خم کے منہ میں
یہ تو اک گھونٹ ہے ساقی جو ترے جام میں ہے

مرغِ دل خاک پھنسے زلف پہ افشاں چھڑکو
دام ہی دام ہے دانہ بھی کہیں دام میں ہے

آ گیا روزِ قیامت نہ پھرے میر نصیب
جاگ اٹھے مردے یہ غافل ابھی آرام میں ہے

ہے لڑکپن میں بجا خاک سے انسان کو انس
غافل آغاز سے اندیشۂ انجام میں ہے

نام کا نام تخلص کا تخلص ہے امیر
یہ بڑا حسنِ خداداد مرے نام میں ہے

شانِ حق صاف بتوں کے رُخِ گلفام میں ہے — خلوتِ خاص کی تو جلوہ گہِ عام میں ہے

وابستگی اور تو واضع میں ہے ربطِ قلبی — جسطرح لام الف میں ہے الف لام میں ہے

جوشِ الفت میں مرے دل کا خدا ہی حافظ — خیر ہو بادہ بہت تند مرے جام میں ہے

ہے وہی ولولہ پیری میں جوانی میں جو تھا — ایک ہی رنگ ہماری سحر و شام میں ہے

دل دکھاتا ہے وہ عالم جو نہیں عالم میں — دیکھ جمشید یہ عالم بھی ترے جام میں ہے

روح قالب میں ہے بگڑا ہے رگوں میں قالب — میں گرفتارِ قفس میں ہوں قفس دام میں ہے

کبھی خلوت میں نہاں ہے کبھی جلوت میں عیاں — دخترِ رز کبھی بوتل میں کبھی جام میں ہے

ہوں وہ میکش کہ دمِ طوف بھی ہے شغلِ شراب — جام پوشیدہ مرے جامۂ احرام میں ہے

ہوسِ نام میں بھی لے دلِ آزاد نہ پھنس — پاؤں اُلجھا ہوا عنقا کا اسی دام میں ہے

اُلفتِ پنجتنِ پاک سے دل ہے معمور — پانچ میخانوں کی مے ایک سے جام میں ہے

روز کی وعدہ خلافی سے ترا وعدہ بھی — رات دن میری طرح گردشِ ایام میں ہے

منزلِ رحمتِ حق ظلمتِ عصیاں ہے امیر
روشنی صبح کی یاں تیرگیِ شام میں ہے

غضب کی عشوہ گری روئے خشمگیں میں رہی — کرشمے بن کے شکن یار کی جبیں میں رہی

کہاں لذیذ خطِ پشتِ لب ہے بوسۂ لب — شمولِ زہر سے لذت انگبیں میں رہی

تری شبیہ میں کی صرف اس قدر طاقت — سکت نہ کچھ قلمِ صورت آفریں میں رہی

بری تھا لوث سے دھبا کفن کو کیا لگتا — بجا ہے لاش امانت اگر زمیں میں رہی

نہیں ہے نام کو بھی دل میں تو سے یکرنگی — دو رنگ ڈاک ہمیشہ ترے نگیں میں رہی

گھٹا عتاب تو پہنا لباسِ آرائش — جبیں سے چین جو اتری تو آستیں میں رہی

حبابِ بائی قسمت کے ہاتھ سے حنا تیری — چمن جو چھوٹ گیا دستِ نازنیں میں رہی

دکھایا مر کے بھی عشقِ رخِ صبیح نے رنگ — کہ میری روح جدا ہو کے یاسمیں میں رہی

مژہ کے ساتھ ہی ابرو نے بڑھ کے وار کیا
کماں بھی تیرے نخچیر کے کمیں میں رہی

اُٹھا کے آنکھ نہ دیکھا شبِ وصال اُس نے
سیاہ دلہن کی طرح چشم سرمگیں میں رہی

جو تیوریوں سے بل اُترا خدا خدا کر کے
تو سو طرح کی گرہ زلفِ عنبریں میں رہی

ہزار گرم ہوا آفتابِ حشر امیر
مگر تری مرے اشکوں سے پھر زمیں میں رہی

کھل کے جب وہ زلفِ شبگوں پر تو افگن ہو گئی
کان کی بجلی چراغِ زیرِ دامن ہو گئی

ہجر میں زہر اپنے حق میں سیرِ گلشن ہو گئی
تیغ زہر آگیں زبانِ برگِ سوسن ہو گئی

وا یہ کس کی زلف وقتِ سیرِ گلشن ہو گئی
باغ میں لہرا کے موجِ سبزہ ناگن ہو گئی

وصل کی شب دستِ وحشت نے کیا کیسا خجل
چاک چولی یار کی ہمراہ دامن ہو گئی

چار آنکھیں ہوتے ہی جاتے رہے صبر و قرار
کیا نگاہِ ناز تھی جو برقِ خرمن ہو گئی

مجھ سا دیوانہ ہے کون اس باغ میں نازک مزاج
موجِ بوئے گل مجھے زنجیرِ آہن ہو گئی

کب ہوا نظارہ اُنکے گھر کا آنکھوں کو نصیب
کب صفِ مژگاں درِ جاناں کی چلمن ہو گئی

دونوں آنکھوں نے سماں برسات کا دکھلا دیا
روتے روتے ایک بھادوں ایک ساون ہو گئی

جب خیالِ زلف آیا پڑ گیا سینے میں داغ
شام ہوتے ہی مرے گھر شمع روشن ہو گئی

جب تلک روشن تھی پروانوں کا تھا ہر سو ہجوم
بلبلیں آئیں اگر گل شمعِ مدفن ہو گئی

اس مسی آلودہ لب کے وصف کا اللہ رے شوق
باغ میں گویا زبانِ برگِ سوسن ہو گئی

میکشی میں پیچ قسمت نے دئے ایسے امیر
شاخِ آہو کھا کے بل شیشے کی گردن ہو گئی

شرم بیجا ہے اگر شوقِ خود آرائی ہے
آرسی دیکھنے کو چشمِ تماشائی ہے

سرمگیں آنکھ دکھلا کر وہ جلا دیتے ہیں
سحر کے پردے میں اعجازِ مسیحائی ہے

تنگ آ کر ترے بیمار نے بیتابی میں
جب مسیحا کو پکارا ہے اجل آئی ہے

خط سے بڑھ جائیگا اُس چہرۂ روشن کا فروغ
شمع کو ظلمتِ شب سرمۂ بینائی ہے

کون کرتا ہے ادھر چشمِ ترحم سے نظر
شہر میں داغ جگر لالۂ صحرائی ہے

دل کے داغوں کا وہ نقشہ کہ شگفتہ ہے چمن
تیرہ بختی کا یہ عالم کہ گھٹا چھائی ہے

قتل کرنا اک اشارہ ہے جلانا اک بات
سحر اُن آنکھوں میں ہونٹوں میں مسیحائی ہے

مجھ تلک ہے نہ فرشتے کا نہ انسان کا گزر
دونوں عالم سے جدا عالمِ تنہائی ہے

بادۂ شوق سے چھلک جاتی ہے ساری محفل
دورِ ساغر مرے محبوب کی انگڑائی ہے

بس بہت بے ادبی خوب نہیں غل نہ کرے
شورِ محشر سے کہو اب مجھے نیند آئی ہے

موت کو ہم جو حیاتِ ابدی سمجھے ہیں
ملک الموت کو بھی نازِ مسیحائی ہے

چھیڑتی کیوں ہے شبِ وصل میں مشتاقوں کو
صبحِ کاذب تری شامت تو نہیں آئی ہے

بیکسی پھرتی ہے قمری کی طرح گرد امیر
سروِ آزاد مرا مصرعِ تنہائی ہے

شبِ وصل آنکھ تمہاری نہیں شرمائی ہے
جان لینے کو دلھن بنکے قضا آئی ہے

طرزِ مستی لبِ میگوں نے ترے پائی ہے
موجۂ مے نگہِ چشمِ تماشائی ہے

کونسا دل ہے نہیں جس میں خدا کا جلوہ
زاہدو مفت میں رسوا بتِ ہرجائی ہے

تیر باراں ہے خدنگِ نگہِ حسرت سے
اے اجل تجھ کو یہاں تیری قضا لائی ہے

ہوں وہ میکش نظر آیا ہے جو خالی شیشہ
آنکھ کی طرح طبیعت مری بھر آئی ہے

زیست کیا بعدِ فنا گور میں بھی ساتھ دیا
یارِ ثابت جسے کہتے ہیں وہ تنہائی ہے

تیری باتوں کے لیے کان ملے ہیں گل کو
آنکھ نرگس نے ترے دیکھنے کو پائی ہے

اے صبا کونسا گل ہے چمن آرا کہ بہار
چشمِ بادام کے پردے میں تماشائی ہے

کیا مزہ دیتا ہے اُس شوخ کا کہنا شبِ وصل
اب نہ چھیڑو نہ ستاؤ ہمیں نیند آئی ہے

بال بکھیرن کے جھگڑوں سے پریشان ہے دماغ
سمجھتے گور کو ہم گوشۂ تنہائی ہے

سخت حیرت ہے کہ یار ہے مجھ سے خلوت
ہٹتا دروازے سے ہیں کس راہ سے شرم آئی ہے

دل کو مل شوق سے قدموں کے تلے پر بچھان
سوچ لے دل میں کہ کس کا یہ تمنائی ہے

تیغ قاتل کی خجالت کا رہا ہے یہ خیال
پھروں رویا ہوں جو زخموں کو ہنسی آئی ہے

عزت افتادگی و عجز سے ہاتھ آئی امیر
خوش ہوں میں سنے یہ بڑی چیز بڑی پائی ہے

او بت وہ بت دیکھ خدا اور ہی کچھ ہے
ہٹ پردہ ہیں پردے میں چھپا اور ہی کچھ ہے

اے چرخ حسینوں کی جفا اور ہی کچھ ہے
معشوق کی چھیڑوں میں مزا اور ہی کچھ ہے

رنگ آج تو پھولوں کا صبا اور ہی کچھ ہے
آمد ہے جو اس گل کی ہوا اور ہی کچھ ہے

آغاز جوانی میں ادا اور ہی کچھ ہے
اکھٹتی ہوئی کونپل میں مزہ اور ہی کچھ ہے

قاصد یہ زبان اس کی بیان اس کا نہیں ہے
دھوکا ہے تجھے اسنے کہا اور ہی کچھ ہے

آفت تو ہے وہ ناز بھی انداز بھی لیکن
مرتا ہوں میں جسپر وہ ادا اور ہی کچھ ہے

چہرے کو کبھی چھپائیں وہ بدن کو کبھی چرائیں
آنکھیں یہی کہتی ہیں حیا اور ہی کچھ ہے

عارف سے یہ کہدو جو ترے فہم میں آئے
وہ سب ہے ترا وہم خدا اور ہی کچھ ہے

آیا مری بالیں پہ تو بولا یہ سہی خوال
آسیب نہیں ہے یہ بلا اور ہی کچھ ہے

کی اسکی جفا پہ جو وفا تونے تو اے دل
نازاں نہ ہو اس پر کہ وفا اور ہی کچھ ہے

کہتے ہو کہ ہم درد کسی کا نہیں سنتے
میں نے تو رقیبوں سے سنا اور ہی کچھ ہے

بیدرد کی فریاد کو کوئی نہیں سنتا
جس پر ہے اثر غش وہ دعا اور ہی کچھ ہے

معشوق سے کرتا ہے جفا کا کوئی شکوہ
مجھ کو تو مرے جان گلا اور ہی کچھ ہے

کیا خاک ہو بیمار محبت کو افاقہ
درد اور ہی کچھ اور دوا اور ہی کچھ ہے

کی میں نے لجائی ہوئی چتون کی جو تعریف
آنکھوں نے کہا جھک کے حیا اور ہی کچھ ہے

کیا جانے کسے دیکھ رہا ہوں میں بتوں میں
آنکھوں میں ہے کچھ دل میں بسا اور ہی کچھ ہے

کس سے میں کروں اپنے مسیحا کی شکایت
سمجھا ہے وہ کچھ حال مرا اور ہی کچھ ہے

ہنس ہنس کے جو وہ دل کو مرے چھیڑ رہے ہیں
آج اُس کے تڑپنے میں مزا اور ہی کچھ ہے

انداز حسینوں کے سنورنے میں ہیں کچھ اور
بگڑیں تو بگڑنے میں ادا اور ہی کچھ ہے

بے لطف تو شمشیر قضا بھی نہیں قاتل
لیکن ترے خنجر میں مزا اور ہی کچھ ہے

منہ سے تو کہا وصل کو تم نے نگر اے جان
آنکھوں نے اشاروں میں کہا اور ہی کچھ ہے

ہم مر بھی گئے مر کے ہوئے خاک بھی لیکن
ظالم یہی کہتا ہے وفا اور ہی کچھ ہے

عادت تو امیر اچھی ہے فریاد و دعا کی
پر شیوۂ تسلیم و رضا اور ہی کچھ ہے

ہم مر گئے آنے کی جو اُن کے خبر آئی
افسوس اجل چار قدم پیشتر آئی

بولے وہ مری شکل جو حیران نظر آئی
دیوار کہاں سے مرے گھر میں یہ در آئی

ظلمت شب فرقت یہ چھائی مرے گھر میں
جب دوپہر آئی تو میں سمجھا سحر آئی

اتنا تو پتا ہجر کی شب صبح کا پایا
صد شکر کہ بالوں میں سفیدی نظر آئی

کیا بےخبری ہے کہ ہوئے عشق کو برسوں
اب تک نہیں معلوم طبیعت کدھر آئی

مہمان کی صورت اُسے آنکھوں میں جگہ دی
دامن سے لگی گھر میں جو گرد سفر آئی

چھائی تھی امیر اُس کی صباحت جو نظر میں
شام آئی میرے گھر میں تو سمجھا سحر آئی

کہتے ہیں وصل میں پوری نہ خلوت ہوگی
ساتھ کھیلی ہوئی ہمدم مری عصمت ہوگی

دو قدم تم چلو گے تو وہ رخصت ہوگی
ساتھ کیا ٹھوکریں کھانے کو قیامت ہوگی

ناتواں ہوں میں تو کیا جب شب وصلت ہوگی
دیکھنا میری طرف تیری نزاکت ہوگی

لذت جور بھی لب پر نہیں لا سکتا ہوں
شکر بھی میں جو کروں گا تو شکایت ہوگی

میرے دشمن ہیں مردوں لحد میں تکلیں
ختم ترا ہوگا ہیں ہوں گا تری حسرت ہوگی

واعظ اک وقت میں دو کام نہیں ہو سکتے
تو پھر آئیں گے جو مے پینے سے فرصت ہوگی

بے گناہوں کا کیا خون اسی ظالم نے
ناامیدی سے امیدوں کو شکایت ہوگی

طپش برق کے ہیں طعنہ اپنے تک چرچے
کبھی تڑپی ترے دیدار کی حسرت ہوگی

دیکھا ہے دل کبھی وصل کا نہ حیا کا کھانا
شرم کی آڑ میں پوشیدہ شرارت ہوگی

جب کہا ضعف سے مرتا ہوں تو ہنسکر بولے
اس سے کیا ٹوٹیگا دم جس میں طاقت ہوگی

عرصۂ حشر کہاں رند خرابات کہاں
جائیں گے پینے پلانے سے جو فرصت ہوگی

کہتے ہیں سب کچھ ابھی ہے جو شب وصل آئے
پھر نہ آنکھوں میں مروت نہ اطاعت ہوگی

ذکر حشر آتا ہے تو قاتل یہ سوچ آتا ہے
ہائے اس روز تجھے کیسی ندامت ہوگی

نزع میں آپ کہاں آتے ہیں اٹھیے اٹھیے
جلیئے جاتیے ہونی ہے جو حالت ہوگی

حشر میں بھیڑ گناہوں کی تو ہوگی پیچھے
اور گنہگاروں کی آگے تری رحمت ہوگی

درد بھی اٹھ کے شب ہجر میں کہہ اٹھتا ہے
بھائی مجھ سے نہ تیرے دل کی رفاقت ہوگی

یار آیا ہے عیادت کو تڑپ اور امیر
اٹھ کھڑا ہوگا وہ ٹھہری جو طبیعت ہوگی

کیا کہا دم بھی نہ نکلے گا جو الفت ہوگی
جان بھی کہا کوئی ظالم تری حسرت ہوگی

شیخ جی یوں ہی جو مے پینے کی عادت ہوگی
ایک دن رہن یہ دستار فضیلت ہوگی

آرزو وصل کی اس ڈر سے نہیں کر سکتا
دل شکستہ مرے ہمدم تری فرقت ہوگی

تھر پہنچیگا نہ محشر میں گنہگاروں تک
راہ روکے ہوئے گھیرے ہوئے رحمت ہوگی

بے سبب دل نہیں بیچین ہوا جاتا ہے
چٹکیاں لیتی کسی کی کوئی حسرت ہوگی

کچھ بھی نکلی نہ ترے فتنۂ قد کے آگے
سمجھے تھے کوئی بڑی چیز قیامت ہوگی

دل کو دیجائیگی تسکین کسی کی آنسو پر
جان بچنے کی بھی ہجر میں صورت ہوگی

ابھی بیٹھے ہو تو آفت یہ ہے آفت برپا
اٹھ کھڑے ہوگے تو ایک آن قیامت ہوگی

ہول پوچھو نہ مرے دل کا مری جان مجھ سے
تم جو لے لوگے خوشی سے وہی قیمت ہوگی

نزع میں کہتے ہو حوروں سے ہے نبھنا مشکل
کیا تمہاری ہی سی اُنکی بھی طبیعت ہوگی

بوسہ مانگا جو لبِ وصل تو بولے ہاں ہاں
اب تو ہر وقت مری جان پر آفت ہوگی

دخترِ رز کا بھی جوبن نہ اُبھارے جس کو
ایسی مُریل کسی زاہد کی طبیعت ہوگی

جب کہا میں نے کہ کچھ دن ہی سے آنا تو کہا
شام سے پہلے ہی آئی تری شامت ہوگی

مستیاں وصل میں عصمت کو تو سمجھا لینگی
نہ ٹلے گی مری دشمن جو نزاکت ہوگی

جیتے جی وہ نہ ہوا صاف تو سمجھا ہیں امیر
مٹی دینے کے لئے گرد کدورت ہوگی

روزِ فرقت بھی ہمیں وصل کی لذت ہوگی
گردشِ چشمِ پری گردشِ قسمت ہوگی

کیا خبر تھی کہ جوانی تری آفت ہوگی
بات کرنی بھی غریبوں کو مصیبت ہوگی

کہیے چرچا ہے مسجد میں جناب واعظ
آپ سے ہم سے تو میخانے میں حضرت ہوگی

کہتے ہیں قبر کی حالت میں تو ہو طالبِ وصل
کیسے کھل کھیلو گے جب تم پہ عنایت ہوگی

ایک کی ایک کو ہوگی نہ خبر محشر میں
لیگی جو سب کی خبر وہ تری رحمت ہوگی

دردِ دل کہنے لگا میں تو وہ بولے بس بس
بیٹھے بیٹھے سن لیں گے جو فرصت ہوگی

گدگدا بھی نہیں سکتا میں شبِ وصل اُنکو
لبِ نازک کو ہنسی سے بھی اذیت ہوگی

صبح سے جب یہ غریب آگ ہے عکسِ رُخ سے
دن چڑھے کیا ترے آئینے کی صورت ہوگی

تا بدوزخ یہ گماں ہے مجھے اے شاہدِ حسن
شوخ ہے تو کوئی تیری ہی شرارت ہوگی

قہر کے رعب سے پیچھے جو ہٹیں گے مجرم
دل بڑھاتی ہوئی آگے تری رحمت ہوگی

حسرتِ مردہ بھی نکلیگی نہ میرے دل سے
اسی ویرانے میں اُسکی کہیں تربت ہوگی

لاش دیوانۂ گیسو کی یوہیں گڑوا دو
کنگھی چوٹی سے تمہیں کاہیکو فرصت ہوگی

ہونٹھ کو ہونٹھ ترے جو سمجھتے ہیں گلشن میں
یہ نئی بات ہے اب تجھ سے رقابت ہوگی

صبح کو ہوگا گلہ چوس لی مستی میری
صدقے اُن ہونٹوں کے جنسے یہ شکایت ہوگی

بڑھ رہی ہے صفتِ زلف تو دُاسکی امیر
آگے بڑھ کر یہی چوٹی کی ریاست ہوگی

ہر قدم پر جو یہی ناز کی صورت ہوگی
ہیں تو کیا تجھ پہ فدا تیری نزاکت ہوگی

ہے کھٹکے نزع میں اُس وقت قیامت ہوگی
جان جب حسرتِ دل سے مری رخصت ہوگی

دل تڑپتا ہے لحد میں تو یہ آتا ہے خیال
یوں ہی بے چین مرے ہجر میں حسرت ہوگی

بجلی چمکی جو تبسم کی تو بولا وہ شوخ
کسی بیچین طبیعت کی شرارت ہوگی

بڑی سرکار ہے وہ میرے گنہ تھوڑے ہیں
ہائے کیا حشر میں رحمت سے ندامت ہوگی

اُن کی تصویر سے لے دل نہ لپٹ ورنہ اُنہیں
تیرے آغوش تصور سے بھی نفرت ہوگی

بے سبب نفس کشی کیا فقرا کرتے ہیں
ترکِ لذت میں بھی اُنکو کوئی لذت ہوگی

دیکھ لیگا مری حالت جو محبت میں تو پھر
کوئی کمبخت ہی ہوگا جسے الفت ہوگی

سنتے ہیں آج اُدھر جائیگا وہ حشر خرام
ہائے کیا گورِ غریباں میں قیامت ہوگی

وصل کی سنکے دعا تم نے بھی آمین کہی
اب اثر صدقے تو قربان اجابت ہوگی

چھوٹے سے قد پہ نہ اُس زلف کے جانا اے دل
ابھی آفت ہے بڑھیگی تو قیامت ہوگی

چار دن کا ہے ترا طنطنہ منعم اک روز
کوسِ رحلت ترے دروازے کی نوبت ہوگی

سخت جانی تجھے مٹنے جو نہ دیگی دمِ ذبح
ہائے رسوا مرے قاتل کی نزاکت ہوگی

روزِ محشر نے درازی یہ کہاں سے پائی
پردۂ حشر میں میری شبِ فرقت ہوگی

کبھی آئیگا وہ دل میں کبھی آنکھوں میں امیر
یہی خلوت میری ہوگی یہی جلوت ہوگی

مدحِ مژہ اُس رشکِ قمر کی جو رقم کی
چمکی وہ عبارت کہ یہی نوک قلم کی

کیا راہبری موت نے کی خضر کی صورت
بند آنکھ ہوئی تھی کہ کٹی راہ عدم کی

چلتی ہے کہیں خواہشِ دیدار دوبارہ
پھر برق سرِ طور کسی روز نہ چمکی

ہر چند وہ کم عمر بہت ہیں پر ابھی سے
رفتار قیامت کی ہے باتیں ہیں ستم کی

ہے غیر کے سینے میں جو داغِ غمِ ابرو
روشن ہے صنم خانہ میں قندیل حرم کی

آتے ہیں بہت منزلِ ہستی میں مسافر
دیتا نہیں پر کوئی خبر اہلِ عدم کی

تھا وصیان امیر اس کی گلی کا جو پسِ مرگ
آئی مرے مرقد میں ہوا باغِ ارم کی

طوفان مرے رونیکے سمندر سے بڑھیں گے
انجم کے چراغ آہ کی صرصر سے بڑھیں گے

جنت کے جو طالب ہیں سدا ہائے شوخ جنت
اپنے نہ قدم کوچۂ دلبر سے بڑھیں گے

ہر چند لڑکپن میں ہے بوٹا سا قد اُن کا
ہونے وہ جوان سروِ صنوبر سے بڑھیں گے

قسمت سے جو پایا شرفِ خدمتِ مہدی
پہلے قدم اپنے صفِ لشکر سے بڑھیں گے

دوزخ کے سزاوار نہ فردوس کے قابل
ہم لوگ شمارِ صفِ محشر سے بڑھیں گے

کام آئیں گے محشر میں امیر اشک غمِ شاہ
قیمت میں یہ قطرے دُر و گوہر سے بڑھیں گے

جان لیکر بھی نہیں دل سے یہ ہٹنے والے
تیرے گیسو ہیں بلا ہو کے لپٹنے والے

آج تو دعوتِ مے آپ کو کرنی ہو گی
رندا یوں حضرتِ واعظ نہیں ہٹنے والے

کی نظر بھی تو نگاہِ غلط انداز سے کی
تیر بھی تم نے لگائے تو اُچٹنے والے

کوے قاتل میں جو چلتا ہو چلا و شتاقو
ہار زنجنوں کے ہیں سرکار ہیں بٹنے والے

وا من اس گل کا یہ کہتا ہے کہ ہم کو نہ چھوؤ
ہم لجا لو سے بھی بڑھ کر ہیں سمٹنے والے

دستِ جاناں بھی گریباں کے اُڑینگے پرزے
اے جنوں یہ تیرے ہاتھوں نہیں چھٹنے والے

میان میں تیغ وہ کرتا ہے تو کہتی ہے قضا
اور دو چار گلے ہیں ابھی کٹنے والے

اپنے مشتاقوں سے گھبرا گئے شاہ مرگ
ہیں یہ شمشیر برہنہ سے لپٹنے والے

نشان اللہ کی اس بزم میں ناصح بھی ہیں چپ
بت بنے بیٹھے ہیں ہر بات کے رٹنے والے

عشق پیچے پہ نظر کرتے ہے اگر عاشق زار
کہ درختوں سے لپٹتے ہیں لپٹنے والے

قیمت جام میں کرتے ہیں طلب دولت جم
دام کب بادہ فروشوں سے ہیں پٹنے والے

خون ہو طالب دیدار کا یا دم اُلٹے
وہ تو پردہ نہیں چہرے سے اُلٹنے والے

تھا ابھی وصل کا اقرار ابھی ہے انکار
بارک اللہ زبان دے کے پلٹنے والے

رہنے دو تم ابھی دیوان کو چھانٹو نہ امیر
آپ چھٹ جائینگے جو شعر ہیں چھٹنے والے

میرے گھر رات دن اشکوں کی جھڑی رہتی ہے
ہاتھ باندھے ہوئے برسات کھڑی رہتی ہے

بیخودی میں بھی ہیں دیدار سے محروم نہیں
دل کہیں ہو مگر آنکھ اُس سے لڑی رہتی ہے

اور پردے نہیں ہوتے جو شب وصل تو کیا
بیچ میں شرم کی چلمن تو پڑی رہتی ہے

کس طرح کرتے ہو اوروں کے جگر میں سوراخ
نوک مژگاں تو مرے دل میں گڑی رہتی ہے

وادی عشق وہ وادی ہے جہاں مر کے امیر
برسوں بے گور و کفن لاش پڑی رہتی ہے

جو نازک طبع ہیں محفوظ ہیں قہر الٰہی سے
کبھی چھالے حبابوں کے نہ چھوٹے خار ماہی سے

یہ آب و تاب ہے دو چار دن دولت پناہی سے
ٹپک جائیں گے آنسو بنکے موتی تاج شاہی سے

ملا کیا من و سلویٰ ہم کو بھی فضل الٰہی سے
مزے اُٹھے مے صاف و کباب مرغ و ماہی سے

وہ آنکھیں دیکھ کر عاشق کو اپنے پھیر لیتے ہیں
خدا کی شان رہزن بھاگتے ہیں دور راہی سے

بنائی ظالم و مظلوم کی شکل ایک گردوں نے
مشابہ دام ماہی گیر بھی ہے پشت ماہی سے

بہت مشتاق ہوں وہ اہل قاضی آکے پڑھ جائے
ہوئی ہے زینت رز ہشیار اب فضل الٰہی سے

کھلی جنت میں زلف حور تو جنت سے میں بھاگا
ڈرا اتنا اسقدر شبہائے فرقت کی سیاہی سے

کیا دریا کو یہ صحرا ہماری گرم آہوں نے
کہ روئیں مچھلیاں پانی کی خاطر ریگ ماہی سے

وہ مجرم ہوں گنہ کا عذر بھی میں کر نہیں سکتا
کہ رحمت اسکی شرمائی ہے میری عذر خواہی سے

سلامت اشک تہمت سے رقیبوں کی نسٹورا یہ دل
ہوا دامانِ یوسف پاک لڑکے کی گواہی سے

زوالِ حسن میں یوں چہرۂ جاناں پہ خط نکلا
نکل پڑتے ہیں لڑکے جسطرح گھر کی تباہی سے

جو پلّے پر ہے رحمت دیکھ لینا حشر آنے دو
گنہگاری مری جلنے لگی میدان بیگناہی سے

میں وہ غربت زدہ ہوں میری غربت جسنے دیکھی ہے
گلے مل مل کے رہزن روتے ہیں ایک ایک راہی سے

زباں کاٹیں جو کم رزقی کا اب آنے لگا لب تک
تبرک ملگیا ہم کو بھی درگاہ الٰہی سے

خدا سے ڈر نہ کر اے روح عزرائیل کا شکوہ
کہ ہر جلاد گردن مارتا ہے حکمِ شاہی سے

بیاباں مرگ میں اہل وطن کا شک گذرتا ہے
لپٹتی ہے ہماری خاک امیر ایک ایک راہی سے

وہ خوش ہنگامِ آرایش ہیں اپنی کج کلاہی سے
لرزتا ہے مرا دل آئنے کی بد نگاہی سے

لڑی یوں آنکھ اپنی چشم قاتل سے تہِ خنجر
سپاہی روزِ میداں جیسے لڑتا ہے سپاہی سے

فراموشی جو اُن کی ہے تو ہم بھی ٹال جائینگے
خطا ثابت کرے کون اپنے ذمہ عذر خواہی سے

خدا سے ڈر نہ کر اندھیر اے بختِ سیہ اتنا
دبے جاتے ہیں گیسوے بتاں تیری سیاہی سے

سنا ہے غیر سے ہمنے کہ تم ہو حسن میں یکتا
یہ دعویٰ سچ مگر ثابت ہوا جھوٹی گواہی سے

مرا دل او ستمگر چلتے چلتے کر دیا چھلنی
نگاہیں برچھیاں مڑ مڑ کے کیا کیا کج نگاہی سے

زوالِ حسن ہے اب کیوں تمہارے گرد ہیں عاشق
کہو رخصت ہوں پروانے چراغِ صبحگاہی سے

شبِ فرقت کا خاکہ کھینچکر نقاشِ قدرت نے
بھرا ہے رنگ شاید گورِ کافر کی سیاہی سے

سوا مے کے نہیں ساقی سے تیرے مست کرتے ہیں
کھلا ہوگا کبھی منہ تو کھلا ہوگا جماہی سے

کہاں ہیں مضطرب ہمسے جہاں میں بار ہا ہمنے
تڑپنا لوٹنا چھڑوا دیا ہے برق و ماہی سے

ہمارے دل کا آئینہ سرِ محفل تو پہنچا ہے
زیادہ آپ ہے بیتابی تو انکی کم نگاہی سے

سیہ طالع تو ہوں پر ہیں دو عالم مجھ سے یوں روشن
کہ نور آنکھوں میں ہے جسطرح پتلی کی سیاہی سے

الٰہی وہ بھی دن آئے کہ وہ بُت مجھ کو بلوائے
کہوں میں ایک دم فرصت نہیں یادِ الٰہی سے

امیر اب جلد ہستی سے چلو سوئے عدم اُٹھو
نمانے گی اجل کچھ فائدہ کیا عذرخواہی سے

رتبہ شہیدِ عشق کا گر جان جائیے
قربان ہونے والے پہ قربان جائیے

اچھی نہیں اطاعتِ عاشق کی عادتیں
کہنا رقیب کا نہ کہیں مان جائیے

خنجر کمر سے کھینچ کے گردن پہ رکھ دیا
اور بولے اب تو کہہ ترے قربان جائیے

کہتے ہیں گھر مرا کوئی حسرت کدہ نہیں
صاحب یہاں نہ چھوڑ کے ارمان جائیے

عاشق کی لاش پر ہے کچھ اظہارِ غم ضرور
صورت ذرا بنا کے پریشان جائیے

ہم کو تو ہائے کوئی کہیں پوچھتا نہیں
پوچھے تو لاکھ مرتبہ مہمان جائیے

قاضی سے جا کے دارِ قضا میں کوئی کہے
سبزی قلندروں کی ذرا چھان جائیے

اچھا ہوا کہ حضرتِ دل واں دھر گئے
کس نے کہا تھا بنکے نگہبان جائیے

جیسا ہو ویس بھیس بھی ویسا ہی چاہیے
جنگل کو چاک کر کے گریبان جائیے

کہتے ہیں بوسہ دیجیے میں آفت میں پڑ گیا
رٹ ہے اک اور بھی ترے قربان جائیے

مٹی نہ دیجیے مجھے اچھا نہ دیجیے
اچھا ملا کے خاک میں ارمان جائیے

جوڑا نہ آپ آئنہ خانے میں کھولیے
ایسا نہ ہو کہ ہو کے پریشان جائیے

آخر ہوئے نہ حضرتِ دل آپ ہی ذلیل
ہاں اور دوڑ دوڑ کے مہمان جائیے

آخر ہے رات وصل کی کب تک نہیں نہیں
بس بس خدا کو مان کے اب مان جائیے

خلوت میں اُس کی دل کو تو لیجائیے امیر
پر دل میں کوئی لیکے نہ ارمان جائیے

پہچان پر ہے ناز تو پہچان جائیے
کیا ہے ہمارے دل میں بھلا جان جائیے

گھر غیر کے مزے سے مری جان جائیے
شوخی و شرم دو ہیں نگہبان جائیے

اس بانکپن سے قتل ہوا میں کہ کہہ اُٹھے
ایسا ہو جاں نثار تو قربان جائیے

مانی ہیں میں نے سیکڑوں باتیں تمام عمر
آج آپ ایک بات مری مان جائیے

کہتے ہیں آ کے در پہ مرے پائیے گا کیا
ہاں خاک چھاننی ہو اگر چھان جائیے

پُر رشک یہ بلا ہے دمِ رخصتِ حبیب
کیونکر کہوں خدا ہے نگہبان جائیے

محشر میں بھی شہیدِ محبت کو ہے یہ رٹ
اک ہاتھ اور بھی ترے قربان جائیے

آئے ہیں بال کھولے دمِ نزع اس لیے
دنیا سے جائیے تو پریشان جائیے

جانے کو منع میں نہیں کرتا مگر حضور
دل سے مرے نکال کے ارمان جائیے

اُن چتون سے کہتی ہیں یہ حسرتیں مری
ان ناوکوں سے سینہ و دل چھان جائیے

ہو آشنا خدا سے تو کعبے کو جائیں ہم
ہو میزباں سے رسم تو مہمان جائیے

بالیں پہ آپ ہیں تو نکلتا نہیں ہے دم
مشکل کو میری کیجیے آسان جائیے

کیا ہند میں کمی ہے معشوق کی امیر
شیراز جائیے نہ خراسان جائیے

چاندنی میں جو وہ آ جاتا ہے
چاند کو داغ لگا جاتا ہے

کسقدر زار ہے عاشق تیرا
رنگ کے ساتھ اُڑا جاتا ہے

سر بکف ہیں ہوں وہ شمشیر بکف
فیصلہ آج ہوا جاتا ہے

آئنہ دیکھ کے شرمائیں نہ آپ
دیکھیے کوئی کھپا جاتا ہے

دل لگی سمجھے ہو دل کا آنا
جان جاتی ہے جب آ جاتا ہے

اتنی تیزی نہ کر اے نشۂ حسن
کوئی بیہوش ہوا جاتا ہے

کہیے مطلب کی جو اس سے تو امیر
سُن کے وہ صاف اڑا جاتا ہے

عکسِ آئینہ سے یہ ظاہر ہے
تو ہی اوّل ہے تو ہی آخر ہے

وصل اُس بت سے ہو جو ہمکو نصیب
کچھ تعجب نہیں وہ قادر ہے

جان سی چیز دی نہیں جاتی
پر کروں کیا تمہاری خاطر ہے

قتل میں کس لیے اب "تاخیر"
آپ موجود بندہ حاضر ہے

کب سرِ معرکہ یہ بڑھ کے ٹلا
قادم اپنا بھی حکم نادر ہے

کوئی مہمان سرا ہے یہ دنیا
جو ہے اس گھر میں وہ مسافر ہے

چشم پرخون کے دیکھنے سے امیر
دل کا جو رنگ ہے وہ ظاہر ہے

تجھ کے پہلو میں یار دیکھیے کب تک رہے
جانِ حزیں بیقرار دیکھیے کب تک رہے

پھول تو سب باغ میں سوکھ کے کانٹا ہوئے
گلبدنوں کی بہار دیکھیے کب تک رہے

نرگسِ شہلا ہے مست جامے سے باہر ہیں گل
حسنِ عروسِ بہار دیکھیے کب تک رہے

ساقیِ پیماشکن گھر سے نکلتا نہیں
نشئہ مے کا خمار دیکھیے کب تک رہے

روز نئے دل وہاں پھنستے ہیں جا کر امیر
یار کو شوقِ شکار دیکھیے کب تک رہے

سہو کیا کہ وہ شوخ کیا آدمی ہے
عجب چال کا گھات کا آدمی ہے

نہیں مردِ چشم یہ ہے کسوٹی
نگاہوں میں اچھا برا آدمی ہے

جو سمجھے کہ میں ہوں زمانے سے چھوٹا
وہی فی الحقیقت بڑا آدمی ہے

بتوں میں خدائی کا جلوہ دکھایا
برہمن بھی با خدا آدمی ہے

بڑائی مری سُن کے غیروں سے اچھلے
یہ سب سچ مگر یہ کیا آدمی ہے

امیر اس کی ہے لامکاں تک رسائی
فرشتے سے بھی کچھ سوا آدمی ہے

کوچۂ یار پر خفقان صدمے
سنا ہے عشوہ سینہ پر ہجران صدمے

ایک سیاہی نگاہ پر تیری
لاکھ بانکوں کا بانکپن صدقے

تو وہ ہے شمع انجمن جس پر
انجمن کی ہے انجمن صدقے

خط عارض پہ سبزہ زار نثار
گل رخسار پہ چمن صدقے

دختر رز کو دیکھ لے جو کبھی
کہہ اُٹھے شیخ جان من صدقے

تیرے کوچے سے گھر کو کیا نسبت
ایسی غربت پہ سو وطن صدقے

یاد آتا ہے اُن کا یہ کہنا
تجھ پہ اے امیر من صدقے

منکسر وہ ہیں ہمارا گھر بنے اور ٹوٹ جائے
اُٹھتے ہی دیوار بیٹھے در بنے اور ٹوٹ جائے

غیر نے تدبیر کی ہے پر نہ ہو اس بت سے وصل
یہ طلسم اے خالق اکبر بنے اور ٹوٹ جائے

وعظ ہے مدِ نظر واعظ کو رندوں کی ہنسی
پیشگوئی ہو کہیں منبر بنے اور ٹوٹ جائے

دل شکستہ کیوں نہ بعد مرگ ہوں گا اے کلال
جب ہماری خاک سے ساغر بنے اور ٹوٹ جائے

تیغ آہن کا ہے میری سخت جانی سے یہ حال
جیسے مٹی کا کوئی خنجر بنے اور ٹوٹ جائے

ہوں وہ دیوانہ جو رکھوں دشت وحشت میں قدم
چار چھالوں میں مرے نشتر بنے اور ٹوٹ جائے

کشتی مے جوش فصل گل سے ہے اس زور پر
توبۂ زاہد یہاں لنگر بنے اور ٹوٹ جائے

بحر ہستی میں تن انسان حباب آب ہے
آن واحد میں نہ کیوں یہ گھر بنے اور ٹوٹ جائے

دل شکستہ ہوں کھنچے مانی سے کیا پوری شبیہ
پاؤں کھچکر ہوں شکستہ سر بنے اور ٹوٹ جائے

ہمدم تجھ سے جو اس بت کی کہوں سنگیں دلی
سنتے سنتے دل ترا پتھر بنے اور ٹوٹ جائے

آنکھ تیری آ کے گردش میں جھپک جائے اگر
اک نگاہ میں ساقیا ساغر بنے اور ٹوٹ جائے

ہے زمین سست میں برباد کاوش اے امیر
جیسے ریگستان میں چاہ اکثر بنے اور ٹوٹ جائے

یوں آنسوؤں سے ہے دل مضطر کی خرابی
برسات میں ہو جیسے کسی گھر کی خرابی

ہے قالب بیجان کی طرح روح سے خالی
کیا پوچھتے ہو مجھ سے مرے گھر کی خرابی

دل خاک ہو آباد جو برباد کرے عشق
ظالم ہو جو حاکم تو ہے کشور کی خرابی

واعظ سے کہے کوئی کہ للہ ریا چھوڑ
تا چند یہ محراب کی منبر کی خرابی

سو گنج رواں دیں عوض اک جام کے میکش
مصرف کے لگے ہاتھ تو ہے زر کی خرابی

ہر چند کہ ہو صاف سخن لاف ہے بیجا
ہوتی ہے گرج جانے سے گوہر کی خرابی

ہے سست مضامین سے امیر اپنی غزل سست
ہے ناخلف اولاد سے اس گھر کی خرابی

کیونکر رہیں نہ اسکی نظر سے گرے ہوئے
ہم سے ہمارے طالع بد ہیں پھرے ہوئے

فرہاد و قیس و نل کا جہاں ذکر آ گیا
اپنے بھی عاشقی کے وہاں تذکرے ہوئے

ساقی ہو برق مے کہیں شیشے سے جلوہ گر
گلشن پہ کیا سیاہ ہیں بادل گھرے ہوئے

اللہ ہے کہ جان غریبوں کی اب نہ بچے
ترکوں کے نیمچوں میں پٹھے چڑھے ہوئے

جب سے پڑی ہے آنکھ کسی روئے صاف پر
ہیں مہر و ماہ دونوں نظر سے گرے ہوئے

اللہ رے انقلاب زمانہ کہ ان دنوں
جو اس سرے پڑے تھے وہی اس سرے ہوئے

پلکوں کو اور یار کی آنکھوں کو دیکھ لو
نیزوں میں دو غزال ہیں گویا گھرے ہوئے

دیوان میں لکھا جو کسی ضعف دل کا حال
بحریں ہوئیں خفیف ورق جھرجھرے ہوئے

گیسو کا بوسہ دیں وہ اگر لے کے نقد دل
نقصان نہیں ہے دام ہیں لٹتے ترے ہوئے

کیا منہ چڑھے ہیں گے خال رخ یار کے امیر
انجم ہیں آپ اپنی نظر سے گرے ہوئے

جبیں قمر ہے ہلال ابرو تو چہرہ غصے سے لال بھی ہے
بتوں سے ظاہر ہے شان خالق جمال بھی ہے جلال بھی ہے

ہیں تیرہ بختی سے اپنی خوش ہم کہ تیرہ زلف و خال بھی ہے
خدا کے گھر کا غلاف کالا سیاہ رنگ بلال بھی ہے

کشیدہ ابرو ہیں اس قمر کے تو روئے پر نور لال بھی ہے
سپہر خوبی پہ ہے یہ ثابت کہ مہر بھی ہے ہلال بھی ہے

وہ رنگ کیا دے جو کچھ ہو دنیا کریم کیا پوچھنا ہے اُس سے
گواہ تغییر حال بھی ہے گدا کی صورت سوال بھی ہے

کیسکو دیکھا کہ ہو گئے چپ ہوئی فراموش ساری ہو حق
پڑے ہیں مثل مریض صوفی کرینگے کیا وجد حال بھی ہے

بٹھائیے در پر رقیب کو وہ مرے گھر آئینگے دیکھنے کو
خوشی تو ہے میرے دلکو لیکن شریک کچھ کچھ ملال بھی ہے

کہے یہ زاہد سے کوئی جا کر میری بخشش کا کیوں ہے منکر
گناہ کرتا تو ہوں میں بیشک مگر مجھے انفعال بھی ہے

اگرچہ فاقہ سے میں ہوں لیکن نظر ہے میری بلند اتنی
عروس دولت کو خاک جانوں نظر میں میری یہ مال بھی ہے

وہ قد قیامت وہ خال آفت غضب کے تیور بلا کی چتون
نگاہ ناوک بھی برق بھی ہے کمان سے ابرو ہلال بھی ہے

بتوں کی الفت سے باز آؤ خدا سے پیری میں لو لگاؤ
امیر دنیا سے ہاتھ اٹھاؤ ضرور فکر مآل بھی ہے

ہاتھ طوقِ گردنِ مینا کیے
میکدے میں ہم مزے لوٹا کیے

ہم وہ میکش تھے کہ پی جبتک شراب
دامنِ قاضی سے منہ پونچھا کیے

حضرتِ ناصح یہاں آتے تھے آج
دیر تک کچھ بیٹھے جھک مارا کیے

آئینے کو تم نے دکھلایا جمال
ہم کنارے بیٹھے منہ دیکھا کیے

مٹ گئے جب داغِ دل ہو لالہ گل
پھول جو ہمنے دیے تھے کیا کیے

دخترِ رز آئی ہمارے پاس امیر
اور میکش دور سے تاکا کیے

دن جوانی کے گئے پیریِ سفر کا وقت ہے
رات گزری چونک اے غافل سحر کا وقت ہے

چشم پوشی سے تغافل سے حذر کا وقت ہے
دم ہے آنکھوں میں ترحم کی نظر کا وقت ہے

وصل کی شب کچھ ابھی ہے یا سحر کا وقت ہے
کان بجتے ہیں الٰہی یا گجر کا وقت ہے

گھر کہاں جاؤ گے خسخانے میں جاکر سو رہو
دھوپ پڑتی ہے غضب کی دوپہر کا وقت ہے

اضطرابِ دل ہوا پیدا جو ہنگام دعا
ہو گیا پورا یقین مجھکو اثر کا وقت ہے

اسقدر ہو رہرو کیا پاؤں پھیلائے ہوئے
رنگسا کی آواز آتی ہے سفر کا وقت ہے

تاب رخ میں زلف کھنچتی ہے دل عشاق سے
دھوپ سے سائے میں ٹھہرو دوپہر کا وقت ہے

خود بخود سینے میں کیوں ٹکڑے ہوا جاتا ہے دل
شاید اس کوچے میں قتل نامہ بر کا وقت ہے

روکتا ہوں میں تو کہتے ہیں وہ دامن کھینچ کر
مجھ کو جانے دو دھندلکے میں سحر کا وقت ہے

نیک ساعت ہے دعائے وصل اس دم چاہیے
آنکھیں بھر آئی ہیں اختر کے گزر کا وقت ہے

ضعفِ تن نے مجھ کو پیری میں خبر دی کوچ سے
ہچکیاں چلنے لگیں تو میں سمجھا گجر کا وقت ہے

ایک دم مجھ زار کو فرصت تڑپنے سے نہیں
درد دل کے بعد ہی درد جگر کا وقت ہے

نیمچاں چھوڑے ہوئے مقتل سے جاتا ہے وہ شوخ
اے نگاہ یاس یہ تیرے اثر کا وقت ہے

گرمیاں اس رخ کی بھپکے دیتی ہیں روز وصال
آفتاب آیا ہے سر پر دوپہر کا وقت ہے

رات گزری صبح آئی کر دعا حق سے امیر
سارے وقتوں سے یہی اچھا اثر کا وقت ہے

صبا کو یہ کیا آج سوجھ آگئی
کہ پھولوں سے تربت مری چھا گئی

ادا اسکی کیا ستم ڈھا گئی
قضا کے گلے مجھ کو ملوا گئی

جہاں سے مجھے لائی تھی میری عمر
وہیں سبزہ دکھلا کے پہنچا گئی

صدا خاک لیلیٰ سے آئی کہ قیس
تجھے تیری دیوانگی کھا گئی

خدا جانے وہ تیغ کیا وقت قتل
گلے مل کے بسمل کو سمجھا گئی

ستم لذت بیستی نے کیا
تجھے میرے ہاتھوں سے اٹھوا گئی

وہ بیمار بیکس ہوں میں ناتواں
تڑپ آ کے کروٹ بدلوا گئی

مرے عشق کی وجہ ناصح نہ پوچھ
طبیعت ہی تو ہے ادھر آ گئی

غضب آگیا جان عشاق پر
جہاں کوئی ہچکی انہیں آ گئی

ذرا اپنے منہ ہی سے پوچھو تو تم
مرے دل میں کیوں آگ بھڑکا گئی

رہا وصل میں بھی میں محروم وصل
حیا اسکو پردے میں بٹھلا گئی

بڑی بیوفا عمرِ رفتہ تھی ہائے — مسافر کو رستے میں لٹوا گئی

ہوئی وصل میں بھی خلوت نصیب — جو شوخی ہٹی تو حیا آگئی

بلایا تو تھا میں نے تجھ کو حیا — لپٹ کر تیرے ساتھ کیوں آگئی

عدم کا کبھی رستہ نہ سیدھا رہا — کہ اسکی کمر آج بل کھا گئی

پہ کیوں غمزے کرتی ہے عشاق سے — قضا کو کہاں سے ادا آگئی

نئے رنگ کے کھل گئے گل امیر
طبیعت جہاں رنگ پر آگئی

وہ صورت تصور میں کیا آگئی — پری آکے تصویر کھچوا گئی

نئی چشمِ ساقی کی موج آگئی — مری عمر کا جام چھلکا گئی

تری طرح کیا وہ بھی ہے سوگوار — ہنسی میرے پھولوں میں کیوں آگئی

کہا جھک کے مینا نے کچھ جام سے — تری بات اے دخترِ رز آگئی

نہ آئے اگر یارِ پیماں شکن — اجل آنے میں تو نہ کترا گئی

کہانی مرے درد کی کچھ نہ تھی — مگر ساری مجلس کو تڑپا گئی

کھلا ان کا جوڑا تو دشمن کے گھر — اندھیری مرے گھر میں کیوں چھا گئی

قیامت ہے واعظ اسی تاک میں — ادھر تو نے پی اور اُدھر آگئی

پسینے میں کیوں ڈوبتی تیغ یار — کیا اُسنے عریاں تو شرم آگئی

چھپا رخ کو دل لیکے اُس زلف نے — وہ قرآن کی جھوٹی قسم کھا گئی

قیامت ہیں اے یاس جھونکے ترے — مری شاخِ امید مرجھا گئی

مرے دل کی اللہ رے بربادیاں — کہ وحشت بھی تنہا سے گھبرا گئی

نظر تم نے گھونگھٹ اُٹھا کر جو کی — عروسِ بہار اور شرما گئی

مرا دل تھا وہ پھول کی پنکھڑی — چمن میں جو کھلتے ہی مرجھا گئی

نہ تھے تیرے مرنے کے یہ دن نعیم[1] — خدا جانے کس کی نظر کھا گئی

اُدھر شرم اِدھر توبہ ٹوٹی امیر
شکست آج دونوں طرف آ گئی

اُسکی شوخی شرار میں ہے اسی کی گرمی حنا میں ہے — وہ آب ہر سبزہ زار میں ہے وہ لالہ ہر کوہسار میں ہے
ہُوا ہے اس لطفِ رخ کا سودا نہیں ہے ہمکو قرار اک جا — طلب میں ہے ایک پاؤں اپنا تو ایک ملکِ تتار میں ہے
ہوئے ہیں ہم داغ کھا کے آخر اثر ہے سوزِ جگر کا ظاہر — لحد پہ طاؤس ہیں مجاور مزار بھی لالہ زار میں ہے
جو حالِ چشمِ پُر آب کہیے تو بادلوں کا جواب کہیے — مرے پہ ہمکو سحاب کہیے کہ اب بھی دریا غبار میں ہے
ہُوا ہے بے روح جسے پیکر ہیں ہر سیر جہاں میسر — زمیں ہیں گر کر گئے فلک پر چڑھا تو اپنا اُتار میں ہے
نہیں ہیں رنگِ لباس ہر گل نہیں تلوّن ہی کا ہم با گل — ہیں اس چمن میں ہم لحنِ بلبل کہ ایک صورت ہزار میں ہے
کمالِ نحوِ اہتش ہے دل کو سر کر کے لو بس اس لیکا ہو میسّر — کلال جلدی بنائے ساغر خراب مٹی مزار میں ہے
چلی ہے لاکھوں میں تیغِ قاتل عجب ہے بیٹھا ہے ابھی غافل — دیت وہ کس کس کو دیگا یا دل کہ ایک کوڑی کنار میں ہے
گئے جو ہم شوقِ دشت ہاموں کھلا یہ ہم پہ جنوں میں مضمون — نہیں بگولے یہ خاکِ مجنوں تلاشِ محمل سوار میں ہے
ہوا ہیں ہر چند غم سے بیجاں گیا نہ سوزِ فراقِ جاناں — پسِ فنا بھی یہ جسمِ سوزاں شرار سنگِ مزار میں ہے
منی ان اشکوں میں ہے روانی کہ پھول کھلتے ہیں ارغوانی — شریک شاید چمن کا پانی خمیرِ جسمِ نزار میں ہے
گدا نے رہ کر بہت پکارا جواب اندر سے کچھ نہ آیا — بخیل ہر بنا کر کے بیٹھا کہ کوئی مردہ مزار میں ہے
ہوئی جہاں کے عدم کو راہی ہی ہے فرقت کی تباہی — مکاں میں ہے امیر جو تنگی بہا ہی وہی اندھیرا مزار میں ہے

امیر کو کیسے تشنہ مارا کہ اب بھی پانی کا ہے تقاضا
غبار اُڑتا نہیں ہے بیجا تلاشِ ابرِ بہار میں ہے

کہیں یہ بھی نہ چھپ جائے نظر سے — نزاکت لپٹی جاتی ہے کمر سے
وہ فتنہ حشر میں اُٹھے کمر سے — گرائے تو جسے اپنی نظر سے
نہ آیا تیر جب کوئی اُدھر سے — لپٹ کر خوب رویا دل جگر سے

[1] جواں مرگی حکیم نعیم الدین خان خلف جناب نوشیح سید الزمان خان مرحوم کی طرف اشارہ ہے

بلا تھی شامِ غم اے صبحِ وصلت — نکالا تو نے آکر میرے گھر سے

تڑپنے کا مزہ جی بھر کے لیلوں — ذرا تھم تھم کے درد اٹھے جگر سے

مبارک تجھ کو اے شوقِ شہادت — وہ لی تلوار قاتل نے کمر سے

ستم ہے تیر سے ہوتے آب پیکاں — مرا دل بوند بھر پانی کو ترسے

ہجومِ آرزو ہے وقتِ آخر — پتنگے لپٹے ہیں شمعِ سحر سے

خدا کو رحم آیا بیکسی پر — کہاں پہنچا ہوں میں گر کر نظر سے

مسی چھوٹی ہوئی سوکھے ہوئے ہونٹھ — یہ صورت اور آپ آتے ہیں گھر سے

ذرا ٹھہرو ابھی جوڑا نہ کھولو — نزاکت پوچھ لے پہلے کمر سے

وہ آئینے سے اپنے پوچھتے ہیں — کوئی ہم سا بھی گزرا ہے نظر سے

بلالو سامنے دیکھو تو کیسا — تڑپ کر آئینہ نکلا ہے گھر سے

ہدف ہونے کو اللہ ری تمنا — جگر آگے ہے دل سے دل جگر سے

تڑپ اس برق کو میں نے سکھائی — چمکتا ہے درد کی میرے جگر سے

خدا حافظ ہے اب میری نظر کا — کہ اڑنے جاتی ہے اسکی نظر سے

نہیں سنتی اجل بھی میری فریاد — مگر سیکھے ہیں یہ غمزے اثر سے

تبسم نے نمک چھڑکا یہ کہہ کر — میں ہنستا ہوں تمہارے زخمِ جگر سے

امیر اس تنگنا کو لے چلا ہے
لپٹ کر خود مرا دامن کمر سے

حشر میں جس نے کہا بندہ خطاواروں میں ہے — رحمت اسکی بولی چل تو کن گنہگاروں میں ہے

پھنک رہا ہوں ہجر میں پر دھیان رخساروں میں ہے — جان پھولوں میں پڑی ہے جسم انگاروں میں ہے

مغفرت کا تو جو طالب ہے تو زاہد آ ادھر — پیار کرتی ہے وہ میخواروں کو میخواروں میں ہے

میں ہوں عاجز اور اسکو عاجزی محبوب ہے — بے نیازی اسکی میرے ناز برداروں میں ہے

ڈھونڈتا ہے اسکو اے زاہد تو اپنے دل میں ڈھونڈ
چھت میں کعبے کی نہ وہ کعبے کی دیواروں میں ہے

شوخ وہ ہم مضطرب وہ نازنیں ہم ناتواں
ملتی جلتی یار سے ہے بات جو یاروں میں ہے

حشر کے دن دیکھ کر آغوشِ رحمت میں مجھے
پوچھتی ہے خلق تو کس کے گنہگاروں میں ہے

کیا نمودِ آفتابِ حشر داغوں کے حضور
وہ بھی اک چھوٹا سا انگارا ان انگاروں میں ہے

اسکو اے ساقی اٹھا دے کام کیا اس کا یہاں
یہ تکلف بھی ہے کیا مسکین جو میخواروں میں ہے

حسن و عصمت دونوں یکجا ہوں یہ ممکن ہی نہیں
گھر میں وہ پردہ نشیں ہے شور بازاروں میں ہے

پوچھتی ہے میرے آنسو مرگِ دشمن کی خوشی
ہوں میں وہ ناشاد شادی میرے غمخواروں میں ہے

ابر جب گھر گھر کے آتا ہے پلاتا ہے شراب
رحمت اسکی آج ساقی بنکے میخواروں میں ہے

لینے آتی ہے اجل کس کو عدم کو جائے کون
اتنی طاقت اب کہاں فرقت کے بیماروں میں ہے

صورتِ آئینہ ہر صورت سے ہے وہ آشنا
یار اگر یاروں میں ہے عیار عیاروں میں ہے

گھر وہی ہے ہجر کے دن بھی جو روزِ وصل تھا
دل نہیں وحشت ہے در روزن میں نہ دیواروں میں ہے

ہے صدا حاتم کی در پر میرے آقا کے امیر
یہ خدا رکھے عجب دربار درباروں میں ہے

رکا خنجر جو دستِ نازنیں سے
چھری جھنجلا کے لی چینِ جبیں سے

یہ ظاہر ہے دلِ اندوہگیں سے
کہ ظالم چوٹ کیا آیا کہیں سے

اٹھے جب گرد آسا کہیں سے
زمیں کچھ لیکے اٹھے ہم زمیں سے

کہاں کا پردہ وقتِ رقصِ بسمل
نکل آئی کلائی آستیں سے

بچوں گا ہجر میں تو وصل کی شب
وہ مجھ کو مار ڈالیں گے نہیں سے

نہیں منہ سے جو نکلی پھر کہاں ہاں
خدا محفوظ رکھے اس نہیں سے

کبھی چھپ کر کبھی مجھ کو دکھا کے
ذرا پوچھو تو چشمِ شرمگیں سے

اٹھایا بر میں ہی سے اس نے گھونگھٹ
جبیں پیدا ہوئی چاہِ جبیں سے

سوالِ بوسہ لب تک کیونکر آئے
حیا آتی ہے چشمِ شرمگیں سے

حذر ہے مسلم اور جو واعظ
مٹے دستِ بنانِ نازنیں سے

کیا کیا دخترِ رز نے وصل میں کام
نزاکت چھین لی اُس نازنیں سے

یہ کس کا آستانہ ہے کہ سجدے
گرے پڑتے ہیں آغوشِ جبیں سے

صبا آتی ہے اٹھلاتی ہوئی آج
کوئی پیغام لائی ہے کہیں سے

جفائے آسماں کی داستانیں
سنو گورِ غریباں کی زمیں سے

پسِ مردن تصور میں کسی کے
لپٹ جاتا ہوں تربت کی زمیں سے

چراؤ بھیک مانگوں اُن کو کیا کام
انھیں روز اک نیا دل دو کہیں سے

مقابل آئنہ ہے آنکھ اُٹھاؤ
ہنسو بولو کچھ اپنے ہمنشیں سے

یہ غصہ ہے کہ دیکھا آئنہ کیوں
حیا روٹھی ہے چشمِ شرمگیں سے

وہ نقشِ دلنشیں ہے نام تیرا
ملے تو چھین کر لیا ہوں نگیں سے

چڑھاؤ تیوریاں تم آئنے پر
تمہارے ناز اُٹھیں گے تمہیں سے

غضب کا وقت ہے ہوتی ہیں رخصت
تمنائیں نگاہِ واپسیں سے

اجل بھی چیخ اُٹھی ہم نے دمِ نزع
وہ چٹکی لی نگاہِ واپسیں سے

امیر آئے وہ سب قسمت میں میری
مٹے جو بل حسینوں کی جبیں سے

جو تم ہو مرے دل میں تو دل یہی ہے
یہی گھر ہے لیلیٰ کا محمل یہی ہے

مرا دوست میرا عدو دل یہی ہے
مرا بسمل اور میرا قاتل یہی ہے

ستم ہے نکیلی چھری اس نگہ کی
کلیجے میں رکھنے کے قابل یہی ہے

رہِ عشق ہر جا ہیں جا بجا گر پڑا میں
کہا ضعف نے تیری منزل یہی ہے

نہ چھوڑوں گا میں تیرے ناوک کو ظالم
کہ حسرت بھرے دل کا قاتل یہی ہے

مرے دلکو ٹھکرا کے مجھ سے وہ بولے
بڑی دھوم جسکی تھی وہ دل یہی ہے

نہیں اُس کو دشوار کچھ ذبح کرنا
میں ہوں سخت جاں سخت مشکل یہی ہے

وہ صورت تصوّر سے ہٹنے نہ پائے
ترا حسن اے عشق کامل یہی ہے

مرے ناتواں دل کو دیکھا تو بولے
ہلا دیگا جو عرش وہ دل یہی ہے

اجل گور تک مجھ کو پہنچا کے بولی
مسافر ٹھہر تیری منزل یہی ہے

امیر اس کرم پر میں صدقے کہ اُس نے
کہا میری رحمت کے قابل یہی ہے

خفا جس سے عیسیٰ ہے وہ دل یہی ہے
جو زندہ ہے مُردوں میں شامل یہی ہے

تڑپ کر ہمیں دل نے مارا تو سمجھے
کہ بسمل کے پردے میں قاتل یہی ہے

نہ گھبرا تو اے خنجرِ عشق دم لے
مرنے کا تو وقت اس میں ایدل یہی ہے

کھلا تختہ لالے کا تو میں یہ سمجھا
کہ اُسکے شہیدوں کی محفل یہی ہے

خدا وادیِ امتحاں میں سنبھالے
کڑی راہ اُلفت میں منزل یہی ہے

مری لاش پامال کرتا ہے ظالم
اُسے جان دینے کا حاصل یہی ہے

تماشا مرے دل کے داغوں کا دیکھو
چمن سیر کرنے کے قابل یہی ہے

کلی پھول کی ہلکے چٹکی سے اُسنے
کہا مجھ سے کیوں آپکا دل یہی ہے

عدم میں فراق احبا کا غم کیا
یہیں آئینگے سب کی منزل یہی ہے

مرا دل ہی دشمن ہے دلبر کرے کیا
وہ ہے مفت بدنام قاتل یہی ہے

کمال طلب ہے جو خود ہو وہ طالب
وہ کھچ آئے خود جذب کامل یہی ہے

جسے شیشہ سمجھا ہے اے محتسب تو
نہ توڑ اسکو ظالم مرا دل یہی ہے

عدو کو میں اُس بزم سے تو اُٹھا دوں
جگہ اُس کی دل میں ہے مشکل یہی ہے

دلِ دشمن اُس حور کا گھر بنا ہے
جہنم میں فردوس منزل یہی ہے

امیر اس سے تیور مرے کہہ رہے ہیں
تری بانکی چتون کا بسمل یہی ہے

یہ کس بیدرد کس ظالم پر اپنا دم نکلتا ہے
یہ رہ رہ کر کلیجا چٹکیوں سے کون ملتا ہے

ترے بیمار کا کام اب بڑی مشکل سے چلتا ہے
کہ درد اٹھ کر بدلواتا ہے تب کروٹ بدلتا ہے

بہار آ پہنچی ہے شاید کہ دامان و گریباں میں
بہم یہ بحث ہے دیکھیں تو کون آگے نکلتا ہے

ضرور آفت کوئی آئی ہے دل پر ورنہ اے ہمدم
تڑپتا لوٹتا کیوں آنکھ سے آنسو نکلتا ہے

ترا بیمار اے عیسیٰ نفس بگڑا ہے اب ایسا
سنبھالا بھی سنبھالے آ کے تو وہ کب سنبھلتا ہے

نہیں دھڑکا ہے ایسا اٹھ جانیکا محفل سے
بدل جاتا ہے رنگ اپنا جو وہ زانو بدلتا ہے

حنا کیوں دیکھ کر اس کو پسی جاتی ہے گلشن میں
لہو عشاق کا ملتا ہے منہدی کب وہ ملتا ہے

چھڑکتے ہیں وہ افشاں گیسوؤں پر خیر ہو دل کی
مسافر چھاؤں میں تاروں کی گھر سے چل نکلتا ہے

خدا بھی عاجزوں کی عاجزی سنتا ہے محشر میں
بڑی سرکار ہے دربار میں یہ عذر چلتا ہے

رلا دیتی ہیں ہنستی صورتیں ان خوبرویوں کی
یہ طفل اشک انہیں پیارے کھلونوں پر مچلتا ہے

یہ کس کی گرمیوں سے پھنک رہی ہے شمع محفل میں
کہ پروانہ پروں سے شب کو پنکھا روز جھلتا ہے

ذرا سی جان ہے پر دل جگر پروانے کا دیکھو
کہ جلتی آگ میں کس شوق سے گر گر کے جلتا ہے

خرام ناز پر اٹھنے گریبان چاک کرتا ہوں
کسی کے پاؤں چلتے ہیں کسی کا ہاتھ چلتا ہے

جو کہتا ہوں کہ میرا دم نکلتا ہے تو کہتے ہیں
ہمارے وصل کا ارمان تو یوں ہی نکلتا ہے

تمہاری گرمیاں آفت ہیں ہجر و وصل دونوں میں
کوئی دوزخ میں پھکتا ہے کوئی جنت میں جلتا ہے

عجب تقدیر پائی ہے امیر اس دار دنیا نے
نہیں آتا پھر اس گھر میں جو اس گھر سے نکلتا ہے

بہار آ پہنچی ہے اب جام مے مستوں میں چلتا ہے
خدا چاہے تو رنگ گلشن عالم بدلتا ہے

گلے پر میرے ارماں اس کے خنجر کا نکلتا ہے
خراماں یوں ہے جیسے باغ میں طاؤس چلتا ہے

رفو گر دیکھ کر پھیرے جنوں کو ہاتھ ملتا ہے
گریباں لو رفو کرتا ہے تو دامن نکلتا ہے

یہ مطلب ہے فقط اپنا صنم خانے میں جانے سے
کہ اچھی صورتوں کو دیکھ کر کچھ جی بہلتا ہے

ذرا تو نشہ کم ہو تو یہ پڑھواتا ہے کیا واعظ
کہ بیہوشی میں کہتا کچھ ہوں منہ سے کچھ نکلتا ہے

ہم اتنی بات پر خوش ہیں کہ مذکور اپنی الفت کا
ہمیشہ ذکر حسن یار کے ہمراہ چلتا ہے

کہیں شادی کہیں غم طرفہ دنیا کی دورنگی ہے
پہنتا ہے کفن کوئی کوئی کپڑے بدلتا ہے

نہیں بیکار کوئی شے جہاں میں کلک کو دیکھو
زباں گنگ ہے پر کام کیا اس سے نکلتا ہے

ترے نقش قدم سے دی ہے بولے ماہر نسبت
خوش ایسا ہے کہ اب پنجوں کے بل طاؤس چلتا ہے

اگر چشم بصیرت ہے رفاقت سیکھ سایے سے
کہ رہرو جس طرف چلتا ہے یہ بھی ساتھ چلتا ہے

کیا نالہ اگر دل نے تو آنسو بھی رواں ہونگے
کہ لشکر جمع ہوتا ہے علم جس دم نکلتا ہے

ذرا سمجھو مری اُمید ناحق قطع کرتے ہو
شجر کا کاٹنا کب کاٹنے والے کو پھلتا ہے

چلی عمر رواں جس دم زوال آیا جوانی کو
تگ ہے دو پہر سا پہنچا کہ دن اس میں کبھی ٹلتا ہے

وہ شاعر زندہ ہے مشہور عالم ہے سخن جس کا
کہ نام انسان کا اولاد سے دنیا میں چلتا ہے

بتا سے بوجھ اسے لیجاتے کوئی داستاں یارب
نہایت ضعف ہے اب دل نہیں مجھ سے سنبھلتا ہے

الٰہی آگ پر پارہ ہے یا اسپند ہے کیا ہے
کہ دل سینے میں بیتابی سے دو دو ہاتھ اچھلتا ہے

سزا قاضی کی کیا چھڑوائیگی مستوں سے مےخواری
قلم جب باغباں کرتا ہے انگور اور پھلتا ہے

سبھی کے پاس کچھ ہو اور نہ ہو یہ غیر ممکن ہے
نہیں کرتا ہے مٹھی جب تک ہاتھ چلتا ہے

امیر اپنے مضامیں کو بری رکھ ثقل بندش سے
بھلا نازک تنوں سے بوجھ بھاری کب سنبھلتا ہے

ذوق مینوشی بڑھاتی ہے گھٹا برسات کی
اور لے اڑتی ہے مستوں کو ہوا برسات کی

لے پری اس فصل میں سرگرم آرائش نہو
آگ تاووں میں لگا دیگی حنا برسات کی

ابر دریا سبزہ ساقی یار مطرب دشت رز
ہو یہ سب ساماں تو پھر دیکھیں فضا برسات کی

اٹھا اٹھا کے آنسو رلاتی ہے ترے ہونٹوں کی یاد — اے پری مسی ہے بادوی گھٹا برسات کی
شیرۂ انگور کو کرتی ہے آب آتشیں — آگ پانی میں لگاتی ہے ہوا برسات کی
رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں تو عروسانِ چمن — پتے پتے سے ٹپکتی ہے ادا برسات کی
میکدے میں بوتلوں کے منہ سے اڑ جاتے ہیں کاگ — ہوش مستوں کے اڑاتی ہے ہوا برسات کی
مور ناچے کوئلیں کوکیں پپیہے بول اٹھے — وصل کے دن آ گئے فصل آئی کیا برسات کی
جب ڈوپٹا سادہ اوڑھا تم نے دھانی ہو گیا — واہ کیا تاثیر رکھتی ہے ہوا برسات کی
آنسوؤں میں ڈوب جائیں بدلیاں اے چشم تر — اب تو زور اپنا بڑھا قوت گھٹا برسات کی
ڈال کر جھولا چمن میں تم نے جب گائے ملار — پینگ دینے کے لئے آئی ہوا برسات کی
کیا تری زلفِ سیہ کو دیکھ کر شرما گئی — بھیگی بھیگی رات ہے اے مہ لقا برسات کی
ساقیا جام و سبو سے ایسی آرائش بڑھے — آ کے میخانے پہ صدقے ہو گھٹا برسات کی
لا رہیں ابر سے مستوں نے پی پی کر شراب — کیا بلا ہوتی ہے مستی ساقیا برسات کی
برق چمکاتی ہوئی کہسار سے اٹھی نہیں — نیچے کھینچے ہوئے آئی گھٹا برسات کی
فرقتِ ساقی سے آنکھوں میں جہاں اندھیر ہے — جان پرستوں کے نازل ہے بلا برسات کی
جب چمن میں آ گیا مستوں کو ساون کا خیال — ساونی گاتی ہوئی آئی گھٹا برسات کی

پانی پانی کر دیا ہے چشم تر نے لاکھ امیر
چشمکیں کرتی ہے اس پر بھی گھٹا برسات کی

اٹھتی ہے رونے سے مستوں کے فضا برسات کی — آ گئی کیا گھٹ کے آنکھوں میں گھٹا برسات کی
ساقیا ہے جوش بارش جوش رحمت کی دلیل — ہم سیہ کاروں سے نازش ہے بجا برسات کی
شوخیاں ہیں دخترِ رز کی کہ بجلی کی چمک — بوتلیں ہیں یہ کہ یا کالی گھٹا برسات کی
زاہدوں کی توبہ ٹوٹی لڑکھڑایا پائے شیخ — کچھ عجب مستانہ رت ہے ساقیا برسات کی
میکشوں کے منہ سے جو اس فصل میں نکلی دعا — لے اڑی باب اجابت تک ہوا برسات کی

دختِ رز سے کہدے ساقی اور کچھ چلے چار دن | فصل آ پہنچی ہے او ناآشنا برسات کی
میکشوں کے دل میں داغ آنکھوں میں ساقی کے خمار | یہ نشانی رہ گئی ہے جابجا برسات کی
ہر روش پر ہو چمن میں ایک پری ساغر بکف | ایکدن یوں دیکھیں لطف ساقی فضا برسات کی
پتے پتے پر ہے ساقی سبزۂ مینا کا رنگ | کیا نظر آتی ہے سبزی خوشنما برسات کی
لعل لب سے بڑھ کے انگارا ہوئے ہیں ہاتھ پاؤں | کیا رچی ہے اے پری پیکر حنا برسات کی
کنج گلشن میں ہو صحبت دور ساغر کی ضرور | میہمانی ہے مناسب ساقیا برسات کی
چلتی ہے ٹھنڈی ہوا نزدیک ہے دور شراب | مژدہ مستوں کو خبر لائی صبا برسات کی
ہجر میں سب بے مزہ ہے وصل میں سب با مزہ | فصل گرمی کی یا جاڑے کی ہا برسات کی

نونہالانِ چمن میں تھا کہاں یہ حسن امیر
حضرت یوسف سے ہے ساری فضا برسات کی

میرے دل میں پاکے جگہ نئی ترے رخ کی جلوہ گری رہی | نہ کہیں چلی نہ کہیں کبھی اسی شیشے میں یہ پری رہی
مجھے بیخودی نے کرم کیا تو مجھے خودی نے ستم کیا | کچھ ادھر سے بیخبری رہی کچھ ادھر سے بے خبری رہی
یہ یہیں کے سارے کرشمے تھے جو یہاں سے آگے میں اٹھ گیا | نہ ثمر نہ بے ثمری رہی نہ اثر نہ بے اثری رہی
مری شاخِ رخ گلشن آرزو ہوئی کچھ نہ واقف رنگ و بو | نہ پھل اس میں کبھی لگا نہ کلی کھلی نہ ہری رہی
نہ پتہ کسی نے انہیں خبر کہ گیا جہاں سے کوئی گزر | اسی آرزو میں کئی پہر مری لاش در پہ پڑی رہی
روش اس کی پائے مجال کیا کبھی دو قدم وہ اگر چلا | نہیں نا مجھ کو پسا پسا چھپا یہ کبک دری رہی
لیے ہم تلاش میں در بدر رہے دیدہ نوں ہی کے گھر | کبھی اس میں جلوہ گری رہی کبھی اس میں جلوہ گری رہی
دل اگرچہ غم سے فگار ہے مگر اب باغ و بہار ہے | اسی شاخ کا یہ ثمار ہے کہ شکستہ ہو کے ہری رہی
مرے آنسوؤں سے آبرو ہوئی گیسوؤں کی یہ منہ ہو | تری مانگ سے ہے پہر انہیں موتیوں بھری رہی
جو بڑے بنے تھے جہاں کشا انہیں کیا فلک نے مٹا دیا | نہ عروجِ چترِ شہی رہی نہ ضیائے تاجِ زری رہی
دو تعب سے ہم نے پنا لی تو غضب سے تیغ لگا دی | کبھی راستی کی نہ راہ لی وہی ان کی کج نظری رہی

نہ گزر ہے بزمِ جمال میں وہ قوت اپنے خیال میں
نہ وہ حکمتِ عملی رہی نہ وہ حکمتِ نظری رہی

ہوسِ جہاں سے فراغ ہے وہ دل ہے اب وہ دماغ ہے
نہ ہوائے نزہتِ باغ ہے نہ تلاشِ حُسنِ پری رہی

نہ سُنا فسانۂ شور و شر ہوئی خواب ہی میں یوں بسر
نہ ہوئی کسی کی کبھی خبر مجھے سب سے بے خبری رہی

کہے کس طرح نہ جنوں کا غل خبر اس خبر سے ہیں جزو کل
ہوئے خلق جب سے بہ رنگِ گل ہمیں مشقِ جامہ دری رہی

طبیعت اُن کی بگڑ گئی جو گیا یہاں سے چلی چھری
کوئی مرغ کیا کہ صبا کو بھی نہ مجالِ نامہ بری رہی

عجب اشتیاق امیر تھا اُسے دیدِ طرزِ خرام کا
کہ زمینِ کوچۂ مہ لقا نہ پا سے کبکِ دری رہی

اے خضر کیا سناؤں میں حالِ تباہ کی
ظلمات دھوپ ہے مرے روزِ سیاہ کی

اُٹھی تو اُس کے دل نے مرے دل سے راہ کی
آنکھ آج پیار کی ہے تو چتون ہے چاہ کی

کیا کیا شبِ وصال میں گستاخیاں ہوئیں
تقریر مجھ کو دینگے وہ کس کس گناہ کی

اہلِ عدم سے کیوں نہ ہو منزل پہ میل جول
ہے اِن مسافروں میں ملاقات راہ کی

یہ پھیرے دل کو پاسِ نزاکت تھا یار کا
تڑپا ٹھہر ٹھہر کے تو تھم تھم کے آہ کی

سُرمہ طلب ہوا ہے خدا خیر ہی کرے
آئیگی شامت آج کسی بے گناہ کی

کہتا ہے مجھ کو دیکھ کے اغیار سے وہ شوخ
اِس شکل پر حضور کو سوجھی ہے چاہ کی

زاہد بڑے ثواب سے محروم رہ گیا
کعبے گیا مگر نہ کسی دل میں راہ کی

فریاد کس سے کوچۂ اُلفت میں کیجئے
سنتا نہیں ہے کوئی کسی دادخواہ کی

ہم دل جلے گئے تو نہ بس ہم پکار اُٹھا
یارب سزا ملی یہ مجھے کس گناہ کی

قسمت جو لے چلی مجھے کوچے سے یار کے
حسرت سے دیکھ کر سوئے گردوں اک آہ کی

گزرے گی وہ نہ داورِ محشر کے سامنے
جس فرد پہ نہ ہوگی نشانی گناہ کی

آنکھ اس پری سے ملتے ہی یاں کام ہو گیا
فرصت ملی نہ اُسے دوبارہ نگاہ کی

میں نے بلائیں لیں شبِ فرقت کی بار بار
پائی جو شان کچھ تری زلفِ سیاہ کی

رحمت تری وسیع ہے نا چیز رو سیاہ
اللہ کیا بساط ہے میرے گناہ کی

بسمل ترا بچے گا نہ اسے ترک دیکھ تو
برچھی اتر گئی ہے جگر تک نگاہ کی

کس کی سواری آتی ہے صحرا میں اے جنوں
اُٹھ اُٹھ کے رقص کرتی ہے کیوں گرد راہ کی

سب عیب ایک اشکِ ندامت سے مٹ گئے
ساری سیاہی دھو گئی روئے سیاہ کی

ایسا کیا ہے دشت نوردی نے ناتواں
میں پس گیا جو اُڑ کے پڑی گرد آہ کی

ہم پر کسی نے لطف کیا یا ستم امیر
ہم نے اُسی کی شانِ کرم پر نگاہ کی

کیا کہیں دل سے کہاں وصل میں ارمان گئے
ناز کے صدقے تو انداز کے قربان گئے

امتحاں خوب وفا کا بھی جفا کا بھی ہوا
تم ہمیں جان گئے ہم تمہیں پہچان گئے

کہتے ہیں شب کی خوشامد بھی عجب جادو تھی
ماننے کی جو نہ تھی بات وہ ہم مان گئے

وصل میں کہتے ہیں کوئی آڑے آتا
ہائے اُس وقت کہاں میرے نگہبان گئے

چُبھ گئی گونج جو بالی کی بگڑ کر بولے
ہاتھ ٹوٹیں ترے مشاطہ مرے کان گئے

جب میں دروازے پہ دیتا ہوں کسی کو آواز
کہتے ہیں کہدو وہ گھر غیر کے مہمان گئے

کبھی سونی نہیں ہوتی ہے سرائے دنیا
اور دس آ گئے دو چار جو مہمان گئے

پوچھتا کیا ہے کہ بسمل گئے مقتل سے کہاں
مہرباں پا کے تجھے سب ترے قربان گئے

شیخ جی چھپ کے یہ حجرے میں اُڑانا بوتل
واہ وا آج تو حضرت تمہیں ہم مان گئے

حسنِ انجام پہ اسلام کا ہے دار و مدار
تھے مسلمان وہ جو دنیا سے مسلمان گئے

قتل پر میرے اُٹھاتے ہو عبث تم بیڑا
سرخرو بھی ہوں وہی بن کے جنہیں پان گئے

خاکساری کے مزے خوب اُٹھے دنیا میں
خاک ہم چھاننے آئے تھے یہاں چھان گئے

دل کو تاکا کسی ناوک نے تو اللہ رے شوق
بڑھ کے لینے کو بہت دور تک ارمان گئے

گرمیاں وصل میں کیں اُن سے تو جل کر بولے
جانے دو اُن کو جہنم میں یہ ارمان گئے

حق شناسی کی حقیقت کو انہیں نے جانا
اے اسیر اپنی حقیقت کو جو پہچان گئے

کس بُرے حال سے عاشق ترے ایجان گئے
چار حیران گئے چار پریشان گئے

پوچھتا کیا ہے کہاں دل جگر اے جان گئے
جانتے کمبخت کہاں سب ترے قربان گئے

ہے وہی حسرتِ دیدار وہی شوقِ وصال
دل گیا ہائے مگر دل سے نہ ارمان گئے

نیمچا لوٹ کے مقتل میں یہ بیٹھے ہیں صدا
ایک وار اور بھی قاتل ترے قربان گئے

آنکھ سے آنکھ ملی وصل میں تو دل نے کہا
وہ گلے ملنے کو ارمان سے ارمان گئے

کچھ عجب رنگ سے پھر زرے کٹے دیوانوں نے
بنگئے گل ردِ دامن جو گریبان گئے

لاش پر میری کہا آکے کہ او طالبِ وصل
کیا ہوا شوق کہاں وہ ترے ارمان گئے

ہو فدا جان نہیں ہوتی ہے اُس پردے میں
تو ہی تھا تو ہی تھا ہم جان گئے جان گئے

دل میں تم آنکھ میں تم کعبہ میں تم دیر میں تم
تم جہاں جا کے چھپو ہم تمہیں پہچان گئے

چھلنوں کو تری سینے کو بنا یا چھلنی
ناوکِ ناز کلیجے کو مرے چھان گئے

سان پر تیغ لگاتی جو مرے قاتل نے
دیکھتے ہی ملک الموت کے اوسان گئے

صافیاں لیتے ہوئے ابر کے لکے آئے
اور مستانِ خرابات کی مے چھان گئے

ہم کو سختی سے کہاں شادی وحشت میں نجات
تنگ کرنے کو پہاڑ آئے جو میدان گئے

قاضی و محتسب شہر سدا ہارے جیج کو
میکشو خوب پھو حلق کے دربان گئے

خواب میں بھی نظر آتی نہیں زنداں میں فضا
جن میں پھرتے تھے کہاں ہائے وہ میدان گئے

وحشتوں کے وہ کہاں لطف اسیری میں اسیر
اب وہ میدان وہ سنسان بیابان گئے

کہتے ہیں مجھ سے کہ مجھ پر ہے یہ تہمت کیسی
دل میں تیرے ہے تو ظالم مری حسرت کیسی

پیار کیا کیا تری رفتار کو فتنوں نے کیا
تیری ٹھوکر سے ملی اٹھ کے قیامت کیسی

ناوکِ نازکی آمد جو کہیں سُن لی ہے
دل میں گھبرائی ہوئی پھرتی ہے حسرت کیسی

پسنگئی پھولوں کے گجرے سے کلائی اُنکی
نبض کی طرح تڑپتی ہے نزاکت کیسی

خود ترے ہونٹ یہ کہتے ہیں کہ بوسہ لے لو
اور معشوقوں کی ہوتی ہے اجازت کیسی

کیاریاں پھولوں کی دیکھیں جو کبھی گلشن میں
یاد آتی مجھے احباب کی صحبت کیسی

درد اٹھ اُٹھ کے تہِ خاک جو تڑپاتا ہے
بیٹھی ہے مجھ کو دبا کر مری تربت کیسی

سامنا اُن کا ہمارا جو کبھی ہوتا ہے
ناتوانی سے لجاتی ہے نزاکت کیسی

تم نظر آتے ہو مجھ کو نہ پتنگوں کو چراغ
چھا گئی ہے یہ اندھیری شب فرقت کیسی

دوڑتا ہے جو ترا قہر گنہگاروں پر
آڑے آجاتی ہے بڑھ کر تری رحمت کیسی

ہاتھا پائی میں تو مجھ سے بھی وہ نکلے چالاک
سب بناوٹ کی یہ باتیں تھیں نزاکت کیسی

جلوہ گر یار ہے مجمع میں نظر بازوں کے
لٹ رہی ہے مری سرکار میں دولت کیسی

اسکو رخصت کرو خلوت میں ہے اسکا کیا کام
وصل کی رات مری جان نزاکت کیسی

ناز سے اُسنے جھٹک کر جو چھڑایا دامن
ہاتھ سے جاتی رہی میری طبیعت کیسی

آج بیمار ترا اُٹھ کے عدم کو پہنچا
ضعف حد سے جو بڑھا آ گئی طاقت کیسی

اُسکی رحمت سے ہے سُکھپال جنازہ کیسا
حور کھولے ہوئے آغوش ہے تربت کیسی

شب فرقت شب وصلت کا پتا دیتی ہے
ملتی ہے گیسوِ محبوب سے رنگت کیسی

اودھر سے روٹھے ہوئے مان لے کہنا من جا
دیکھ کرتا ہے مرا دل تری منت کیسی

مے جو دی ٹوٹے ہوئے جام میں ساقی نے نہ پی
پھوٹی قسمت بھی تو ثابت رہی نیت کیسی

حُسنِ یوسف کو بہت آنکھ جھکا کر دیکھا
پوری تصویر تمہاری ہے شباہت کیسی

جی چراتا ہوں میں جب ناز اُٹھانے سے امیر
کہتے ہیں دیکھو امانت میں خیانت کیسی

سادگی میں تری شوخی کی ہے رنگت کیسی
شرم کے ساتھ ہے آنکھوں میں شرارت کیسی

ل اڑا لیگئے دکھلا کے وہ جوبن کا اُبھار
سینہ زوری اسے کہتے ہیں خیانت کیسی

روٹھتے وقت ذرا آئینہ لیکر دیکھو
منہ بنانے میں بگڑ جاتی ہے صورت کیسی

ھی صورت کو تری دیکھ کے دل ٹوٹ گیا
ہائے اندر سے کو نہ سوجھا کہ ہے سیرت کیسی

چلمن کے ادھر ہیں نگہ شوق بہت
تونے چلمن سے اُدھر دیکھی ہے صورت کیسی

گدگداتا ہے جو اُبھرا ہوا جوبن اُن کا
چٹکیاں لیتی ہے دل میں مرے حسرت کیسی

اُٹھوا کے اشاروں میں کہا بس چلدو
تم تو بیگاری ہو بیگار میں اُجرت کیسی

ہے اور غیر سے تکرار یہ وہ کہتے ہیں
کیوں لڑے مرتے ہو آپس میں یہ حجت کیسی

مل میں اُٹھتی جوانی کا جو کس بل دیکھا
چپکی جا بیٹھی الگ ہٹکے نزاکت کیسی

ٹتی ہے اب تری رفتار کے پیچھے پیچھے
دب گئی ایک ہی ٹھوکر میں قیامت کیسی

رزاں ہے مجھے وصل کی رات آنے سے
دیکھ خدمت تری کرتا ہوں نزاکت کیسی

عظا اتنا تو سمجھ لے کہ وہ ذات رحیم
گئے مجرم ہی جہنم کو تو رحمت کیسی

کلے ہی نہیں دیتی ہے کہ سوچوں انجام
آنکھ کھلتی ہی سُلا دیتی ہے غفلت کیسی

لے والے تجھے کیا جانیں تری بزم کا لطف
کیا خبر دوزخیوں کو کہ ہے جنت کیسی

ابھرے دل نے تری زلف پھنسکر فریاد
بولی سر چڑھ کے ترے میری محبت کیسی

کے تنہا اُنہیں بوسے جو لئے کہنے لگے
ملگئی مفت چھوڑے کو نعمت کیسی

تمہارا ہوں تو دل بھی ہے تمہارا صاحب
مفت لے لو اُسے ٹھہراتے ہو قیمت کیسی

دل میں بھی تو نکلتی نہیں اے پردہ نشیں
دل میں شرمائی ہوئی بیٹھی ہے حسرت کیسی

دھڑک دیکھو نکیرین چلے آتے ہیں
اچھی خاصی یہ سڑک ہے مری تربت کیسی

ڑپتا ہوں میں کروٹ نہیں لیتی غافل
پاؤں پھیلائے ہوئے سوتی ہے قسمت کیسی

ل کو تلوار کے حسرت سے جو دیکھا تو کہا
اک ذرا چکھیے تو اس پھل میں ہے لذت کیسی

امری آنکھوں سے کہتا ہے کہ تجھ پر جاں نثار
ہائے دکھلائی ہے تو نے مجھے صورت کیسی

بات کرنے کی تو مہلت نہیں ملتی ہے امیر
ایسی حالت میں غزل کہنے کی فرصت کیسی

دل ہی عاشق کی بڑی سوغات ہے — اور کیا بیچارے کی اوقات ہے
جھانک تاک اغیار سے دن رات ہے — اب یہ کچھ چوری چھپے کی بات ہے
دیکھ غفلت میں جوانی کو نہ کھو — عمر بھر میں اک یہی تو رات ہے
اتنی باتیں کیوں سناتے تم مجھے — پیار کرتا ہوں میں اتنی بات ہے
دیکے دل لیتے ہیں جیسے جان نثار — گھر سے کچھ دیتے ہو کیا خیرات ہے
دید سے ہیں اور دیدہ بازی حسن کی — ان ندیدوں کی یہی اوقات ہے
بوسہ بے گالی کبھی ملتا نہیں — بیتکے انداز کی خیرات ہے
گالیوں کی آرزو پر پھول اٹھے — لوٹنا کہنا کچھ اچھی بات ہے
جتنے شعروں میں ہے مضمون کمر — سب میں اک پوشیدہ نازک بات ہے
ٹوٹنا چشمی سبزہ رنگوں پر ہے ختم — بے مروت بے وفا یہ ذات ہے
دیکھو جب بنتی سنورتی ہے وہ زلف — مار رکھنے کی یہ اچھی گھات ہے
پھول ہاروں کے لٹاتے راہ میں — یہ نیا میلا نئی خیرات ہے
مہربانی بے سبب اس کی نہیں — گھاتیا ہے اس میں بھی کچھ گھات ہے
تاکی ہے رندوں سے پگڑی شیخ جی — کچھ خبر بھی قبلۂ حاجات ہے
بوتلوں سے اٹھ دن نکلی ہوئی — یہ نئی بدلی نئی برسات ہے

سہتے ذلت ہو گھر در اپنی امیر
اُسکے در کی کبھی یہ اوقات ہے

دکھلا کے اک جھلک جو وہ روپوش ہو گئے — کیا کیا خیال خواب فراموش ہو گئے
بوسہ جو دیتے دیتے وہ روپوش ہو گئے — ہم آتے آتے ہوش میں بیہوش ہو گئے

حرصِ شراب نے ہمیں بدنام کر دیا
چٹ کر کے اِس بلا کو بلا نوش ہو گئے

بیٹھے ہم اُنکے پاس تکلف اُٹھا دیا
ہمدوش ہوتے ہوتے ہم آغوش ہو گئے

لذت سے آشنا جو ہوا دل فراق میں
جتنے چھپے تھے نیش وہ سب نوش ہو گئے

صحبت میں میکشوں کی نہیں ہے سبب یہ درد
ساغر بھی مست بادۂ سرجوش ہو گئے

یاد آ گئے مزے جو پسِ مرگ وصل کے
تربت کے گوشے حوروں کے آغوش ہو گئے

میں ہوں وہ عندلیب ہوا جب ترانہ سنج
جتنے کھلے تھے گل ہمہ تن گوش ہو گئے

ساقی شراب اور خراباتیوں کو دے
ہم تیری چشمِ مست سے مدہوش ہو گئے

کیا جانے کیا خیال شبِ وصل بندھ گیا
باتیں جو کرتے کرتے وہ خاموش ہو گئے

بوس خاص حسن نے ہم کو عطا کیا
گل کھا کے دستِ یار سے گلپوش ہو گئے

ہاں وصل ہجر دونوں ہی میں بیخودی رہی
آنے میں غش تو جانے میں وہ ہوش ہو گئے

پوسے لئے جو زلف کے مستی تو کہا
مے پیتے پیتے تم تو بلا نوش ہو گئے

پھروں کو اُدھر رُخ نہ کیا وصلِ یار میں
پریوں سے شوخ اُڑ کے مرے ہوش ہو گئے

ساقی سے جو رجام جو مانگا ملا جواب
آنکھیں تو کہہ رہی ہیں کہ بیہوش ہو گئے

دفتر گرا ادھر تو اُدھر کاتبِ عمل
تڑپے ہم اِس قدر کہ سبکدوش ہو گئے

مدت سے سر امانتِ شمشیرِ یار تھا
ہم ذبح ہو کے خوب سبکدوش ہو گئے

دیکھا جدھر کنکھیوں سے اُس مستِ ناز نے
غمزہ پکار اُٹھا کہ وہ بیہوش ہو گئے

افسردہ داغِ دل ہوئے پیری میں کیا امیر
گویا چراغِ صبح کو خاموش ہو گئے

قاضی بھی محتسب بھی قدح نوش ہو گئے
چھپ چھپ کے دخترِ رز سے ہم آغوش ہو گئے

پہنائیں اُسنے کشتوں کو زخموں کی بدھیاں
جو رنگ ہو کے تیغ سے گلپوش ہو گئے

کاندھا ابھی جنازے کو دینا ہے جان من
کیا کاٹ کر سر آپ سبکدوش ہو گئے

چھپتے کہاں وہ وصل میں لیکن حجاب سے
منہ پر نقاب ڈالکے روپوش ہو گئے

عاشق مرے تو سوگ تمہاری بلا کرے
تم کیوں برنگِ زلف سیہ پوش ہو گئے

سب ذوق شوق ساتھ جوانی کے چل بسے
دو چار دن وہ ولولے وہ جوش ہو گئے

رخصت ہوئے وہ آخرِ شب خاتمہ ہوا
ہم صبح سے بھی پہلے کفن پوش ہو گئے

مشاطہ پر چلی جو بناگوش کی سنان
سینہ سپر وہ خالِ بناگوش ہو گئے

آئی تھی کس کی شکلِ خیالی کہ خواب میں
بیساختہ ہم اُس سے ہم آغوش ہو گئے

لپٹا میں اُس کے غش سے تو بولے فریبیے
مطلب کے وقت کیسے بجا ہوش ہو گئے

کہنے لگے جو عاشق تھا اُن سے دردِ دل
اُونچا لگے وہ سُننے گراں گوش ہو گئے

اُس پائے نازنین کا تو رتبہ بلند ہے
لاکھوں کے سر تصدقِ پاپوش ہو گئے

اُن بجلیوں سے دل میں چمکتی ہیں بجلیاں
قندیلِ کعبہ اب وہ دُرِ گوش ہو گئے

جن کی جگہ سر آنکھوں پہ تھی دم نکلتے ہی
افسوس کیا وبالِ سر و دوش ہو گئے

آئینے سے لپٹ گئے بے اختیار آج
آج اپنے عکس سے وہ ہم آغوش ہو گئے

کب تک بغل میں پالے ہوئے دلکو روئیے
خالی یونہیں ہزاروں کے آغوش ہو گئے

ایسے سمائے میری نظر میں شبِ وصال
آنکھوں کی پتلیاں وہ دُرِ گوش ہو گئے

وہ شہسوارِ حسن جو معراج کو چلا
جبریلؑ ساتھ غاشیہ بردوش ہو گئے

بہکا میں مستِ شوقِ شبِ وصل تو کہا
لو تم تو بے پیے ہوئے مدہوش ہو گئے

دلدار کا پتا تھا کہاں ہجر میں امید
ہم اپنے دل کو لیکے ہم آغوش ہو گئے

ہوئے نامور بے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

تری بانکی چتون نے چن چن کے مارے
نکیلے سجیلے جواں کیسے کیسے

نہ گل ہیں نہ غنچے نہ بوٹے نہ پتے
ہوئے باغ نذرِ خزاں کیسے کیسے

ستاروں کی دیکھو بہار آنکھ اُٹھا کر
کھلاتا ہے پھول آسمان کیسے کیسے

کرے آنکے تیور جو مقتل میں دیکھے
لئے ناز نے امتحان کیسے کیسے

یہاں درد سے ہاتھ سینے پہ رکھا
وہاں اُن کو گزرے گمان کیسے کیسے

ہزاروں برس کی ہے بڑھیا یہ دنیا
مگر تاکتی ہے جوان کیسے کیسے

وہ صورت نہ آنکھوں میں آئے نہ دل میں
مکیں سے ہیں خالی مکان کیسے کیسے

ترے جان نثاروں کے تیور وہی ہیں
گلے پر ہیں خنجر رواں کیسے کیسے

جہاں نام آتا ہے اُن کا زبان پر
تو لیتی ہے بوسے زبان کیسے کیسے

ہر اک دل پہ ہیں داغ ناکامیوں کے
نشان دیگیا بے نشان کیسے کیسے

بہار آکے قدرت کی گلشن میں دیکھو
کھلاتا ہے گل باغبان کیسے کیسے

اٹھائے ہیں مجنوں نے لیلیٰ کی خاطر
شتر غمزۂ ساربان کیسے کیسے

خوش اقبال کیا سرزمینِ سخن ہے
ملے ہیں اُسے باغبان کیسے کیسے

جوانی کا صدقہ ذرا آنکھ اُٹھاؤ
تڑپتے ہیں دیکھو جوان کیسے کیسے

شبِ وصل حل ہونگے کیا کیا معمے
عیاں ہونگے رازِ نہاں کیسے کیسے

خزاں لوٹ ہی لیگئی باغ سارا
تڑپتے رہے باغبان کیسے کیسے

بنا کر دکھائے مرے دردِ دل نے
تہِ آسمان آسمان کیسے کیسے

امیر اب مدینے کو تو بھی رواں ہو
چلے جاتے ہیں کارواں کیسے کیسے

مٹے دخترِ رز پہ جوان کیسے کیسے
رہے دور پیرِ مغان کیسے کیسے

نزاکت حیا وصل کے دونوں دشمن
ترے ساتھ ہیں پاسبان کیسے کیسے

رہِ عشق میں پھرتے ہیں مارے مارے
تباہی زدہ کاروان کیسے کیسے

کہیں قتل پر عشق کا خاتمہ ہے
ابھی رہنے ہیں امتحان کیسے کیسے

بنا ہے تار اشکوں کے غربت میں کیا کیا
سلے خاک میں کارواں کیسے کیسے

عجب کربلا تھا وہ مقتل کہ پیاسے
رگڑتے رہے ایڑیاں کیسے کیسے

چھری تیز ہی رہتی ہے بلبلوں پر
ستم کرتے ہیں باغباں کیسے کیسے

پتا ایک نے بھی نہ منزل کا پایا
بھٹکتے پھرے کارواں کیسے کیسے

جگر میں تڑپ دل میں درد آنکھوں میں دم
ملے ہیں ہمیں میہماں کیسے کیسے

کسی نے پتا پایا نہ یوسف کو میرے
لٹے راہ میں کارواں کیسے کیسے

شب غم بلاؤں کا تانتا لگا ہے
چلے آتے ہیں میہماں کیسے کیسے

زبان سخن پر ہیں لاکھوں سخنور
چمن ایک ہے باغباں کیسے کیسے

بت اظہار وصل آج کرتے ہیں کیا کیا
زباں دیتے ہیں بے زباں کیسے کیسے

امنگیں ترنگیں جوانی میں تک تھیں
رہے رات بھر میہماں کیسے کیسے

جہاں چھیڑتے پھر وہ باتوں میں آئے
چلی لے کے نشتر زباں کیسے کیسے

چلی وصل میں تیغ ان کی نہ خنجر
رہے دم بخود ہمزباں کیسے کیسے

توجہ زباں پر ہے شاہ دکن کو (خلد اللہ ملکہ)
نکالیگی رنگ اب زباں کیسے کیسے

امید اب سخن کی بڑی قدر ہوگی
سمجھ لیں گے نکتہ داں کیسے کیسے

پہلے نگاہ پھر سری دشمن حیا ہوئی
وہ ایک تھی یہ دوسری لے دلربا ہوئی

لٹکے تھے جب لٹے ہیں بیگناہی سزا ہوئی
گیسو تو خود بلا تھے انہیں کیا بلا ہوئی

موجود آکے وصل میں کبھی تو حیا ہوئی
اک جان کا عذاب ہوئی شرم کیا ہوئی

گالی کبھی پیار سے منہ سے ترے خوشنما ہوئی
بیجا بھی بات تو نے کہی تو بجا ہوئی

ہے بخشنے نہ بخشنے میں اس کو اختیار
تو ہے گناہگار کہے جا خطا ہوئی

بیٹھے ہوئے کلیجہ میں لیتے ہو چٹکیاں
اے جان دل لگانے کی اچھی سزا ہوئی

کہتا ہے اُن سے آئنہ صبحِ شبِ وصال ہے ہے یہ رات بھر میں تری شکل کیا ہوئی
غمزے سے اپنے بولے وہ کشتوں کو دیکھ کر پوچھی مری گلی نہ ہوئی کربلا ہوئی
رحم آگیا کریم کو محتاج دیکھ کر حاجت ہی اس غریب کی حاجت روا ہوئی
اب آنکھ کیا ملائیگی مستوں سے دخترِ رز قاضی کے گھر میں پڑکے بڑی پارسا ہوئی
کیا کیا لباس شانِ کرم کے ہیں دیکھنا خاکِ شفا ہوئی کہیں آبِ بقا ہوئی
اک عمر ہوگئی شبِ فرقت کو میرے گھر اب بھی جو ابتدا ہے تو بس انتہا ہوئی
دیکھا نگاہِ گرم سے آج اُس نے غیر کو مقبول کس جلے ہوئے دل کی دعا ہوئی
ہے وصل میں تو ہجر سے بھی بڑھکے اضطراب تڑپانے میں تو درد سے دونی دوا ہوئی
معشوق سبزہ رنگ تھی جب تک تھی سبز پوش قاتل لباس سرخ پہنکر حنا ہوئی
شکوہ کیا جفا کا تو بولے کہ ناسپاس تیری جفا ہی سے تو نمود و نما ہوئی
جی خواب رنگ ہوش یکایک سب اڑگئے روزِ فراق تیز کچھ ایسی ہوا ہوئی
آنکھوں کے آگے آکے کھڑی ہوگئی وہ شکل دم کھچ جہاں پلک سے پلک آشنا ہوئی
ہے چیز ایک ادا و قضا اس قدر ہے فرق سیدھی نظر ادا ہوئی ترچھی قضا ہوئی
آئینہ عاشقوں سے سوا ہے ستم نصیب پہلے اسی غریب پہ مشقِ ادا ہوئی
مستانِ عشق کو رمضاں میں بھی عید ہے روزے میں بھی شراب نہ اُنکی قضا ہوئی
مقتل کو وہ چلے تو ہٹانے کو بھیڑ بھاڑ تیغِ نگاہ کھینچ کے آگے ادا ہوئی
آئینے نے جواب دیا بات بات کا لو آج تو کھلی کھلی اسے دلربا ہوئی

گھبرا رہے ہو حشر میں کیوں اس قدر امیر
اتنی سی تو بات ہے کہدو خطا ہوئی

کچھ بھی جو شوخیوں سے وہ آنکھ آشنا ہوئی یاں جان اُس سے پہلے ہی نذرِ ادا ہوئی
کیا پانی پانی شرم کے مارے حیا ہوئی کیسی خفیف آکے مرے گھر قضا ہوئی

کیا وصل کی گھڑی مرے حق میں بلا ہوئی / تعریف کی حیا کی تو شوخی خفا ہوئی

لو وصل میں تو جان ہی اُسکی ہوا ہوئی / عیسیٰ یہ دردِ ہجر کی اچھی دوا ہوئی

بولا فلک یہ مہر جو زلف اُس کی وا ہوئی / نازل ہمارے سر پہ یہ کالی بلا ہوئی

کہتے ہیں زلفِ یار سے دیوانگانِ زلف / کالی پری کسی کی بھی تو آشنا ہوئی

عبرت یہ کہہ رہی ہے جوانوں کی قبر پر / یارو کہو اُمنگ جوانی کی کیا ہوئی

وہ دیکھتے ہی بزم میں مجھ کو بگڑ گئے / کچھ بات بھی تو کی نہیں یہ بات کیا ہوئی

ہیں رند تو فراق میں ساقی کے تلخ کام / پوچھو تو دخترِ رز سے یہ کیوں بے مزا ہوئی

ق

غافل نزول ہی تو کمالِ عروج ہے / خاکِ فنا ہی منزلِ آبِ بقا ہوئی

نقطے کی سیر دائرۂ معرفت میں دیکھ / تھی ابتدا جہاں سے وہیں انتہا ہوئی

میری تڑپ میں ہے ترے جلوے کی آب و تاب / قدرت خدا کی درد سے پیدا دوا ہوئی

ہتھ پھیریاں ہیں دستِ نگارینِ یار کی / اور چور دل کی ہاتھ میں آ کر حنا ہوئی

مجھ کو کڑی نگاہ سے اُدھر دیکھنا نہ تھا / جوبن کا دل دکھا تو جوانی خفا ہوئی

گاہک وہ جان کی ہے یہ گاہک ہے دل کی بھی / کیسی قضا قضا کی بھی اُستاد ادا ہوئی

بسمل ادا شناس تھے قاتل ادا فروش / بدنام مفت بیچ میں پڑ کر قضا ہوئی

مرتے تھے جو ادا پہ وہ سب مر کے رہ گئے / قربان اس ادا کے یہ اچھی ادا ہوئی

حسرت شبِ وصال میں بھی وصل کی رہی / خلوت میں بھی نہ اُن سے نزاکت جدا ہوئی

کیا کیا نیاز مندوں سے ہیں بے نیازیاں / یاں لاکھوں لوٹنے لگے واں ادا ہوئی

کیوں پہلے آرسی نے دکھائی کہ تم نے آنکھ / کسکی طرف سے چھیڑ کی یہ ابتدا ہوئی

بخشا امیر روزِ ازل ہی کریم نے
یاں پہلے مغفرت ہوئی پیچھے خطا ہوئی

اچھے عیسیٰ ہو مریضوں کا خیال اچھا ہے / ہم مرے جاتے ہیں تم کہتے ہو حال اچھا ہے

آرزو وصل کی اچھی یہ خیال اچھا ہے
ہائے پورا نہیں ہوتا ہے سوال اچھا ہے

نزع میں میں ہوں وہ کہتے ہیں کہ خیریت ہے
پھر برا ہوتا ہے کیسا جو یہ حال اچھا ہے

تجھ سے مانگوں میں تجھی کو کہ سبھی کچھ ملجائے
سو سوالوں سے یہی ایک سوال اچھا ہے

یاد وصل آئی تو دل سے یہ کہا حسرت نے
اسکو سینے سے لگا رکھ یہ خیال اچھا ہے

ایک سے ایک حسینوں میں ہے اچھا لیکن
منہ چڑھ جائے جو اپنے وہی مال اچھا ہے

پھول پھل ہوں کہ نہ ہوں چھاؤں گھنی ہو جس میں
ہر مسافر کی نظر میں وہ نہال اچھا ہے

ق

دیکھ لے بلبل و پروانہ کی بیتابی کو
ہجر اچھا نہ حسینوں کا وصال اچھا ہے

اچھی حالت پہ کسی کی نہیں روتا کوئی
آنکھیں کیوں روتی ہیں پھر دل کا جو حال اچھا ہے

تم زبان سے تو برا کہتے ہو میرے دل کو
چیتونوں کی تو سنو کہتی ہیں مال اچھا ہے

راتیں اچھی ہیں دن اچھے ہیں مہینے اچھے
اچھے معشوق سے صحبت ہو تو سال اچھا ہے

دونوں آئینے ہیں اس میں ہے رقیب اس میں حبیب
[illegible]ب معشوق سے عاشق کا خیال اچھا ہے

چیز مانگے کی ہو اچھی بھی تو کس مصرف کی
ہو برا بھی مگر اپنا ہو تو مال اچھا ہے

چودھویں سال میں ہے نام خدا دختر رز
پڑھ دے قاضی کہو دو بول یہ سال اچھا ہے

واعظ اسکی سی ادا اٹھی نہ حوروں میں
ہمنے تسلیم کیا حسن و جمال اچھا ہے

آگیا اس کا تصور تو پکارا یہ شوق
دل میں جم جائے الٰہی یہ خیال اچھا ہے

جس کا انجام مصیبت وہ خوشی بھی ہے بری
جس کا انجام خوشی ہو وہ ملال اچھا ہے

آنکھیں دکھلاتے ہو جوبن تو دکھاؤ صاحب
وہ الگ باندھ کے رکھا ہے جو مال اچھا ہے

وہ ادھر عکس ادھر بیچ میں ہے آئینہ
بحث یہ چھڑ گئی ہے کس کا جمال اچھا ہے

دہن زخم میں ہر قطرۂ خون ہے یاقوت
تیری تلوار کے بیڑے کا اگال اچھا ہے

ماہ کامل مہ نو دونوں حسیں ہیں لیکن
اک ذرا سن جو ہو کم اس سے ہلال اچھا ہے

ہائے بوٹا سا وہ قد ہائے وہ رخ وہ جوبن
پھول پھل جس کے ہوں اچھے وہ نہال اچھا ہے

حسن میں خم ن کے دریا ہی میں تڑپیں تو بھلی
مچھلیوں کے لیے موجوں ہی کا جال اچھا ہے

شوخیاں وصل میں کرتی ہیں جو دلکو مایوس
شرم دیتی ہے تسلی کہ مآل اچھا ہے

برق اگر گرمیِ رفتار میں اچھی ہے امیر
گرمیِ حُسن میں وہ برق جمال اچھا ہے

بھولے پن سے دمِ رخصت یہ سوال اچھا ہے
ہاتھ سینے پہ ہے کیوں دل کا تو حال اچھا ہے

پاک دامن ہو تو ارمانِ وصال اچھا ہے
اچھی نیت ہو تو اچھوں کا خیال اچھا ہے

مانگیے بوسہ تو کہتے ہیں وہ دیکر دشنام
کیوں جواب اس کا ہے چپ کہ سوال اچھا ہے

دختِ رز گھر میں جو قاضی کے ہے اسکی کیا بات
پارسا گھر ہے رقم جو لکھی ہے مال اچھا ہے

ذکر طوبیٰ ہی کا کرتا ہے ہمیشہ واعظ
باغ بھر میں یہی کیا ایک نہال اچھا ہے

اس کا انجام فراق اُس کا انجام وصال
کون کہتا ہے کہ فرقت سے وصال اچھا ہے

غم میں گزرے تو بُرا عیش میں گزرے تو بھلا
نہ بُرا ہے کوئی دنیا میں نہ سال اچھا ہے

کہتے ہیں خوش ہو جو عاشق تو کریں اور آفت
رہنے دو ہنسنے دو ایسوں کا ملال اچھا ہے

روز آتا ہے مرے دل کو تسلی دینے
تجھ سے اے دشمنِ جاں تیرا خیال اچھا ہے

عمر کی جان جوانی یہ جوانی کی ہے جان
بارہ سے بیس تلک جو ہے وہ سال اچھا ہے

ناز کو جان کی ہے تاک ادا کو دل کی
دو تو خوش فکر ہیں دونوں کا خیال اچھا ہے

میزباں مرتا ہے مہمان مزے کرتا ہے
دل کی حالت ہے بُری درد کا حال اچھا ہے

نہ سہی ذوقِ وفا شوقِ جفا کیا کم ہے
کچھ نہ ہونے سے تو جیسا ہو خیال اچھا ہے

جی لگے کیوں نہ حسینوں کی جفائیں سُنکر
تذکرہ جس میں ہو اچھوں کا وہ حال اچھا ہے

خوب دیکھا تو جوانی کا ہے سارا جوبن
حسن پریوں کا نہ حوروں کا جمال اچھا ہے

کہتے ہیں آئنے سے واہ ہمیں سے لیکر
پھر دکھاتا ہے ہمیں کو کہ یہ مال اچھا ہے

چلکے دیکھا آئنہ خانے میں ہیں کتنے تجھ سے
تجھ کو سوجھی ہے کہ تیرا ہی جمال اچھا ہے

لوٹ ہو دیکھ کے دل جس کو وہ قد ہے موزوں
جسکو بجلی کہے اچھا وہ نہال اچھا ہے

گرمیِ مہرِ قیامت کا بھی دھڑکا نہ رہے
پھونکدے خلق کو اسے مہرِ جمال اچھا ہے

رشک اس پر نہیں ہوتا ہے کسی حاسد کو
خوب دیکھا تو خوشی سے بھی ملال اچھا ہے

کٹتے ہیں آج کو ناخن سے مرے وہی تشبیہ
کل کہو گے تیرے ابرو سے ہلال اچھا ہے

گرمیِ شوق یہ کہتی ہے چلو دیکھیں تو
سنتے ہیں طور پہ بھی ایک نہال اچھا ہے

قوتِ عجز سے تا کنگرۂ عرش پہنچ
رنگ پرواز یہ لے بے پر و بال اچھا ہے

رشک سے یوسفِ ابرو تمہیں دیتے وہ امیر
کیوں کہا میں نے غزل میں کہ ہلال اچھا ہے

ہر کلی کہتی ہے کھا کر ترے دیوانے سے
دیکھ نکلی ہے پری سیج کے پریخانے سے

ساقیا جاتے ہیں پیاسے ترے میخانے سے
گھونٹ دو گھونٹ چھلکتے ہوئے پیمانے سے

بت بنے بیٹھے ہیں بت جی مرا گھبراتا ہے
اُٹھ کے کعبے کو چلا جاؤں گا بتخانے سے

حشر میں دیکھیں مرے دل نے تو بوسے شبِ وصل
لپٹی ہیں کیوں یہ بلائیں مرے دیوانے سے

ہو خفا رز نام خدا اب ہے جواں اے ساقی
کہیں مستی میں نکل جائے نہ میخانے سے

لامکاں کے جو کتابوں میں لکھے ہیں اوصاف
ملتے جلتے ہیں وہ کچھ کچھ مرے ویرانے سے

دل مرا توڑ دیا آج مرے ساقی نے
مے پلائی بھی تو ٹوٹے ہوئے پیمانے سے

ہم اُن پر تو کرا کٹنے دے کبھی تو ان کو
ہیں غضب میں تری آنکھیں مجھے شرمانے سے

شیخ جی رہتی ہیں کیوں سرخ تمہاری آنکھیں
شب کو کیا لال پری آتی ہے میخانے سے

بھرتے ہی دل سے پڑی خانہ خرابی کی بنا
گھر تباہی کا ہے آباد اسی ویرانے سے

لکھتے ہیں آگ لگے شوق کو تیرے ظالم
چھلکے سب رہ گئے چھالے ترے گل کھانے سے

رقص کرنے لگی دم بھر میں چھلک کر ساقی
کہہ دیا جھک کے یہ کیا شیشے نے پیمانے سے

ہم نے زلفوں کی ثنا کی تو کہا چپ بھی رہو
دم الجھتا ہے اس الجھے ہوئے افسانے سے

دل چرایا ہے تو آنکھیں نہ چراؤ دیکھو
چوری کھلنے کا ہے ڈر چور کے گھبرانے سے

شیخ آئے تھے رندوں میں تو کیسے تھے کثیف
کیا نہا دھو کے نکل آئے ہیں میخانے سے

پاس آتے ہی جلا پھونک کے رکھدیتی ہے
شمع کی آگ کو کیا لاگ ہے پروانے سے

کل نظر آئے تھے جاتے ہوئے مسجد کو امیر
آج دیکھا تو چلے آتے ہیں میخانے سے

راز میخانے کے باہر نہ ہوں میخانے سے
محتسب چھین نہ لے خط کہیں پیمانے سے

ڈھلتا غصے ہی میں آنچل وہ کہیں شانے سے
ہائے محروم رہا کیوں میں سزا پانے سے

زلفیں ہلتی نہیں تیری یہ ہوا پر پریاں
آئی ہیں پینگ بڑھانے ترے دیوانے سے

تحفہ بھی چاہیے کوثر کے لیے کچھ زاہد
لیتا جا تھوڑی سی تلچھٹ مرے میخانے سے

غیر کو دیکھ کے ساقی نہ ہمیں دیکھ کر
ہم نہیں پینے چھلکتے ہوئے پیمانے سے

نگہ شوق کی زور آوریوں کو دیکھا
آنچل آیا ہے کہاں ڈھلکے ترے شانے سے

داغ تو دل میں مرے تیرے لڑکپن ہی سے تھے
اور ابھرے ترے جوبن کے ابھر آنے سے

دیکھا اے دل نگہ گرم سے اسوقت نہ دیکھ
ٹھنڈے ٹھنڈے ابھی نکلے ہیں وہ خسخانے سے

دی بھی مے شیخ کو ساقی نے تو تحقیر کے ساتھ
توبہ توڑی بھی تو ٹوٹے ہوئے پیمانے سے

وہ تو معشوق ہے تڑپانے میں ملتا ہے مزہ
درد دل تجھ کو بڑا کیا مرے تڑپانے سے

کہتے ہیں وصل میں دیکھے کوئی چھل پھر انکی
بڑے ہشیار ہیں جو پھرتے ہیں دیوانے سے

میرے غمخوار جو گھبرے ہیں انہیں میں کیا دوں
غم مرے پاس بچے بھی جو مرے کھانے سے

زاہد وعظ کی مجلس سے کسے ہے انکار
تم چلو پی کے ہیں آیا ابھی میخانے سے

شمع سے کتنے ہی اک ساتھ لپٹ جاتے ہیں
رشک مطلق نہیں پروانے کو پروانے سے

نیمجان کرکے مجھے چھوڑ چلا او قاتل
تیری بیداد رہی ہی اچھی تھی ترس کھانے سے

درد دل سنکے پسیجا دل بیدرد ان کا
کام افسون کا لیا ہمنے اس افسانے سے

تو سہی میری وفا اُس سے جنازہ اٹھوائے | بدھیاں پھولوں کی اُٹھتی نہیں جس شانے سے

زیست کا لطف تو یاروں ہی کے دم تک ہے امیر
بیٹھ جاتا ہے دل احباب کے اُٹھ جانے سے

دخترِ رز اٹکی ہے ساقی کسی دیوانے سے | کہ پری بن کے اُڑی جاتی ہے پیمانے سے
داغ پر داغ دیے جاتا ہے دم لے اے چرخ | یہ بھی کھا لونگا جو فرصت ہوئی غم کھانے سے
بُت حرم میں بھی نہیں چین سے رہنے دیتے | روز پیغام چلے آتے ہیں بت خانے سے
ساقیا دخترِ رز بھی ہے عجب مشاطہ | آ کے شیشے کو ملا دیتی ہے پیمانے سے
قتل کے وقت میں تڑپا تو کہا خوش ہو کر | تم بھی تو وصل میں خوش تھے مرے تڑپانے سے
کی کبھی ہم چشموں میں تعریف تری شوخی کی | آنکھ نیچی ہوئی میری ترے شرمانے سے
شیخ جی اُٹھے تو لغزش نے قدم لیکے کہا | اُٹھ کے کیوں بیٹھ گئے جاؤ نہ میخانے سے
خوب جی بھر کے تصور کا ترے موقع ہے | میں بہت خوش ہوں شبِ ہجر کے بڑھ جانے سے
ترے دیوانے پہ کیا جانے وہاں کیا گزری | آیا سیلاب جو روتا ہوا ویرانے سے
شبِ غم کہتی ہے میں پڑ چکی تیرے گھر میں | مجھ کو کیا کام ہے اب غیر کے گھر جانے سے
چاہتے ہیں کہ دل آئیں تو الگ ایک سے ایک | راہیں زلفوں میں نکلواتے ہیں وہ شانے سے
کھلکے پی شربتِ دیدار پلا یا دمِ نزع | آخری وقت ہے کیا فائدہ ترسانے سے
شرم سے شمع بجھی جاتی ہے تیرے آگے | اُڑ نہ جائے کہیں پر رنگ کے پروانے سے
نکلے چلمن سے وہ سمجھے کہ تماشا ہے کوئی | کام نکلا یہ بڑا دل کے مچل جانے سے
گھنگرو بولیں گے گلے میں مرے پامالوں کے | یہ صدا آتی ہے گھنگرو کے ہر اک دانے سے
چاہ کی آنکھ سے جوبن کو جو دیکھا تو کہا | کہیں یہ مال ملا جاتا ہے للچانے سے

ذکر ہو کس دل وحشی نے کیا ہے کہ امیر
وہی آواز چلی آتی ہے ویرانے سے

گرم اندر کا اکھاڑا ہے تو میخانے سے
رقص پریوں کا کوئی سیکھ لے پیمانے سے

عکس کی چھپی ہوئی شکل تو آئینے میں دیکھ
شرم اُس کو بھی تو آئی ترے شرمانے سے

دل ہے دیوانۂ گیسو تو پہن لے بیڑی
آن ہے عشق کے بانکوں کی اسی بانے سے

رات یہ تازہ کھلا گل کہ مرے دل کی کلی
مسکرائی تری چولی کے مسک جانے سے

آبرو ہے دلِ دیوانہ ہی سے گیسو کی
متبرک ہے یہ تسبیح اسی دانے سے

اُن کی یہ ہٹ کہ نہیں آج نہ دونگا بوسہ
دل کی یہ ضد کہ بہلتا نہیں بہلانے سے

دھوکے دیتے نہیں آنکھوں کو بیابانوں میں
چہلیں کرتے ہیں چھلاوے ترے دیوانے سے

اعتبار آپ سے ہوں رے کا کھو دیا اپنے کھو یا
نہ رہی اتنی بھی توقیر قسم کھانے سے

کھنچی ہے وصل کی شب ان کی حیا سے شوخی
آج حاصل نہیں کچھ جھینپنے شرمانے سے

خانقاہوں میں جو یہ پھرتی ہے بہکی بہکی
توبہ بھی پی کے مگر نکلی ہے میخانے سے

دیکھ پایا ہے اُنہیں حضرت ناصح نے کہیں
اب میں سمجھا جو غرض ہے مرے سمجھانے سے

قاضیِ شہر ہو یا شیخِ حرم کوئی ہو
جو نہو مست نکالو اُسے میخانے سے

اشک سے ہے وا نہ مرا اشک ہے پانی میرا
اور واقف ہوں نہ پانی سے نہیں دانے سے

اک ذرا سی حرکت کی بھی سکت مجھ میں نہیں
غش پہ غش آتے ہیں اب جوش میں بھی آنے سے

توبہ ٹوٹی ہے ضرور آج کسی اوپچے کی
توبہ توبہ کی صدا آتی ہے میخانے سے

لوٹیں عشاق تہِ خاک کے سینوں پہ بھی سانپ
یہ اشارہ ہے لٹیں زلف کی لٹکانے سے

سیر کہنا تو غزل کچھ نہیں دشوار امیر
خوف یہ ہے کہ نکل جائے نہ پیمانے سے

جب آنکھ اُس شارہ خوباں سے پڑی تھی
نگہ تقدیر بن بن کر لڑی ہے

اسے جاناں پہ مسی کی دھڑی ہے
تو سوسن کس لیے پھولی کھڑی ہے

خوشی بہک کی چھوٹ الفت میں پڑی ہے
ملا ہے دل جو آنکھ اُس سے لڑی ہے

مسی پر چھوٹ افشاں کی پڑی ہے — کنی ہیرے کی بادام میں جڑی ہے
چھپی کیوں ہے جو سیلی سے لڑی ہے — یہ چوٹی کس لیے پیچھے پڑی ہے
سنہتی ہے یہ گردن ہی تک اس کی — صراحی دختِ رز سے کچھ بڑی ہے
شبِ غم مجھ سے بیٹھا جائے کیونکر — تری تصویر تو آگے کھڑی ہے
کلی کو باغ میں چھیڑا ہے کس نے — صبا پر منہ لپیٹے کیوں پڑی ہے
خدا اس زلف و کاکل سے بچائے — بلائے جان ہے جو چھوٹی بڑی ہے
بہت جلدی ہے کر قاتل و رم ذبح — یہی تو حاصلِ عمر اک گھڑی ہے
شبِ غم کیسی ہی چھوٹی ہو واعظ — مگر نہیں قیامت سے بڑی ہے
ادا لگاہٹ قضا لگاہٹ کدھر جائے — عجب جھگڑے میں جان اپنی پڑی ہے
نہیں رکتی چلی جاتی ہے دن رات — مری عمرِ رواں بھی اک گھڑی ہے
لیا ہے بوسہ قاتل لپٹ کر — لڑا دی جان تب قسمت لڑی ہے
قضا ہی نے تڑپ دیکھی تھی میری — اسی نے جا کے قاتل سے جڑی ہے
فلک کو پھونکتی ہے آہ دل کی — ذرا سی شمع کو اتنی پڑی ہے
بڑی جھگڑالو ہے اس کی حیا بھی — کہ اک اک بوسہ پر پہروں لڑی ہے
ملا کر خاک میں آئے ہو کس کو — یہ کیسی گرد دامن پر پڑی ہے
نہیں کھلتی گرہ بندِ قبا کی — یہ ظالم اس کے دل سے بھی کڑی ہے
ہوا ہے کس بلاکش سے وہ برہم — کہ زلفِ یار قدموں پہ پڑی ہے
نگاہِ ناز ہوتی ہے برآمد — سلامی کو صفِ مژگاں کھڑی ہے
اجل آئی ہے نزدیک آپ کیا — ہماری جان تو غم میں پڑی ہے
تمہارے لب ہیں باغِ حسن کے پھول — تبسم ان کی نازک پنکھڑی ہے

امیر اتنا نہ چھیڑ اس کو سرِ شام

کہ شب بھر پیار کرنے کو پڑی ہے

شب وصل آنکھ جب مجھ پر پڑی ہے / تو کیا کیا شرم شوخی سے لڑی ہے

نظر کس چشم فتاں سے لڑی ہے / کہ آنکھوں کو لئے نرگس کھڑی ہے

نظر جس دن سے اس رخ پر پڑی ہے / کرن سورج کی اشکوں کی لڑی ہے

زمانے بھر کی آنکھ اس سے لڑی ہے / جدھر دیکھو یہی آفت پڑی ہے

وہ بیٹھے ہیں مگر تیوری چڑھا ہے / مسیحا پاس اجل سر پر کھڑی ہے

ادھر عکس اور ادھر تانتا ہے وہ شوخ / یہ دو بانکوں میں کیا بحث آ پڑی ہے

گرے ہیں جو لگن میں شمع سے پھول / ہر پروانہ ان کی پنکھڑی ہے

نکلتے ہی نہیں مسجد سے واعظ / خدا کے گھر میں نال انکی گڑی ہے

گرہ بند قبا کی کھل رہے گی / وہ کھولو جو گرہ دل میں پڑی ہے

مرے گھر ہجر کے دن دھوپ یا رب / جمی ہے یا گڑی ہے یا جڑی ہے

مری میت کو ٹھکرا کر وہ بولے / میں سچ کہتا ہوں یہ جھوٹی پڑی ہے

نگاہ مست ساقی نے دکھا کر / کہا لو پھول کی جا پنکھڑی ہے

زبان دی ہجر وصل اور خود ہی بولے / میں سچ کہتا ہوں یہ جھوٹی بڑی ہے

مژہ اس کی نگہ سے بھی ہے کٹّا / چھری خنجر سے بھی منہ کی کڑی ہے

لپٹ کر سوتی ہے روز اس سے چوٹی / یہ میری جان کے پیچھے پڑی ہے

ابھار ان جوبنوں کا کہہ رہا ہے / جوانی خود نمائی پر اڑی ہے

نہیں اس تیغ کے قبضے میں چھلا / دلہن کے کان میں انتی پڑی ہے

نکل سکتی نہیں حسرت شب وصل / کہ وہ چتون چھری کھینچے کھڑی ہے

لہو میں تر ہے کیوں اے چشم خونبار / بنا تو آج تو کس سے لڑی ہے

خضر بھی عمر میں دنیا سے ہیں کم / یہ بڑھیا ساری دنیا سے بڑی ہے

نگہ جائے کہاں سینے سے اُٹھ کر
ادا قاتل ہے الزام اُسکے سر پر
نہیں پلکوں کی اوجھل میں وہ پتلی
نکیلی بھی سجیلی بھی ہے وہ آنکھ
پہنتے ہیں وہ بیٹھے گھر میں چھاگل
پہنتے ہیں جب دہان زخم بسمل
نہ توڑو نرگس بیمار کی آس
پہنچتے ہیں سب اس منزل پہ مرکر

یہیں تو حسن کی دولت گڑی ہے
قضا کیا مفت میں ماری پڑی ہے
دلہن چلمن میں شرمائی کھڑی ہے
مگر دیکھا تو شرمیلی بڑی ہے
قیامت در پہ گھبرائی کھڑی ہے
تو اک تلوار اور اُسنے جڑی ہے
عصا ٹیکے ہوئے کب سے کھڑی ہے
عدم کی راہ بھی کتنی کڑی ہے

امیر اپنی نظر میں قصر شاہی
فقیروں کی سی ٹوٹی جھونپڑی ہے

...کائے ہیں کیا داغ جگر آہ رسا نے
...نے ہیں دل سرد کس کس کو ہلا نے
...ور رخ محبوب سے الٹا ہے ہوا نے
...ہاتھ اُٹھایا ہے دعا کے لئے میں نے
...ل جو ہوئی نزع تو غنچے نے پکارے
...وصل میں بیتابی دل ہوگئی دونی
...ہاں کس کے چلے جوڑ شب وصل میں مجھ پر
...ہائی مجھے چھوڑ گیا خنجر قاتل
...کا ہے دل کو جگر تک اُتر آئیں
...رسوائی کی لگائے رہیں عاصی
...کی شوخی کی نقاب اُسنے اُلٹ دی

ان پھولوں میں اور آگ لگا دی ہے صبا نے
مُنہ تیری طرح مجھ سے چھپایا ہے قضا نے
یہ پھول کھلایا ہے نیا باد صبا نے
تاثیر سے واں ہاتھ اُٹھایا ہے دُعا نے
چھوڑا ہے شگوفہ یہ نیا باد صبا نے
کی اور کمک درد محبت کی دوا نے
ٹپکے دیے شوخی نے نوک چال حیا نے
افسوس دغا مجھ سے نہ کی اُسکی جفا نے
کیا کام لیا نیچی نگاہوں سے حیا نے
رحمت کو بہت آئے ہیں بخشش کے بہانے
شب کو تو مجھے مار ہی ڈالا تھا حیا نے

برسات میں بھی یہ نہ اُبھرنا تھا نہ اُبھری
چھینٹے دئے کیا کیا مری توبہ کو گھٹا نے

اُس دستِ حنائی پہ گلے کٹ گئے کتنے
پسیجے ہیں ہزاروں ہی کے دل پسکے حنا نے

گھبرائی ہوئی تیغ بکف پھرتی ہے ہر سمت
کیا جانے دیا برق کو کیا حکم گھٹا نے

آئی ہے دمِ نزع مرے گھر شبِ فرقت
گھیرا ہے بُرے وقت میں اِس کالی بلا نے

اک آن میں جب بھر دئے جل تھل تو میں سمجھا
واقف تری ہمت سے کیا سب کو گھٹا نے

اُس دستِ نگارین کو کیا ہے جو کبھو کا
دل میں مرے اک آگ لگا دی ہے حنا نے

تو پکڑے تو پہ کہیں پہچانے سے ہٹتی
کوڑے اُسے بجلی کے لگائے ہیں گھٹا نے

کمبخت مرے گھر سے نکلتی ہی نہیں ہے
دامن مرے مسکن کو بنایا ہے بلا نے

اُس گل کے جو ہاتھوں کو بنانا تھا کبھو کا
لالے کا لہو چوس لیا برگِ حنا نے

اللہ رے مری شبِ ہجراں کی سیاہی
سو بار پکارا مجھے گھبرا کے بلا نے

شکوہ جو کیا سنگ دلی کا تو وہ بولے
بُت ہم کو بنایا ہے تمہارے ہی خدا نے

ہر گام پہ لغزش تھی رہِ عشق میں لیکن
پھسلے تو سنبھالا ہمیں تسلیم و رضا نے

گھیرا تو بہت زلفِ بتاں نے مجھے لیکن
اب تک تو اِس آفت سے بچایا ہے خدا نے

دل پس کے امیر اُن کے قدم تک بھی نہ پہنچا
اور بوسے لئے ہاتھوں کے بھی پسکے حنا نے

سیکھی ہے ادا تیری مری جان قضا نے
آتے ہی مرے پاس لگی جان چرانے

یہ خوشخبری نزع میں دی مجھ کو قضا نے
بھیجا ہے عیادت کو تری تجھ کو ادا نے

ساقی کے تصور سے یہاں کھل گئیں آنکھیں
ہشیار کیا ہم کو مئے ہوش ربا نے

بت کہتے ہیں حسن حسن کے گلہ جور و جفا کا
پیدا ہی کیا ہے انہیں کاموں کو خدا نے

نادم جو ہوا جرم پہ رحمت کا ہوا جوش
کی میری شفاعت مرے اقرارِ خطا نے

معشوق جفاکار ہیں عشاق وفادار
ہر ایک کو حکمت سے بنایا ہے خدا نے

افلاک کو سمجھے ترے دیوانے جنوں ہیں
پامال کیا لاش کو تربت کو بھی رو ندا

بے موت مجھے تیغ تغافل ہی نے مارا
قدموں پہ گری تیر سے تو پھر سر نہ اٹھایا

ہیں کشتۂ ناز ہیں سب زندۂ جاوید
اس شان سے اس ٹھاٹھ سے پھولوں میں آئے

تیر نگہ ناز سے ہم بچکے جو نکلے
گردش نظر یار نے بیماروں کو مارا

سہہ سہہ کے ستم تم کو ستمگار بنایا
جھنجھلائی ہے تنگ آئی ہے یہ بالا ترے

محشر میں وہ اٹھا تو وہ مخمور ہی اٹھا
اللہ رے ہم آغوشی تاثیر کی حسرت

جوڑا جو کھلا دوڑ پڑے سینکڑوں فتنے
مانگی ہے دعا وصل کی کسکے کر لپٹ کر

ہشیار کیا تجھ سے مرے ہوش اڑا کر
لے لی تیری چتون نے مری آہ کی تاثیر

گزرا ہے جب اُس کوچۂ سے میں مرا دل
خاموش چلے جاتے ہیں دنیا سے ہزار دل

چھپالے یہ اچھالے ہیں ہمارے کف پا نے
کی خوب وفا مجھ سے ترے جور و جفا نے

پوچھا نہ جفا نے نہ قضا نے نہ ادا نے
کیا برق کو روندا ہے تری لغزش پا نے

شمشیر قضا توڑ کے رکھ دی ہے ادا نے
نذریں انہیں دیں اٹھ مرے اہل عزا نے

غمزے سے چھری لیکے کیا ذبح ادا نے
اک زہر کی چٹکی انہیں دی خاک شفا نے

در پردہ ستم مجھ پہ کیا میری وفا نے
کوسا ہے ترے غرش مجھے جا کے دعا نے

بتا کا جسے تیری نگہ ہوش ربا نے
سجدے کئے ہیں باب اجابت پہ دعا نے

لیں بڑھ کے بلائیں ترے بالوں کی بلا نے
بوسے دئے ہیں منہ کو مرے میری دعا نے

دو کام کئے اک نگہ ہوش ربا نے
جو چٹکی وہ چھین لی دشمن کی دعا نے

روکا ہے جو آفت نے تو لوکا ہے بلا نے
کیا جانئے کیا کہدیا چپکے سے قضا نے

دکھلا کے ادا مجھ کو امیر اُس نے کیا قتل
پیدا اثر درد کیا میری دوا نے

اٹھتے ہیں نکلنا آپ نہ دروازے سے مشکل ہے | قدم کرنی کہاں رکھتے ہیں سپہر دیکھیو ادھر دل ہے

تری مشکل ہو آب آسان اے بسمل پہ مشکل ہے
کہ قاتل خود نگاہ یاس کی چھریوں سے بسمل ہے

شب وصلت وہ اسکا چلبلا پن دیکھ کر بولے
غریب آفت کا مارا غمزدہ بیکس یہی دل ہے

کہیں ایسا نہ ہو تجھ پر بھی کوئی وار چلجائے
قضا ہٹ جا کہ جھنجھلایا ہوا اسوقت قاتل ہے

بلا واعرصۂ محشر میں ہے ساری خدائی کا
بڑی ہی دھوم کا جلسہ قیامت کی یہ محفل ہے

وہ کر معشوق کو بے پردہ آنکھیں بند کر مجنوں
کہ لیلیٰ آنکھ کی پتلی ہے آنکھ آغوش محمل ہے

مجھے تو درد ہے تیرا تجھے ہے کیوں یہ بیدردی
مرے پہلو میں بھی دل ہے ترے پہلو میں بھی دل ہے

عدو بھی وائے قسمت بزم ماتم میں ہے بیساختہ نکلے
ہمارے پھولوں میں کمبخت اک کانٹا بھی شامل ہے

دلِ بسمل مرا قاتل نہ کہہ اسکو
اُسے اللہ رکھے ایک عالم کا وہ قاتل ہے

عبث ہے ناک چڑھانا اے شیخ تجھ کو دختر رز کی
بھلا یہ عمر اس نوعمر سے شادی کے قابل ہے

مجھے تو میکدے میں خانقاہوں کا مزہ آیا
مراقب سب کے سب اللہ والوں کی یہ محفل ہے

میں اُسکی یاد میں ہر دم وہ میری گھات میں ہر دم
دلِ بسمل میں قاتل ہے دلِ قاتل میں بسمل ہے

فسانہ رہ گیا حسن و محبت کا زمانے میں
نہ مجنوں ہے نہ لیلیٰ ہے نہ ناقہ ہے نہ محمل ہے

طنابیں کھینچ دے یارب زمینِ کوئے جاناں کی
کہ میں ہوں ناتواں اور دن ہے آخر دور منزل ہے

ذرا رخ پا کے اُن کا لے لیا بوسہ تو وہ بولے
کسی کے منہ لگانے میں بھی تو ہم کو مشکل ہے

جہاں ڈوبا سفینہ عاشقوں کا پار ہے بیڑا
نیا دریا ہے اس دریا کی تہ ہی اس کا ساحل ہے

لحد میں لیکے دم جاتا ہے میدانِ قیامت میں
یہی منزل نہیں اور اُسکے آگے ایک منزل ہے

مرے سینے پہ رکھ کر ہاتھ کہتا ہے وہ شوخی سے
یہی دل ہے جو زخمی ہے یہی دل ہے جو بسمل ہے

امیر خستہ جاں کی مشکلیں آسان ہوں یارب
تجھے ہر بات آسان ہے اُسے ہر بات مشکل ہے

ادھر ضعف اور اُدھر رعب سوال وصل مشکل ہے
گرے دو پہر دن میں بیٹھی ہوئی آواز سائل ہے

سگِ اصحابِ کہف انسان کے زمرے میں داخل ہے
بُرا بھی ہے تو اچھا ہے اگر اچھوں میں شامل ہے

چلے منہ موڑ کر تو ہی تو پھر سنسان ہے مقتل
ترے ہی دم سے تو اے تیغ قاتل رنگ محفل ہے

نقاب اُٹھی تو کیا حاصل حیا اُٹھے تو آنکھ اُٹھے
بڑا گہرا تو یہ پردہ ہمارے ان کے حائل ہے

الٰہی بھیجدے تربت میں کوئی حور جنّت ہے
کہ پہلی رات ہے پہلا سفر ہے پہلی منزل ہے

جدھر دیکھو اُدھر سونا ہے کوئی پاؤں پھیلائے
زمانے سے الگ گور غریباں کی بھی محفل ہے

کلیجے سے لگا آنکھوں سے مل اتنا نہ رو بھر کر
اسے تلووں سے ملتا ہے ارے یہ تو مرا دل ہے

منگا آئینہ کیوں سامنے کی چوٹ کھا بیٹھا
تو اپنا آپ دشمن ہے تو اپنا آپ قاتل ہے

گری ہے ٹوٹ کر توبہ بھی جام مے پہ لے زاہد
یہ کیسی پارسائی تھی اب جو میخواروں میں شامل ہے

کہیں نازوں کی تلواریں کہیں غمزوں کی چھریاں ہیں
یہ مجمع ہے حسینوں کا کہ جلّادوں کی محفل ہے

وہ شوق قتل سے مضطر ہے یہ شوق شہادت سے
نہیں کھلتا کہ ان میں کون بسمل کون قاتل ہے

اسی جوہر سے ہے ہر لعل ہر آئینہ دنیا میں
اُسی کی شکل کھنچ آتا ہے جس سے مقابل ہے

زہے وحشت جہاں کوئی بگولا دشت میں اُٹھا
تو دوڑا قیس یہ کہہ کر کہ وہ لیلیٰ کا محمل ہے

بڑھا اے آہ رسا ہاتھ اثر آغوش ہے کھولے
بہت ہی تیری مشتاق اے مسافر تیری منزل ہے

گرہ میں دیکھیے گیسو کی یا جوڑے کی مٹھی میں
نہ سینے میں مرا دل ہے نہ پہلو میں مرا دل ہے

نہیں کیا کام توبہ سے کہ رند لاابالی ہیں
یہ ذی عصمت تو زاہد پارسا ہی کے قابل ہے

نگاہِ غور سے دیکھے اگر انسان تو آنکھیں ہیں [illegible]
ذرا سا اُسکی قدرت کا نمونہ آنکھ کا تل ہے

دیے گلشن کو چرکے کسکی شمشیر تبسّم نے
کہ گل ہیں خون میں تر خندۂ گل نیم بسمل ہے

شریک حال امیر احسان ہر حالت میں ہے اُس کا
صنم جھک جھک کے ملتے ہیں خدا کا فضل شامل ہے

نکلنا اُس گلی سے ہو کے بھی عاشق کو مشکل ہے
وہ کہتے ہیں کہ لو پھر آ گیا کیا بیحیا دل ہے

خدا رکھے چراغ جام سے میخانہ ہے روشن
شرابی اہل محفل دختر رز میر محفل ہے

فراق یار میں خنجر بکف یاس آ کے للکاری
جہاں رہتی ہے حسرت وصل کی وہ کونسا دل ہے

چھری کھینچی تو پھر اپنی کمر میں تو نے کیوں رکھ لی
جہاں لیجاتی ہے قسمت پہنچتا ہے وہیں انسان
مرے دلکو حسینیں جگھٹ میں اپنے دیکھ کر بولے
لب جاں بخش پر نام عدو ہے منہ لگاؤں کیا
یہی کروٹ بدلواتے یہی اُٹھا اُٹھ کے بیٹھلاتے
گیا طوف حرم کو قیس تو آواز یہ آئی
کسی کا رات بھر چلنا تمام شب بھر کھڑا رہنا
اُدھر ہے قتل کی لذت اِدھر ہے وصل کی لذت
عجب کیا گر اُٹھا کر سختی فرقت ہوا ٹکڑے
تحیر وصل میں دونوں کو ہے آئینۂ حیرت
مریض عشق تجھ تک آسکے کسطرح اے عاشلیلی
لپٹ جانے سے مطلب قیس کو ہے یہ خبر کسکو
قریب انسان اُس بت کے بجائے لاکھ پیار آئے
تمہارے عکس خال رُخ سے یہ سارا جہان روشن
سخی کا دل ہے ٹھنڈا اگر میں روز قیامت ہیں

ارے یہ تو کلیجے میں مرے رہنے کے قابل ہے
بھٹک سکتا نہیں کوئی کہ خضر راہ کامل ہے
یہاں دیوانے کا کیا کام یہ پریوں کی محفل ہے
مرے آپ بقا میں پھر بھی تھوڑا سا شامل ہے
مزہ ہمدردیوں کا دردِ دل سے مجھکو حاصل ہے
ارے نادان یہ لیلیٰ نہیں لیلیٰ کا محمل ہے
ترے زیر قدم اے شمع محفل تیری منزل ہے
گلے پر تیغ ہے سینہ تہ زانوے قاتل ہے
کوئی لوہا نہیں پتھر نہیں انسان کا دل ہے
اُدھر تم سے مقابل ہے اِدھر مجھ سے مقابل ہے
اِدھر سے اب اُدھر کروٹ بدلنا اسکو منزل ہے
کہ ناقہ ہے کدھر اور کسطرف لیلیٰ کا محمل ہے
وہ صورت دور ہی سے پیار کر لینے کے قابل ہے
اس کا نام تو دل ہے سویدا آنکھ میں تل ہے
کہ سر پر چتر رحمت سایۂ دامان سائل ہے

امیرؔ اللہ حافظ ہے ہجوم ناز میں دل کا
کہ سو جلاد ہیں خنجر بکف اور ایک بسمل ہے

بلا یہ صبر کیا عیش جاودان کے لئے
چھری وہ لائے ہیں عاشق کے مرغ جان کے لیے
بچی جو پریوں سے جان آ پھنسا ہیں حوروں میں
اندھیری رات میں بجلی کو بھی ترس آیا

مزے ہیں خلد میں اب خلد آشیاں کے لیے
غضب کی شاخ نکالی ہے آشیاں کے لیے
اب ان حسینوں میں بھیجا ہے امتحان کے لیے
غریب لیکے چراغ آئی آشیاں کے لیے

نہ اُٹھے وہ نہ سہی دیکھ تو لیا مجھ کو
اُٹھی نگاہ تو تعظیم میہمان کے لیے

کمر لچکتی ہے خنجر سنبھل نہیں سکتا
اور آپ آئے ہیں عاشق کے امتحان کے لیے

حضور اسکے ہیں دشمن بہت اجازت ہو
تو پاسباں ہوں میں شب کو پاسبان کے لیے

مزے مزے کے تعلق ہیں زخم و خنجر میں
زبان دہن کے لیے ہے دہن زباں کے لیے

ادا ہی تیری ہے قاتل قضا کے پردے میں
بدل کے بھیس یہ آئی ہے امتحاں کے لیے

سوالِ بوسہ جو چپکے سے بھی کیا تو کہا
ٹھہر منگائی ہیں چانپیں تری زباں کے لیے

ہزار شکر کہ پیکاں سے دل ہوا آباد
خدا نے بھیجدیا وارث اس مکاں کے لیے

جلا رہی ہے پتنگے کو شمع سے یہ کہو
زبان دراز یہ تعزیر ہے زباں کے لیے

لگاؤں آنکھوں سے چوموں سنگِ اسود کو
کہ ان لبوں سے ہیں بوسے اس آستاں کے لیے

چمک کے آئی جو بجلی تڑپ کے دل نے کہا
وہ برق نے قدم آہِ شرر فشاں کے لیے

جو خانہ باغ کی کلیاں بھی چٹکیں تو بولے
یہ کس نے بوسہ صبا میرے آستاں کے لیے

جواب دیتی ہے طاقت بھی ہائے پیری میں
بہت کڑے ہیں یہ دن جانِ ناتواں کے لیے

خدا جو پوچھیگا کیوں جان دی جوانی میں
دکھا کے تجھ کو کہونگا کہ اس جوان کے لیے

میں امتحاں میں پورا ہوا تو پھر کہیئے
ذرا سمجھ کے تقاضا ہو امتحاں کے لیے

میں ہوں وہ سوختہ جاں گر کہیں ملے بجلی
سمجھ کے جگنو اُٹھا لاؤں آشیاں کے لیے

اجازت اپنی نزاکت سے لی ہے یا یونہی
نکل کھڑے ہوئے سرکار امتحاں کے لیے

ہے اب امیر سے کیوں ضبط آہ کی تاکید
حضور ہی نے تو دی ہے زباں فغاں کے لیے

امیر روتی ہے اس تشنہ زباں کے لیے
زمیں خاک اُڑاتی ہے آسمان کے لیے

کھلی زبان مری کس کے داستاں کے لیے
اُچھلکے دل نے جو بوسے مری زباں کے لیے

نکلے سینے سے اے آہ برق سے کہہ آ
کہ ایک ڈال تو رہنے دے آشیاں کے لیے

پکارتا ہے وہ جوبن اُبھر کے سینے میں
کہ بیقرار ہوں میں بھی اسی جوان کے لیے

مرا خدا تو توانا ہے ناتواں ہوں میں
یہ آسرا ہے عصا جانِ ناتواں کے لیے

نکیلے تم ہو سجیلے ہو تم رسیلے تم
پھر اور دل کو میں رکھ چھوڑوں کس جگہ انکے لیے

غضب کی لاگ تھی کمبخت برق کو مجھ سے
چمن کو پھونک دیا آشیاں کے لیے

نہ موت آئے نہ نیند آئے نیند کا کیا ذکر
غضب کی قید یں لگائیں پاسباں کے لیے

گلہ تڑپ کا نہ انسان کرے جو عاشق ہو
یہی تو بس ہے پرِ پرواز مرغِ جان کے لیے

کہو کہ آکے رہے میرے پاس تربت میں
اُداس بیٹھی ہے کیوں بیکسی مکانکے لیے

وہ آشنا نہ ہوا گو برنگِ نقشِ قدم
قدم قدم پہ قدم میں نے پاسبانکے لیے

پسند بو میں بھی ہے اسکو رنگِ فتنہ گری
کہ عطرِ فتنہ خریدا ہے عطرداں کے لیے

یہ کنگھی چوٹی جو ہوتی ہے قتلِ عام کے بعد
حضور اب ہیں یہ تیاریاں کہاں کے لیے

کہو کہ پیرِ مغاں جامِ جم کو رہنے دے
بہت ہے دخترِ رز میرے امتحاں کے لیے

چلی جو ناز سے بے سر خرو کیے ہم کو
لپٹ کے بوسے تری تیغِ خوں فشاں کے لیے

زمین کو ہم سے غبار آسماں ہم سے خلاف
نہ ہم زمین کے لیے ہیں نہ آسماں کے لیے

وہ دل جو روز بدل کر نیا نظر آئے
کہاں سے لاؤں میں اس شوخ دلستانکے لیے

وہ بال گوندھ کے پھانسی عبث بناتے ہیں
بلائے جان ہیں یوں ہی جانِ ناتوانکے لیے

جفا کے شوق میں حد سے گزر نہ او ظالم
کوئی تو طرزِ ستم چھوڑ آسماں کے لیے

اجل کا لقمہ ہوا پہلے پھر میں لقمۂ گور
یہ دونوں کھولے تھے منہ ایک ناتواں کے لیے

دل اور تصورِ جاناں میں ربط لازم ہے
مکاں مکیں کے لیے ہے مکیں مکان کے لیے

شباب آتے ہی آندھی کی طرح دل آیا
بہار آئی تو جھونکے بھی کچھ خزاں کے لیے

امیر نالہ کبھی ہو ساتھ اشکوں کے
جرس کبھی شرطِ سفر میں ہے کارواں کے لیے

جوش کہتا ہے خونِ بسمل سے
دو دو ہاتھ آج ہونگے قاتل سے

کچھ پھری سی ہے وہ نگہ دل سے
تیغ روٹھی ہوئی ہے بسمل سے

پوچھو پیکانِ تیرِ قاتل سے
مشورے ہو رہے ہیں کیا دل سے

منہ کہیں موڑ لے نہ خنجرِ یار
یہ جو روٹھا منے گا مشکل سے

لے چکے دل تو ہنس کے فرمایا
پیار اب کیجئے گا کس دل سے

رات کی صحبتیں جو یاد آئیں
اُٹھ گئی شمع رو کے محفل سے

غیر اور ادعائے جانبازی
کیا مریگا مرے ہوئے دل سے

بزمِ جنت کی کھینچی ہے تصویر
رنگ لیکر تمہاری محفل سے

دل میں پھرتی ہیں وصل کی باتیں
نہیں آتیں زبان تک دل سے

کیوں نہ تڑپے کہ ناوکِ قاتل
چھینے لیتی ہے موت بسمل سے

اس ادا سے وہ آئے وصل کی رات
کہ نکل آئیں حسرتیں دل سے

ہوں میں وہ سخت جان کہ موڑ کے منہ
عذر کرتی ہے تیغ قاتل سے

میرِ محفل خبر نہیں ہوتا
اُٹھے جاتے ہیں لوگ محفل سے

حال مجنوں کے خاک اُڑانے کا
کہتی ہے گرد اُٹھ کے محمل سے

مفت دیدونگا کیا میں جان سی چیز
عمرِ جاوید لونگا قاتل سے

کام یاروں میں کیا تکلف کا
بے تکلف اُٹھا دو محفل سے

آئنہ دیکھ کر وہ شرمائے
آنکھ نیچی ہوئی مقابل سے

ڈوبی ہے کس غریب کی کشتی
سر پٹکتی ہیں موجیں ساحل سے

دل ہی دنیا سے سرد ہے کہ امیر
ہوئی ٹھنڈی غزل بھی مشکل سے

منہدی کہتی ہے دستِ قاتل سے
چھین لے رنگ خونِ بسمل سے

جان چھوٹے گی مر کے قاتل سے — مشکل آسان ہو گی مشکل سے
بگڑے تشبیہ ماہ کامل سے — سمجھے تعریف اوپری دل سے
خون بسمل نہیں بہا دم ذبح — مہندی چھوٹی ہے دست قاتل سے
تڑپیں دیوانے اور وہ چپ بیٹھے — بیڑی اٹھ چکی سلاسل سے
قیس لیلیٰ کو گود میں لیتا — سیکھتے پردہ ہائے محمل سے
عمریں گذری ہیں ٹھوکریں کھاتے — منزلوں دور ابھی ہوں منزل سے
آئینہ خانے ہیں جو وہ آئے — جی بکھار گئے مقابل سے
سنکے پھبتی وہ حور کی بولے — کہی اچھی مگر برے دل سے
وہ مسافر ہوں میں کہ بنکر خضر — لے گئی غربت آ کے منزل سے
وہ جو بے پردہ سامنے بیٹھے — پردے سب اٹھ گئے مرے دل سے
کیا خبر بعد مرگ یاروں کی — ساتھ چھوٹا ہے پہلی منزل سے
دل جو نالوں سے تو نے مل ڈالا — یہ ہوا کس طرح ترے دل سے
جھکے بیٹھے کوئی تو یوں بیٹھے — لاش اٹھے نہ کوچۂ قاتل سے
میرے پہلو سے تو نہ اٹھ اے درد — پیار کرتا ہوں میں تجھے دل سے
کیا ہیں یہ چشم قیس کے پردے — لپٹے ہی رہتے ہیں جو محمل سے
ایک اس کو دیا تو دس پائے — جھینپ کے مل اے کریم سائل سے
ساتھ والوں نے ساتھ چھوڑ دیا — دور پہنچا کے مجھ کو منزل سے
کہکے لبیک مغفرت دوڑے — توبہ ناصح کرے اگر دل سے
وہ کلیجہ پکڑ کے بیٹھ گئے — آہ نکلی نہیں ابھی دل سے

ہو زمین لاکھ سہل لیکن امیر
ہوتے ہیں اچھے شعر مشکل سے

عشق میں دن زندگی کے بھر چلے | مر کے تم پر جیتے جی ہم مر چلے
آ گئے آگے فتنۂ محشر چلے | چال قاتل کی اگر خنجر چلے
مر چلے ہم مر کے اُس پر مر چلے | کام اپنا نام اُس کا کر چلے
رات بھر وہ کنگھی چوٹی میں رہے | صبح تک آرے مرے سر پر چلے
دل ہے پامالِ ہجومِ یاس و غم | کیا اُگے سبزہ جہاں لشکر چلے
حشر میں اجلاس کس کا ہے کہ آج | لیکے سب اعمال کا دفتر چلے
خونِ ناحق کر کے اک بیجرم کا | ہاتھ ناحق خون میں تم بھر چلے
سعی تو کی وصل کی ہم نے بہت | جب نہ کچھ قابو چلا تب مر چلے
لالے کی مانند ہم اس باغ میں | داغ لینے آئے تھے لیکر چلے
برہمن اور شیخ میں چھٹیں چلیں | کعبہ و بتخانہ میں پتھر چلے
تم کو جینا ہو مبارک ہمدمو | ہم تو اُن پر مرتے ہی بس مر چلے
پہنچینگے اُس بزم میں عشاق ہی | اور یوں چلنے کو دنیا بھر چلے
بے مروت آنکھ ہو کیا سامنے | مے سے ہو خالی تو کیا ساغر چلے
پھر تبسم سے چھڑک قاتل نمک | زخم پھر ہم زخمیوں کے بھر چلے
چشم و ابرو دونوں کے جوہر دکھا | دم جو لے خنجر تو پھر ساغر چلے
کوئے قاتل میں گزر آساں نہیں | آدمی تلوار پر کیوں کر چلے
گردشِ چشم اپنے ساغر کو دکھا | ساقی اب کیا دیر ہے ساغر چلے

نسبت اُس کوچے میں کہتے ہے امیر
بیٹھے صاحب کہاں اُٹھ کر چلے

چال سے پامال ہم کر چلے | ہائے کیا چلتا ہوا منتر چلے

اس چمن سے لخت دل لیکر چلے
ہم نئے پھولوں سے دامن بھر چلے

مست تیرا گر شریک دور ہو
دخترِ رز لیکے خود ساغر چلے

عاشق اب اسے جان جی کر کیا کریں
مرنے کو آئے تھے تم پر مر چلے

چھپ کے اس کوچے میں راتوں کو گئے
اپنے سائے سے بھی ہم بچکر چلے

یہ ملی کس جرم پر دم کو سزا
حکم ہے دن بھر چلے شب بھر چلے

چتونیں چالاک آنکھیں فتنہ گر
جوڑ ان عیاروں پر کیونکر چلے

دورِ قاتل میں نہیں کچھ روک ٹوک
شوق سے چھریاں چلیں خنجر چلے

شیخ نے میخانے میں پی یا نہ پی
دخترِ رز کو تو رسوا کر چلے

ہے مرے قاتل کا شرمیلا مزاج
پھیر کر منہ حلق پر خنجر چلے

بیخودی سے وصل میں کھنڈت پڑی
گھر میں وہ آئے تو ہم باہر چلے

دوڑے بسمل تیغ قاتل کیطرف
پیاس کے مارے سوی کوثر چلے

جرم اپنا موج کی تقصیر کیا
کیوں حباب اتنا اُٹھا کر سر چلے

قدرداں شعر تو سب چل بسے
شاعروں کا کام اب کیونکر چلے

سر جھکائے کہہ رہے ہیں سرفروش
آزمانا ہو جسے خنجر چلے

گل گیا آخر تہ تربت کفن
ایک جوڑا حشر تک کیونکر چلے

رہنے کیا دنیا میں آئے تھے امیر
سیر کر لی اور اپنے گھر چلے

کسی کی چاہ بھی دل میں مرے اے نازنیں نکلی
ترے تیروں نے گھر بھر کی تلاشی لی کہیں نکلی

تمنا کب ترے عشاق کی اے نازنیں نکلی
جلے دل سے جو نکلی بھی تو آہِ آتشیں نکلی

ابھی تیور کڑے کیوں ہیں ابھی کیوں تیغ کیں نکلی
کوئی ارمان نہیں نکلا کوئی حسرت نہیں نکلی

ہٹا کر وہ نگہ پلکوں کا پردہ خشمگیں نکلی
چھری کھینچے ہوئے ظالم الٹ کر آستیں نکلی

تری صورت کچھ ایسی کا کہ قدرت سے حسین نکلی
کہ اسکی ہر ادا سے شان صورت آفرین نکلی

الٰہی قتل پر میرے وہ اتراتے ہیں کیوں اتنا
بدن سے جان نکلی یا وہیں سے آفرین نکلی

دل مجنوں سے نکلی آہ یا بجلی کوئی چمکی
کہ محمل سے تڑپ کر لیلیٰ محمل نشین نکلی

شریک حال عاشق بیکسی میں کون ہوتا ہے
جو نکلی بھی تو کچھ دلسوز آہ آتشیں نکلی

کہا اقرار بھی اس نے تو وہ انکار ہی ٹھہرا
مری قسمت سے اسکی ہاں بھی در پردہ نہیں نکلی

اسی دن کیلئے آنکھوں میں ہمنے تجھ کو پالا تھا
بڑی ہی تو بے مروت اے نگاہ واپسیں نکلی

اڑا کر لیگئی دل اک نگہ میں ساری محفل کے
بڑی ہی شوخ دیدہ تیری چشم شرمگیں نکلی

وفا کی داد دیتے ہیں کبھی شرمیلی ادائیں ہیں
دلہن پردے سے نکلی یا زباں سے آفریں نکلی

پچھے بیٹھے رہے اپنی جگہ سب عشق قاتل سے
نہ دل سے مرحبا نکلی کوئی حسرت کہیں نکلی

ہوا دیدار اس کا خواب میں باتیں تصور میں
کوئی حسرت کہیں نکلی کوئی حسرت کہیں نکلی

رہ گئے ہیں یہاں تو ہو گئی ہلکان جاں اپنی
اور اب تک حسرت وصل آپکے دل سے نہیں نکلی

مرے بالیں پہ ان سا سنگدل بیدرد چیخ اٹھا
عجب حسرت بھری اک آہ وقت واپسیں نکلی

ترے انکار نے اے جان دل کو کردیا چھلنی
انی برچھی کی نکلی جب ترے منہ سے نہیں نکلی

کیا خون اس نے کن کن حسرتوں کا وصل میں آکر
بڑی کٹر بڑی ظالم تری چین جبیں نکلی

ترے انکار کے انداز نے بھی مار ہی ڈالا
ادھر منہ سے نہیں نکلی ادھر جان حزیں نکلی

الٰہی کس شہید ناز نے سر اپنا کٹوایا
کہ ننگے پاؤں فردوس بریں سے حور عیں نکلی

سوال وصل پر انکار میں بھی وہ لجاتے ہیں
جو نکلی بھی تو چھپکر ہاں کے پردے میں نہیں نکلی

عجب لذت بھرے ہاتھوں سے قاتل نے کیا زخمی
کہ منہ سے اُف نکلنے کی جگہ بھی آفریں نکلی

تن بیجاں کو یہ رشک کیا دھر دھر کے پیسا ہے
ستم کرتے ہیں استاد آسماں کی بھی زمیں نکلی

نہ چھوڑا ساتھ ان کا میری تربت پر بھی آتے ہیں
بڑی پابند اپنی وضع کی چین جبیں نکلی

نہ نکلی دل سے باہر وصل میں بھی داد ری حسرت
تری حسرت تو تجھ سے بھی سوا پردہ نشیں نکلی

جنوں اب تک سنا تھا ساتھ چولی اور دامن کا
گریباں کو نکلتے دیکھ کر کیوں آستیں نکلی

غش آیا وصل میں مجھ کو تو بولی نازکی اسکی
کہ لو مجھ سے بھی ان کی ناتوانی ناز میں نکلی

امیر ابھرا جو وہ جوبن ملا دل کا پتہ مجھ کو
یہی دونوں اُچکے جو رستے چوری یہیں نکلی

خبر ہے نعش پہ کس بیوفا کے آنے کی
کہ جان ابھی سے ہو مشتاق جا کے آنے کی

نکالتے ہیں وہ مانگ اور دل یہ کہتا ہے
نکل رہی ہے سڑک یہ بلا کے آنے کی

شگاف سینے میں ہیں پھر ہے کیوں تڑپ یہ دل
دریچیاں جو کھلی ہیں ہوا کے آنے کی

وہ بار بار نگاہیں ادھر جو کرتے ہیں
دکھاتے ہیں مجھے گلیاں قضا کے آنے کی

شب وصال میں اُس شوخ کو پلا کے شراب
میں راہیں روک رہا ہوں حیا کے آنے کی

ہزار برق نے چل پھر کے مشق کی لیکن
ادا نہ آئی ترے مسکرا کے آنے کی

یہ وضع مجھ کو نہیں ہے پسند جاؤ بھی
ادا نکالی ہے تیوری چڑھا کے آنے کی

نہ چوک وقت کو پا کر کہ ہے یہ وہ معشوق
کبھی امید نہیں جس سے جا کے آنے کی

گھٹا میں برق جو چمکی تو یاد آئی امیر
ادا کسی کی وہ پردہ اٹھا کے آنے کی

جو کچھ سوجھتی ہے نئی سوجھتی ہے
میں روتا ہوں اُس کو ہنسی سوجھتی ہے

تمہیں حور اے شیخ جی سوجھتی ہے
مجھے رشک حور اک پری سوجھتی ہے

یہ آتا ہے جی میں کہ کوثر پہ چلیے
خرابات میں دور کی سوجھتی ہے

جفا کو وفا کیوں نہ سمجھوں میں ناصح
محبت میں اچھی بُری سوجھتی ہے

یہاں تو مری جان پر بن رہی ہے
تمہیں جانِ من دل لگی سوجھتی ہے

جو کہتا ہوں اُن سے کہ آنکھیں ملاؤ
وہ کہتے ہیں تم کو یہی سوجھتی ہے

کہا میں نے پاس آؤ تو ہنس کے بولے
اجی آج تو دور کی سوجھتی ہے

دم نزع بھی تکتی ہیں اُسکو آنکھیں
جو کچھ سوجھتی تھی وہی سوجھتی ہے

یہاں تو ہے آنکھوں میں اندھیر دنیا
وہاں اُن کو سرمہ مسی سوجھتی ہے

شب وصل آخر ہے اے دل لپٹ جا
تجھے اب خوشی ناخوشی سوجھتی ہے

جو کی میں نے جوبن کی تعریف بولے
تمہیں اپنے مطلب ہی کی سوجھتی ہے

بُری ہو نہ قسمت الٰہی کسی کی
کہ جو سوجھتی ہے بُری سوجھتی ہے

پڑا ہے یہاں دیدۂ دل کا رونا
تمہیں آئنہ آرسی سوجھتی ہے

گھٹا گھر کے آتی ہے جب فصل گل میں
تو متوالوں کو میکشی سوجھتی ہے

یہاں دل ہے صد چاک لٹتی ہے جی میں
تمہیں کنگھی چوٹی اچھی سوجھتی ہے

کسی زلف سے ہر طرح جا لپٹنا
نہ بگڑی نہ دل کو بنی سوجھتی ہے

بُرا دختِ رز کو کہے کیوں نہ واعظ
بُرے کو بھلی بھی بُری سوجھتی ہے

کمر کی رعایت شب وصل کیسی
کہیں ایسے میں نازکی سوجھتی ہے

امیر ایسے ویسے تو مضموں ہیں لاکھوں
نئی بات کوئی کبھی سوجھتی ہے

الفاروق تصنیفی | سوانح عمری جناب امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ جسمیں جناب کے کل

حالات بڑی شرح و بسط کے ساتھ درج ہیں اور جناب کی شجاعت اور عدل کا سکہ جو کہ دنیا بھر میں جما ہوا ہے وہ کیفیت سے تحریر ہوا ہے بلکہ حضرت امیر المومنین صاحب کے خلافت کے وقت کے پورے پورے حالات جو کہ حضرت علامہ موصوف نے تحریر فرمائے ہیں دیکھنے اور نصیحت تعلق رکھتے ہیں اس کتاب لاجواب کی جتنی بھی تعریف کیجائے کم ہے بہت جلد منگا کر ملاحظہ فرمایئے قیمت صرف - - - - - (عہ)

سیرۃ النعمان | اس میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کی مفصل سوانح عمری درج ہے حصہ

اول و دوم پہلے حصہ میں امام ابوحنیفہؒ کا نام و نسب ولادت سن ابتدا تعلیم و تربیت شیوخ حدیث درس و افتا بقیہ زندگی اور دربار کے تعلقات و وفات علم اخلاق مناظرات فتاوی و ذہانت و حالات تفصیل سے لکھے ہیں دوسرے حصے میں امام صاحب کے اصول و مسائل سے جو علم کلام اور فن حدیث انکا کیا پایہ تھا فن فقہ پر تفصیلی ریویو ہے جسمیں تدوین فقہ کے تاریخی حالات کیساتھ وہ تمام خصوصیتیں تفصیلاً بیان کیگئی ہیں جسکی وجہ سے فقہ حنفی کو اور فقہوں پر ترجیح حاصل ہے خاتمہ میں امام صاحب کے نامور اور مشہور شاگردوں کے مختصر حالات بھی تحریر ہیں قیمت صرف (سہ)

المامون | مصنفہ مولوی شبلی صاحبؒ اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلے میں تمہید ترتیب خلافت

مامون رشید کے حالات تعلیم و تربیت ولیعہدی تخت نشینی خانہ جنگیاں فتوحات ملکی و ملکی کے حالات دوسرے حصہ میں انتظامات کی تفصیل ہے جس سے اس عہد کے ملکی حالات اور مامون رشید کے تمام اخلاق و عادات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ انکا زمانہ کی تفصیل جنکی وجہ سے اسکا عہد گویا شاہان سلف اسلام کی عہد کے تمام حیثیت سے ممتاز تھا قیمت (عہ)

تاریخ خلفاء عرب و اسلام | اس کتاب میں علامہ مصنف نے نہایت محنت سے پیغمبر خدا صلعم سے لے کر

آج تک کے کل سلاطین اسلام کے حالات نہایت تفصیل سے لکھے ہیں ہر ایک بادشاہ کا نام مع تاریخ ولادت و سن جلوس اور سن وفات اور اس کے عہد کے مشہور واقعات فتوحات جنگ وغیرہ درج کئے گئے ہیں اکثر سلاطین کا پورا پورا شجرہ نسب بھی دیا گیا ہے اسکی ابتدا ہندوستان کے ان تمام بادشاہوں کا سلسلہ درج کیا ہے جو بیگم کی بعد دیگری حکومت کرتے چلے آئے ہیں ہر ایک بادشاہ کے زمانہ میں جو جو حصہ کمال گذرے ہیں ان کا نام معہ انکے کمال کے مفصل تحریر کیا ہے اخیر میں کل روئے زمین کا رقبہ بتایا ہے اور اسمیں کتنی آبادی ہے اور کتنا رقبہ سلطانوں کے قبضہ میں ہے اور کتنا دیگر مذاہب کے۔ اور حال کے تمام بادشاہوں کے نام جو اسوقت اپنی اپنی ملک پر قابض ہیں معہ انکے دارالخلافوں کے نام اور انکی آبادی کے لکھے گئے ہیں قیمت مجلد ہے۔ بلا جلد قیمت (عہ)

عقاید اہلسنت والجماعت | مصنفہ امام غزالی علیہ الرحمۃ اہلسنت جماعت کے عقاید پر عجیب و غریب

بحث کی ہے انہیں نہایت مدلل اور عمدہ تشریح کے ساتھ بیان کیا ہے نام کے سنی جنہوں نے عقاید کو کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا۔ یا سنا ہے ضرور مطالعہ کریں قیمت (۴ر)

تمام درخواستیں بنام منشی محمد عبدالعزیز بن حاجی محمود مرحوم تاجر کتب محلہ ساداں والا لاہور آنی چاہیئں

وہ مست ہوں کہ ساغر سے جب بہل گیا
اک بار یا غفور کہا اور چڑھا گیا

بتوں کے ظلم سے بھی اپنا مدعا نکلا
کہ منہ سے شکر زباں سے خدا خدا نکلا

وقت آخر میں نہیں ہے کوئی میرا آسرا
شرمِ عصیاں رہ گیا ہے ایک تیرا آسرا

سوجھا ہے بیخودی میں یہ مضمون دور کا
پردے میں دختِ رز کے ہے جلوہ حضور کا

آنکھیں ملائیں آپ تو کچھ دردِ دل کہوں
پھر دن مزاج ہی نہیں ملتا حضور کا

نہ پوچھ اے محتسب ساغر الٹ دونگا تو کیا ہوگا
بجائے بادہ شیشوں میں لہو تیرا بھرا ہوگا

محشر میں دیر تھی اگر آنے میں یار کے
اے شورِ حشر تو نے مجھے کیوں جگا دیا

تڑپتے ہیں اگر بسمل تجھے کیا
تو اپنا کام کر قاتل تجھے کیا

مسجود وہ صنم ہے ہر رند و پارسا کا
شاید کہ رہ گیا ہو بندہ کوئی خدا کا

منہ پھیر کر چلی تھی خفا ہو کے تیغِ یار
بارے جھپٹ کے میں گلے سے لگا لیا

لگ کے چھاتی سے وہ سوتا تھا کلیجا شاد تھا
کیا وہ دن تھے دل سے پہلو جب مرا آباد تھا

ہو مانا نہیں ہم میں تمہارے قتل کے قابل
مگر للہ کبھی اک کام کر لو گے تو کیا ہوگا

ہے تشنگی وہی غم الفت کی آج تک
سارا لہو نچوڑ کے میں نے پلا دیا

قاصد کو بھیجنے سے اسکی گلی میں حاصل
کیوں خون سر پہ لوں میں اک بندۂ خدا کا

خالی نہ اپنی بزم رہی دور جام سے
رکھا جو اس نے ہاتھ سے ہم نے اٹھا لیا

خواب میں اک ہم خیال اس کا ہوا تھا لب بہ لب
عمر بھر لذت سے اپنے ہونٹھ میں چاٹا کیا

فلک ہم تو تیرا کبھی شکوہ نہ کرتے
مگر تجھ کو ڈھب ہی نہ آیا جفا کا

آتے ہی دم نزع مرے پاس وہ بولے
ہم جانتے ہیں یہ حال تو دیکھا نہیں جاتا

رہ رہ اک کھٹک سی سینے میں ہو رہی ہے
شاید ابھی ہے باقی ٹکڑا کوئی جگر کا

دل تو پہلو سے ہمارے کھو گیا
درد پہلو ہائے تو کیا ہو گیا

کہا دل نے یہ مجھ سے کھینچ کر خنجر وہ جب آیا
تڑپنے تلملانے لوٹنے کا وقت اب آیا

صف محشر میں تیرے کشتوں نے
کچھ سمجھ کر مجھے امام کیا

نہ پھرا نامہ بر وہاں سے امیر
زندگی نے مجھے جواب دیا

روانی سے چلتا نہیں حلق پر
تری چال خنجر بھی چلنے لگا

وصل کی رات بھی پہلو ہی بدلتے گزری
ایک کروٹ دل بے تاب نے سونے نہ دیا

تیرے ابرو کی یاد میں اے بت
ہم نے کعبے کو بھی سلام کیا

انصاف جور یار خدا سے طلب کیا
تم نے بھی اے امیر بڑا ہی غضب کیا

مرا دل دیکھ کر بولی خرابی
یہ ویرانہ کبھی آباد بھی تھا

ہائے قسمت پاؤں اپنے رہ گئے تھک کر امیر
وادی مقصود جب دو چار منزل رہ گیا

ہم جو رخصت ہوئے اس بت سے تو ہنگام وداع
ہنس کے بولا وہ تم جاؤ خدا کو سونپا

خاطر مری صیاد کو ہے سب سے زیادہ
احسان ہے یہ مجھ پر مری بے بال و پری کا

نہ ملا تھا جواب نامہ اگر
آ کے قاصد جواب ہی ہوتا

اس قدر ہے دراز ہجر کی رات
سر تڑپنے سے جی نہیں بھرتا

تم تو دوزخ میں نہ جاؤ گے ہمارے بدلے

واعظو وعظ کی مجلس میں تو تھا میں بدمست

خنجر نے ترے دیا نہ پانی

کیوں نہ کٹتی زبان تری اے شمع

ایدل تو اور چار پہ عاشق ہو تجھ کو کیا

مری صورت جو بدلی فرطِ غم سے

کسی گر تیر اثر کر جائے گا

سوا اسکے کہ کچھ دل کے تڑپنے میں مزا پایا

وہ بولے بزم میں اغیار سے الگ رہنا

کھیل تھا عمر بھر جو دیکھا تھا

کہتا ہے عشق دیکھ کے میرا چراغ داغ

زورِ جنوں سے ضعف میں ارماں نکل گیا

نہ چونکا مرا بختِ خفتہ امید

اللہ رے ترے وصل کی حسرت کہ جہاں میں

میکشوں کا نامۂ اعمال سارا دھو گیا

بادۂ اطہر جسے سمجھے ہوئے ہو زاہدو

بزم میں آکر وہ غیروں پہ ستم کیوں کر گیا

نزع میں ہوں میں کہو ان سے اب آرام کریں

دل مرا ایک قطرۂ خون تھا

ایدل بلا سے جا وہ کبھی آ ہی جائے گا

اسے جذبِ شوق دیکھیں ہے کی خبر

زاہدو ہم جو گنہگار رہیں پھر تم کو کیا

کچھ اگر ہوش میں ہوتا تو تمہاری سنتا

ترسا ترسا کے مار ڈالا

سوزِ دل کیوں زبان پر لایا

میں نے ترے بھلے کو کہا کیا برا کیا

تو وہ بولے کہ اچھا روپ بدلا

تڑپ کر یہ نخچیر مر جائے گا

مرے پہلو میں رہ کر تو نے لے درد اور کیا پایا

کہیں امیر بیٹھا ہو یاں فقیر بنا

زندگی کیا تھی اک تماشا تھا

روشن ہے اس سے نام مرے خاندان کا

اُٹھا نہ ہاتھ بھی کہ گریبان نکل گیا

کھٹکا صورِ محشر زمانہ ہوا

دل کھولکے جوروں سے کبھی لپٹا نہیں جاتا

جو دھواں چھٹی سے اُٹھا ابرِ رحمت ہو گیا

دخترِ رز بھی نوا ی کا نام ہے اک پیار کا

میرے ہوتے غیر بیداد میں کیا مر گیا

دیکھنا تھا تجھے سو ایک نظر دیکھ لیا

نوش جان اس کو ترے غم نے کیا

دو چار بار کہنے میں شرما ہی جائے گا

دیکھو کسی طرح سے وہ دکھانے آتا ہے گا

بیقراری ایک سی دونوں طرف مقتل میں تھی
نالے کرتے ہیں ٹھہرا تو وہ کہنے لگے

قتل کا مژدہ ہی میرا کام آخر کر گیا
اپنے مرنے کا نہیں غم مگر اتنا غم ہے

وہ سرمہ بھری آنکھیں فتنہ ہیں کہ جادو ہیں
ناقوس لیکے جاتے ہو کعبے کو تم امیر

پیئے گا تو بھی تو زاہد وہی جناں میں شراب
فرشتے آکے جہاں میں گنہگار ہوئے

امیر صانع قدرت کا کھیل ہے دنیا
نوجوان لوگ کیا نہیں کرتے

دل خون ہو کے میرا کب چھوٹتا ہے اس سے
خزاں نزدیک ہے اب اور رنگ اے باغباں ہوگا

قاتل اک چٹکی نمک دے ڈال اب
کس کس نے ہم کو روکا اُس در پہ ہم جو پہنچے

شب وعدہ نہ جھپکی آنکھ تاک آرام کب آیا
عاشق ہوئے مگر کچھ اچھا بُرا نہ جانا

خدا سینے بے پڑھے قاصد سنائیں سیکڑوں باتیں
دے جلد جام ساقی ٹوٹے خمار میرا

کب انا الحق جرم تھا منصور کا
پیکاں سے ترے دلکو مرے ہے یہ علاقہ

مردے کا زندہ کرنا کیسا تم آپ مرتے

ہم ادھر تڑپا کیے قاتل اُدھر تڑپا کیا
مر گیا غش کر گیا دیکھو تو چپ کیوں ہو گیا

یہ خبر سنتے ہی میں مارے خوشی کے مر گیا
اے عزیزو ملک الموت نے گھر دیکھ لیا

کتنوں کو لگا رکھا کتنوں کو سلا رکھا
فریاد ان بتوں کی کروگے خدا سے کیا

جو میکشوں نے یہاں پی تو کیا گناہ کیا
کیے گناہ جو ہم نے تو کیا گناہ کیا

بنا بنا کے مٹائی ہیں صورتیں کیا کیا
دل لگایا تو کیا گناہ کیا

جس گل کے ہاتھ آکر رنگ حنا نہ چھوٹا
نہ میں اس باغ میں ہونگا نہ میرا آشیاں ہوگا

زخم کھاتے کھاتے تو جی بھر گیا
لغزش نے پاؤں پکڑے دربان نے ہاتھ پکڑا

یہی کھٹکا رہا شب بھر وہ اب آیا وہ اب آیا
ہم دل لگا تو بیٹھے لیکن لگا نہ جانا

جو پڑھ لیتا کہیں خط تو خدا جانے وہ کیا کہتا
تیار ہے جماعت ہے انتظار میرا

دیکھنے والا تھا کس مغرور کا
جب تیر کھنچا ساتھ کلیجا نکل آیا

مرنے کا کچھ مسیحا تم نے مزا نہ جانا

اُلجھن ہے کب سے مجھ کو نکل بھی چکے کہیں
کمبخت دم تو جان کا جنجال ہو گیا

ناقے کے پاؤں تھک گئے قسمت قیس کی
جب تھوڑی دور نجد کا میدان رہ گیا

دل بوند بھر لہو ہے پر جب یہ مضطرب ہو
اُس وقت رنگ دیکھو اس بوند بھر لہو کا

مست ہیں حلقہ کیے ایک سا ہے سب پہ کرم
دَورِ ساغر ہیں سبو پیرِ مغاں بن بیٹھا

مہمانِ امیر تم ہو ورنہ
وہ خانہ خراب گھر میں ہوتا

اوڑھی جو تھی دولائی چلنا نہ تھا اُبھر کر
جوبن چھپایا تم نے لیکن چھپا نہ جانا

کہتے تھے دل کسی سے لگاؤ نہ اے امیر
دیکھو تو چار روز میں کیا حال ہو گیا

مجھ کو دیکھا تو آئینے نے کہا
ہائے کیا حال ہو گیا تیرا

سنا ہے کل کہیں مسجد میں وہ بت آ گیا تھا
نماز ہو نہ سکی اس قدر ہجوم ہوا

قتل سے ہم رہے محروم گری ہاتھ سے تیغ
ہائے اس آنکھ سے جلاد کو کیوں دیکھا تھا

اُٹھتا نہیں ہے شور جو بازار میں کہیں
کیا آج امیر مست سے اُٹھا نہیں گیا

ق

تو مجھ سے نہ مل خیر مجھے کچھ نہیں پروا
ڈھب تیرے جلانے کا یہ اے یار کرونگا

تصویر تری لا کے میں اب سامنے تیرے
چھاتی سے لگاؤنگا اُسے پیار کرونگا

نالے بھی سماتے نہیں اس چرخ کے نیچے
کیا تنگ ہے اللہ مصیبت کدہ اپنا

قیامت کا اگر ڈر ہے تو یہ ہے
کہے ہے ہم کو پھر جینا پڑیگا

بولے وہ گلی میں اپنی مجھ سے
او خانہ خراب اپنے گھر جا

ملک دیتا تھا فلک جاگیر میں ہم نے مگر
مختصر سا ایک تختہ بہرِ مدفن لے لیا

رُخ جو قاتل ادھر نہیں کرتا
ہائے دل بھی جگر نہیں کرتا

ذکرِ شبِ فراق میں کہتا ہے دل مرا
لو میرے آگے نام نہ اُس روسیاہ کا

اُس بتِ تند خو کو رام کیا
آفریں اے امیر کام کیا

سوال خون کا اپنے کریں گے تجھ سے ہم
جوابِ غمزۂ حاضر جواب کیا دے گا

اظہار حال حشر کے دن کچھ نہ ہو سکا

بہت غم نہ کھا عشق کا اے امیر

تیری لکنت پر فدا سو جان سے دل ہو گیا

وہ آئے کھینچ کے تلوار سب کو شاد کیا

کھل گیا زاہد کہ مستوں پر خدا کا رحم ہے

غم اس کا حسرتوں سے پوچھتا ہے میرے سینے میں

دفا تو یار نہیں چاہتا ہوں میں تجھ سے

مجھ سے ہو سکتا کہ دیتا بازوئے قاتل کو رنج

یار آیا ہے مرے سر وسے پر

ڈوب کر خوب خون چھکال نکلا

کل ذرا چپ سے پاس آ کے جو بیٹھا ناصح

مدت ہوئی کہ غم سے خون ہو کے بہ گیا دل

حضرت عیسیٰ ابھی کیا دیکھتے ہو میری نبض

کچھ آج نہیں رنگ یہ افسردہ دلی کا

سنوارا ہے اگر اس کو لحاظ اتنا بھی تو رکھنا

دلبری سے کام ہے ہم کو دل آزاری سے کیا

شمع کی طرح جلا بھی ہوں بجھنا بھی لیکن

بیقراری نے بدلوائی تو کروٹ یار لی

میں دل لگا کے تو سنتا ہوں کیا کریں ناصح

ٹوٹ کر کس کان سے موتی کا دانا گر پڑا

ضعف دل نے اثر یہ دکھلایا

قصہ مرا طویل زمانہ قلیل تھا

تجھے کوئی آزار ہو جائے گا

تو نے آدھی بات کی میں نیم بسمل ہو گیا

امیر آج بہت ہم نے تم کو یاد کیا

ابر جب قبلے سے اٹھا میکدے پر چھا گیا

کہاں ہے وہ جو دل نام اک یہاں بیمار رہتا تھا

جفا میں نہ تو کسی کو شریک کر میرا

وہاں ہوئی ابرو کو جنبش یہاں بدن پر سر کٹا

ہائے اس وقت میں زندہ نہ ہوا

تیر دل کا مزا جب دال نکلا

میں یہ سمجھا کہ میں کمبخت اسے دیکھ آیا

صدقے کیا تھا صاحب تم سے عزیز کرتا

پہلے اس کو دیکھ آؤ پھر مجھے تم دیکھنا

مدت سے یہ حال ہے یارو مرے جی کا

اب لے مشاطہ آئینہ نہ اسکے روبرو رکھنا

یار کی یاری سے مطلب اسکی عیاری سے کیا

عمر بھر رشتہ الفت مری گردن میں رہا

درد دل نے جو بلا کی تو میں بستر سے اٹھا

ترا کلام ابھی دل میں اثر نہیں کرتا

ڈھونڈتے ڈھونڈتے آنکھوں سے جو سارا زمانہ گر پڑا

درد سے ... اٹھا نہیں جاتا

آوارہ پھر رہا ہے محبّت کی راہ میں
چکّر لگا رہی ہے جو بجلی چمن کے گرد
ہزاروں اُس سے سوا ہے نشان ہیں لیکن
لاکھوں اُس لیلیٰ کے دیوانے تھے ان میں عشق نے
بہا خون ہوکر جو ٹھوکر سے بولے
ہم مر گئے تو واہ ری بدنامیوں کا پاس
دیکھ کر عکس آئینے میں کہا
باڑھ رکھی ہے اُس نے خنجر پر
دل میں ہیں حضور وہاں غم کا کام کیا
جو ہے مقام جس کا زیبا وہی ہے اُسکو
بولے وہ سنکے رات کو میری صدا امیر
یوں ترے در پہ کیوں پڑے رہتے
تو ہی بتا ٹھکانا اے باغباں ہمارا
تپ غم ہو لی تو کبھی معشوق ہم کو
روز محشر سے ڈرایا ایک دن جیتے نہیں
پڑ گیا ہے کوئی نادر جگہ میں شاید
پہلے تو کوچے یار میں تنہا امیر تھا
بتکدے یار ہیں اب صنم خوشنما بس
چھو گئی ہو جہاں تہمت کی
قتل موذی کا تو مشہور ہے در سنت
زلف و رخ دونوں نے مجھ پہ ستم ایجاد کیا

اک دل دیا تھا ہمکو خدا نے سو یوں گیا
تہِ نظر ہوا ہے مرا آشیانہ کیا
نکل گیا ہے زمانے میں نام عنقا کا
ایک مشتِ استخوان کا نام مجنوں رکھدیا
مصیبت کا مارا یہ دل تھا کسی کا
مٹوا دیا نشان ہمارے مزار کا
یہ تو کچھ صورت آشنا نکلا
ہائے اس وقت مجھ میں دم نہ ہوا
ہو جس جگہ سرور وہاں غم کا کام کیا
سینے میں داغ بہتر پہلو میں درد اچھا
پوچھو تو کوئی نام ہے کیا اس فقیر کا
ہم غریبوں کا گھر اگر ہوتا
کس شاخ پر چمن میں تھا آشیاں ہمارا
تری گرمیوں نے ہمیں مار ڈالا
ہنسکے بولے وہ بھی اک فتنہ ہے اپنی چال کا
کہ مری آنکھ سے کل شب کو لہو پھر آیا
نکلا جو گھر سے یار تو ہم غضب تھا
گھر تو اُن کا خدا کی نذر ہوا
رنگ پھرتے منہ شہابی چڑھتا
ناصح اب تک کیوں سلامت رہ گیا
اپنے دیوانے کیا اُس نے پریشاں کیا

کھٹکتے ہیں جو رہ کر ترے تلووں میں اے رہرو
جو میرے قتل کو تلوار لے کے یار آیا
شوق سے میں نے جو خنجر کے تلے سر رکھدیا
داغ نے پھونکا ہمارے خانۂ دل کو امیر
یارب شبِ فرقت بھی ہوئی ہے کہیں آخر
بازو پہ رکھ کے سر جو وہ کل ساتھ سو گیا
گل خود تھے بے ثبات گلستانِ دہر میں
ضبط کرتے ہی اثر نالوں کا ظاہر ہو گیا
تم جو پہلو سے اُٹھے دل سے نہ صدمہ اُٹھا
وحشت کا سلسلہ نہ گیا ہاتھ سے کبھی
گلگشت کی نہ دے مجھے تکلیف ہمصفیر
تھمے اشک حسرت جہاں ہجر میں
نہیں تو نے دیکھا ہے اُس بت کو زاہد
دلمیں مضمون تھا جو اُس شوخ کے ظاہر نہ ہُوا
کچھ اس ادا سے مارا مجھ کشتۂ ادا کو
عشق نے روز دکھایا تھا امیر
چپکا بیٹھا ہُوا تا صبح کی میں باتیں سُنتا
بڑھا مستِ شرابِ شوق ہو کر وصل شب میں
مر کے اس شوخ سے وصال رہا
کرتے تو کب قتل مجھے یار نہ لیکن
ایسے کا کیا کرے کوئی دربار اے امیر

عوض لیتے ہیں کانٹے تجھ سے اپنی پائمالی کا
لپٹ گیا مجھے بے اختیار پیار آیا
چھیڑنے کو ہاتھ سے قاتل نے خنجر رکھدیا
ایک چنگاری نے سارا گھر جلا کر رکھ دیا
اس شام نے بھی منہ کبھی دیکھا ہے سحر کا
آرام یہ ملا کہ مرا ہاتھ سو گیا
گلچیں غریب مفت میں بدنام ہو گیا
بول اُٹھے گھبرا کے ہے ہے لو وہ آخر ہو گیا
درد پہلو میں یہ اُٹھا کہ میں چلا اُٹھا
دامن سے ہاتھ اُٹھا تو گریباں میں جا پڑا
کیا دل گرفتگی میں مزہ سیر باغ کا
وہیں خشک میرا لہو ہو گیا
یہ ایمان ہرگز سلامت نہ رہتا
رہ گئی مجھ کو یہ حسرت کہ وہ شاعر نہ ہُوا
مقتل میں ہر طرف تھا اک شور آفریں کا
کوہکن کو ہنسی کیا کرتا
پر ترا ذکر تھا اے یار میں کچھ کہہ نہ سکا
تو وہ بولے یہ ہو آج تم مجھ سے الگ رہنا
خواب میں بھی وہی خیال رہا
رو رو کے مرے خون کو تلوار سے دھویا
دو دن جہاں سلام کیا وہ بگڑ گیا

چلے جو آگے بتانے تری گلی کی راہ
زیرِ شمشیر بھی نظارۂ قاتل نہ ہوا
کھینچتا ہوں میں تصور میں اگر ہاتھ اُن کا
امتحان گاہِ محبت میں تھے سب ثابت مگر
ذرا چشمِ تر کو اشارہ کیا
شکوہ زباں پہ آ نہ سکا رنجِ ہجر کا
جنت کا نہ میں خواہاں حور کا نہ میں طالب
پٹ کی اوجھل سے قیامت کے اشارے کرنا
سمجھے کہ عرضِ حال کریگا ضرور امیر
ازل کے دن کوئی نادان تھا نہ دانا تھا
باغباں کہتا ہے سُن سُن کر فغانِ عندلیب
باغبان بیداد گر گل بیوفا گلچیں رقیب
بندھ گئی اُس گل کی یہ نازک مزاجی کی ہوا
گاؤں سے لگی سارے گلشن میں آگ
میرے حق میں ہر طرح ہے یار کی چتون غضب
دیکھ سکتا ہوں نہ میں انکو نہ وہ مجھ کو امیر
شمع پر گذری ہے جو شب تا سحر
دم بھر ٹھہر میں ہاتھوں سے دلکو سنبھال لوں
ہنسکے رونے پر مرے کیسا کیا تجھ کو خجل
اب یہ عالم ضعف کا ہے بیٹھ روتا ہوں امیر
لیلیٔ تہمار وصل دکھاتا ہے تو دن سے

میں آج خضرؑ سے بھی سخت بدگمان ہوا
خوب اے حسرتِ دیدار مرا ساتھ دیا
کھنچکے کہتے ہیں کہ ہے ہے مرا پہنچا ٹوٹا
دو قدم جو بڑھ گیا میدان اُسکے ہاتھ تھا
کہ دریا نے ہم سے کنارہ کیا
اک بوسہ دیکے اُس نے مرے منہ کو سی دیا
بوسادہ قد ہوتا چھوٹا سا مکان ہوتا
ٹھہرے بیٹھ کے کھڑکی سے نظارے کرنا
دربار اُسکے آتے ہی برخاست کر دیا
فقط امیر عنایت کا کارخانہ تھا
پھونک مارے لے آتشِ گل آشیانِ عندلیب
یارب اپنا دردِ دل کسکو سنائے عندلیب
پھر گئی منقار تک آکر صدائے عندلیب
الٰہی کہاں جائے بلبل غریب
قہر کی چتون ہے آفت پیار کی چتون غضب
گھر کے اندر ہیں وہ بیتاب میں باہر بیتاب
مختصر سی ہے ہماری سرگذشت
بیدرد میرے سینے سے پیکاں ابھی نہ کھینچ
بہ گیا میں پانی پانی ہوکے آنسو کی طرح
ساتھ پھر آنسو کے گرپڑتا ہوں آنسو کی طرح
کیسی یہ آسمان نے لگائی ہے شام صبح

ہماری راے میں بہتر ہے میکشی کو صباح
اب آ گئے قاضی و مفتی و محتسب کی صلاح

دعوی ہے گو کہ بیگنہی کا اسیر کو
بیٹھا ہے تیرے آگے گنہگار کی طرح

نہیں ہیں پتلیاں آنکھوں میں اُس کی
یہ در پردہ ہیں دو فتنے نظر بند

بوسہ اُس لب کا ملا پائی مراد
منہ کی مانگی آج ہاتھ آئی مراد

کہتے ہیں کشتۂ رفتار سے وہ ٹھکرا کر
کھولدے آنکھ اگر ہے مری رفتار پسند

تجھ کو بھیجا تھا کس لئے قاصد
بات کا تو جواب دے قاصد

کرتے ہیں ڈرتے ڈرتے اُدھر اک نگاہِ شوق
جب خوب دیکھ لیتے ہیں پہلے ادھر اُدھر

کچھ ایسی بے خبری چھا گئی ہے الفت میں
نہ دل کو میری خبر ہے نہ مجھ کو دل کی خبر

ہیں قریبِ صحنِ گلشن ہم اسیروں کی قفس
دیکھ لیتے ہیں کبھی پھولوں کا جوبن جھانک کر

آئے بہت جو یاد ہمیں مرگ میرے داغ
وہ پھول اُٹھا کے پھینکا ہے میری گور پر

آیا جو یاد سونا اُس سے چمٹ چمٹ کر
تکیوں سے شب میں رویا کیسا لپٹ لپٹ کر

آنکھیں تو میری ملتے ہو ایجان پاؤں سے
نرگس کو احتیاط سے رکھتے ہو طاق پر

اسطرف ہم اُسطرف دل بیچ میں ہے چشم تر
ہم سمندر کے اِدھر ہیں دل سمندر کے اُدھر

سمجھے جو اُسکو سایۂ دیوار یار ہم
اُٹھا گیا نہ سایۂ طوبےٰ میں بیٹھ کر

ناتوانی نے زور کام کیا
چڑھ گئے یار کی نگاہوں پر

میں وہ گل ہوں اس چمن میں باغباں
پھینکدے گلچیں ابھی جس کو توڑ کر

مشکل سے ذبح ہوگا بڑا سخت جان ہوں میں
کرتا ہے مجھ کو ذبح تو تلوار تیز کر

عقل کہتی ہے کہ وہ وحشی ہے پہلے رام کر
شوق کہتا ہے ابھی سے وصل کا پیغام کر

قتل کر پر اک ذرا اے تیغ یار
آشنا نا آشنا پہچان کر

دھوم کرنا ہے جو اے وحشت تو خاطر خواہ کر
شہر گردی کب تلک صحرا سے بھی کچھ راہ کر

عشق کے ذم سے معشوق کو ہونا ہے گریز
جی میں ہے آج سے عاشق ہوں شب فرقت

ذرا نظارۂ گل بلبلِ بے بال و پر کرلے
گھر بیٹھے ہی رقیب کو مجھ سا سمجھ لیا
نرغہ ہے حسرتوں کا دلِ داغ داغ پر
گرتی نہیں ہے اوس یہ آنسو ہیں لے فلک
جانے دے اُس بُت کو ضبطِ نالہ و فریاد کر
بیڑیں پڑ جائے تا آنکھ اُس رُخِ پُر نور پر
تو آسمان توڑ چکا اب بہت نہ بڑھ
مسافر سے جھگڑتے ہیں فرشتوں سے خدا سمجھے
جان اگر دیتی نہیں ہے ساقیِ گلفام پر
صیاد یہ ستم تو برائے خدا ہم نہ کر
سوتی جو بن پہ ہے عاشق کوئی اسکی گات پر
بس مردن یہ بخشا ہم کو ترسہ بیقراری نے
اے یار بات بات پہ ہوتا ہے اب بگاڑ
کیوں نہ ہو دریا کے پانی میں یہ توڑ
فصلِ گل آگئی شاید کہ صبا گلشن سے
نکلے اب کوئی تو راہِ پرورش
اب کہاں وہ شعر بھی یاد اے امیر
بکھر گستاخی پروانہ شرماتی ہے شمع
بلس ہیں بیان سوزِ دل کا
دلے وحشتِ دل دونوں ہم بگڑ گئے ہیں
سا قطرہ خون ہے دل پر وہ قطرہ ہے امیر

بیٹھا دے ایکبار صبا دل سے دیوارِ گلشن پر
باہر تو گھر سے آ کبھی تلوار کھینچ کر
گرتے ہیں جس طرح سے پتنگے چراغ پر
روتی ہے رات بھی مرے بختِ سیاہ پر
اتنی بے صبری نہ کر اے دل خدا کو یاد کر
چڑھ کے بیٹھے ہیں کلیم اللہ کوہ طور پر
اے نالہ آگے جائے ادب ہے خدا سے ڈر
گھڑی بھر چپ پڑا رہنے نہیں دیتے ہیں منزل پر
کیوں لہو روتی ہے منہ رکھ کر صراحی جام پر
بے بال و پر ہوں میں ابھی مجھ کو رہا نہ کر
کچھ نہیں کھلتا کہ ہم دیوانے ہیں کس بات پر
چھپے ہم خاک کے نیچے گئے افلاک کے اوپر
غصہ ہے قہر غمزہ ہے آفت غضب بگاڑ
ہے مرے ہی آنسوؤں کا تو نچوڑ
برگِ گل لیکے چلے مرغِ گرفتار کے پاس
بندہ پرور اک نگاہِ پرورش
تھے کبھی دیوان کے دیوان حفظ
تھوڑی تھوڑی کیسی محفل میں ہوئی جاتی ہے شمع
جلجائے تری زبان اے شمع
چھٹے جب ہم گریباں چاک پہنچے انکے دامن تک
غوطے کھاتے پھرتے ہیں جیحوں دو عالم آج تک

اے غم تری اب خوشی کہاں تک
کمبخت لہو تو ہوگیا دل

دیکھ کر تیغ مجھے غش نہیں آیا قاتل
سجدۂ شکر کو سر میں نے جھکایا قاتل

سارا ہے چمن مکانِ بلبل
ہر شاخ ہے آشیانِ بلبل

قفس میں آج بہت بیچو اس ہے بلبل
گلوں کی خبر ہو یا رب اداس ہے بلبل

استخوان پہلو کے میرے سونگھ کر بولا ہما
کس طرح کھاؤں انہیں آتی ہے ان سے بوئے دل

روتے ہیں صیاد گلچیں ہے خزاں سارا چمن
اک طرف ہے ہائے بلبل اک طرف ہے ہائے گل

بگڑا ہوا گلوں کو چھپاتا ہے رنگِ دل
غنچے کی طرح باغ میں ہوتا ہے تنگ دل

محفوظ کوئی سختی ایّام سے نہیں
عشاق سخت جان ہیں تو معشوق سنگدل

جلد کیسے گذر گئی شبِ وصل
ادھر آئی ادھر گئی شبِ وصل

مستی میں بہک کے کیسے پہنچے
جانا تھا کدھر کدھر گئے ہم

یہاں خمارِ محبّت وہاں ہے نشۂ حسن
نہ اختیار میں تم ہو نہ اختیار میں ہم

چھپ گئے پہلے تو مجھ کو دیکھ کر
پھر کہا لو کس سے شرماتے ہیں ہم

ہے یہ کس چشم سیہ کا دور دور
مرے کی صورت پسے جاتے ہیں ہم

پہنچے سب منزل پہ جتنے تھے ہمارے ہمنفس
المدد اے تیز رفتاری رہے جاتے ہیں ہم

تردستی مژگانِ ستم کیش تو دیکھو
ہر ہاتھ میں سو وار ہیں ہر وار میں سو زخم

رات دن رونا تڑپنا تلملانا پیٹنا
ہیں تو ہم ناکام پر رہتا ہے کاموں کا ہجوم

بہار آئی جنوں کیا میں جاؤں گلشن میں
نہ تار میرے گریباں میں ہے نہ دامن میں

تجھ سا دیکھا نہیں جواں کوئی
اچھے اچھے جواں دیکھے ہیں

مر کے بھی یار کا دم بھرتے ہیں
زندۂ عشق کہاں مرتے ہیں

جان من دل کے لینے کی راہیں اور ہیں
جن کو آنکھیں ڈھونڈھتی ہیں وہ نگاہیں اور ہیں

کیا ہے میں نے جب اظہارِ شوقِ گل اسیری میں
مرے صیاد نے بیر پر و نکے پھول کترے ہیں

دل ویران مرا آباد رہے
ایسے ویرانے کہاں ہوتے ہیں

اتنا متاعِ جان پہ تفاخر نہ چاہیئے
اے دل یہ جنس کونسی بازار میں نہیں

ہمیں لیگئی بیخودی دور امیر
خدا ہی ملائے تو اب ہم ملیں

سگ تو ہمارے کیا ہے کرم تو عذر ہے کیا
جلی بھنی ہوئی ہیں ہڈیاں سو حاضر ہیں

خدا دراز کرے عمرِ برق اسے گلچیں
چراغ آکے جلاتی ہے آشیانوں میں

شیخ جی مرگئے ہیں اُن کے مرید
حبسِ دم کا گمان کرتے ہیں

اوّلِ عشق ہیں بس رونے لگے تم تو امیر
نہ ابھی نالے کیئے تم نے نہ آہیں کھینچیں

مفر نہیں ہے لحد میں بھی وحشت دل سے
ہم اب یہاں سے الٰہی کہاں نکل جائیں

تجھے کیا ہم جو وصفِ ساقیِ گلفام کرتے ہیں
تو اپنا کام کر واعظ ہم اپنا وعظ کرتے ہیں

وصل کو ان سے جو کہیے تو کریں وعدہ حشر
کیجیئے قتل کی خواہش تو ابھی حاضر ہیں

پاس اخفائے محبت ہے یہانتک کہ امیر
دل کبھی میرا مری حالت سے خبردار نہیں

ہزار طرح کے ہوتے ہیں وہم ہم کو امیر
کسی کی آنکھ جہاں ہم پُر آب دیکھتے ہیں

یار کے اُٹھتے ہی برہم ہو گیا سامانِ عیش
مے کہیں مینا کہیں ساقی کہیں ساغر کہیں

امیر دیر و حرم سے الگ جو جاتے ہیں
وہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا بناتے ہیں

وفا کا وعدہ وفا ہو یہ غیر ممکن ہے
جفا کا وعدہ تو اب تک وفا ہوا ہی نہیں

بلبل آواز اسیران قفس کو نہ سنا
صحبتیں اگلی چمن کی انہیں یاد آتی ہیں

عجب دریائے حیرت میں پڑا ہوں
میں کس نا آشنا کا آشنا ہوں

ہو کے خوش نالۂ بلبل پہ جو گل ہنستے ہیں
وہ تری پیار کی باتیں مجھے یاد آتی ہیں

نہیں پروا کسی کو کارواں ہیں
الٰہی کس میں فریاد درا ہوں

اس کوچے میں جب ٹھوکریں کھاتا میں ہوں
لغزش سے گرا ہوں طپش دل سے اٹھا ہوں

زاہد و غافل نہیں اُس سے صنم
بن گئے ہیں بت خدا کی یاد میں

سنتی نہیں ہائے عمرِ رفتہ
راحت کو ڈھونڈھتا ہے عبث تو جہان میں
دینی نہ تھی کسی کو جو اسے آفریدگار
مرا خط اُس نے پڑھا پڑھ کے نامہ بر سے کہا
کبھی ہم تک نہیں آئیں جو دل کا حال دکھلائیں
پھولوں سے کہہ صبا یہ خوشی کی جگہ نہیں
اُس خرابے میں ہم پڑے ہیں امیر
اے صبا جا کے اسیرانِ قفس سے کہہ دے
اتنی فرصت ہمیں دے اے کششِ دستِ جنوں
نامہرباں ہے یار تو اُس کا نہیں قصور
ہجر میں اظہار تنہائی کا کرتا ہوں جو میں
ادبِ عشق سُنتا مجھ کو جو مرضی ہو تری
تنہائی میں نہ رونے نہ گانے کا لطف ہے
صورت کو اُس کی دیکھ کے سمجھے ہو تم غریب
ڈراؤں حشر کی فریاد سے تو کہتے ہیں
اپنے گھر بیٹھے وہ آرام سے کرتے ہیں بسر
غم نہ اُس کا جائے دل سے خوش ہوں میں
کوٹھے سے اُتر کر پہنچے بھی اپنے گھر میں
نگاہیں حیا سے کہاں پھر چلیں
گھر میں اللہ کے واعظ ہیں تو یہ کچھ ہے کلام
پڑ گیا پھول کوئی آتشِ گل کا شاید

اِک عمر سے ہم پکارتے ہیں
اِس کا زمیں میں ہے نہ پتا آسماں میں
پیدا ہی کیوں کیا تھا خوشی کو جہان میں
یہی جواب ہے اس کا کہ کچھ جواب نہیں
وہ نظریں سیر کرتی پھرتی ہیں مژگاں کے سائے میں
رونے کا ہے مقام ہنسی کی جگہ نہیں
کہ جہاں خاک بھی نہیں کو سول
موسمِ گل ہے اب آ کر چمن آباد کریں
تھم کے دو چار گھڑی خاطرِ صیاد کریں
یہ مہربانیاں بھی کسی مہرباں کی ہیں
حسرتِ دیدار کہتی ہے کہ میں تو ساتھ ہوں
خواب میں بھی میں اُسے پیار کروں یا نہ کروں
اک تان تم اُڑاؤ تو اک نالہ ہم کریں
تم سے کبھی امیر سے باتیں نہیں ہوئیں
ہمارے آگے تمہاری وہاں سنے گا کون
دیکھ کر حال مرا ضبط کریں تو جانوں
دل کے جانے کا مجھے کچھ غم نہیں
آنکھیں ہماری اب تک چھت سے لگی ہوئی ہیں
ادھر دیکھیے پتلیاں پھر چلیں
میکدے میں ابھی آئیں تو ہماری سی کہیں
آشیانے جو عنادل کے پڑے پھنکتے ہیں

گھات میں محتسب کو رہنے دو
نہ عارض نہ زلفِ دوتا دیکھتے ہیں
کیا پھر تو نے اُس کا نام اے دل
کسی کا دل ہے مکدر ضرور مجھ سے امیر
اے صنم اب ترا خدا حافظ
امیر مرنے کو آسان نہ ہجرِ یار میں جان
تو ادب سے جسے کہتا ہے صمد اے زاہد
آتے ہیں جانبِ زنداں جو وہ مر لیتے ہیں
لگا کر تجھ سے دل حاصل ہوا یہ اے وفا دشمن
اشک سے جیب دیکھیے معمور ہیں
مانگتا ہوں خدا سے روز شراب
کنا تے جانتے ہیں آپ کی گھاتیں سمجھتے ہیں
لذت جو خامشی میں ہے کیونکر عیاں کروں
برچھیاں جب اُدھر سے چلتی ہیں
یہ تیلیاں نہیں ہیں لوہے کی ہمصفیرو
کرتے ہیں بندگی پیرِ مغاں
وہ بت آئیگا تو بت بنجائیگا واعظ بھی
ایک بھی مانتا نہیں وہ بت
نہ تڑپوں جو فرقت میں تو کیا کروں
کوئی مجھ کو لیے جاتا ہے کہیں
راہ صحرا کی جو ہم لیتے ہیں

مست بھی ہوشیار رہتے ہیں
خدا جانے ہم تجھ میں کیا دیکھتے ہیں
ارے ظالم ابھی سمجھا چکا ہوں
کہ اک غبار سا رہتا ہے میری آنکھوں میں
ہم تو کعبے کی راہ لیتے ہیں
اٹک اٹک کے نکلتی ہے انتظار میں جان
اس کو پیار سے ہم لوگ صنم کہتے ہیں
اچھی آپ اپنے اسیروں کی خبر لیتے ہیں
زمانے بھر کا میں دشمن زمانہ بھر مرا دشمن
دونوں آنکھیں ہیں کہ دو ناسور ہیں
میں بھی کیا رندِ پاک طینت ہوں
زمانہ ہم نے دیکھا ہے یہ سب باتیں سمجھتے ہیں
قابل بیاں کے جو نہ ہو کیا بیان کروں
دل کی کیا حسرتیں نکلتی ہیں
چھُریاں لگی ہوئی ہیں چار و نطرف قفس میں
مغبچے کیا جوانِ صالح ہیں
حاکموں کے سامنے چلتی ہیں تقریریں کہیں
ہم خوشامد ہزار کرتے ہیں
کہ بے شغل رہنے کی عادت نہیں
نہیں معلوم کہاں جاتا ہوں
جتلنے کانٹے ہیں قدم لیتے ہیں

ڈوبنے لگتا جو میں دریا میں ہوں ناتواں
جب میں کہتا ہوں کہ ساحل تک مجھے پہنچا دے کوئی
ہم کو فردائے حشر کا کیا غم
پکاروں کیسے کارواں میں امید
ہو کوئی گاہک تو سودے کا امیر
ہنس تو پڑتے ہیں مرے رونے پر
ایسی راحت ملی قناعت میں
میں کہتا نہیں منہ سے کچھ مر رہا ہوں
مزہ ملا مجھے یہ دل کی بیقراری میں
کرتے ہیں جو لوگ ذکر اُن کا
دم لے نہ ابھی پوچھ مرے درد کو ہمدم
ان حسینوں کی ہے عجب سرکار
کریں نہ قتل وہ عشق و ہوس کو جان تو لیں
نفرت ہے روک ٹوک سے اپنی سرشت میں
پاؤں اُس کے نہیں دباتے ہیں
اس سحر رشک اس سحر دونوں خدا کے نیا ہیں
مرے گھر خواب میں آئے تھے اک دن
لیا ہے غیر نے بوسہ اُسی کو گالی دو
نالہ اگر کرے تو سمجھ بوجھ کر کرے
میں خدا کے سامنے کہہ دونگا زاہد تو تو کیا
رات دن غم پہ غم گزرتے ہیں

چھوٹی چھوٹی کشتیاں ریلے کی موجیں ڈوبتیں
خضر کہتے ہیں کہ اس دریا کا ساحل ہی نہیں
کہ شبِ ہجر کی سحر ہی نہیں
جرس بھی تو آواز دیتا نہیں
کون سے بازار میں سودا نہیں
شاکر ہے گریہ بے اثر تو نہیں
سو گئے پاؤں کنج عزلت میں
غم عشق تیری خوشی کر رہا ہوں
کہ بھر رہا ہوں نمک اپنے زخم کاری میں
ایک ایک کا منہ میں دیکھتا ہوں
رونے سے جو دل ٹھہرے تو کچھ بات کروں میں
پاؤں چھونے پہ ہاتھ کٹتے ہیں
کمر سے کھینچ کے شمشیر امتحان تو لیں
رضوان کو دیکھ کر نہ گئے ہم بہشت میں
اُس پہ اپنا دباؤ ڈالتے ہیں
راہنما رہزن تمہاری راہ میں سب ایک ہیں
اِدھر منہ کر کے اب سوتے نہیں ہیں
خفا ہو مجھ سے نہ لینے میں ہیں نہ دینے میں
بلبل سے کہہ دے کوئی کہ ہم بھی چمن میں ہیں
پارسا بُت دوسرا ساری خدائی میں نہیں
ہم تو اس زندگی پہ مرتے ہیں

میکدے میں کہیں پڑے ہوں گے
صیاد سے چھری کے تلے عندلیب نے
عاشق ڈرائیں گے اُسے کہہ کر یہ حشر میں
محتسب جام سے تو ٹوٹے ہیں
ہمارے سامنے بڑھ بڑھ کے بولتا ہے بہت
دیکھ سن لغزشیں نہ کھانا واعظو
امیر وادی غربت میں تاکجا گردش
لیں بلائیں جو وصل میں تو کہا
اے چرخ یہ اپنے حوصلے ہیں
تڑپا میں بہت تو ضعف بولا
کشتہ اک پردہ نشیں کا ہوں فرشتو نسی کہو
عکس اپنا آئینے میں دیکھ کر کہتا ہے یار
کس کے غم میں اجل آئی کہ مرے ماتم میں
بخت تنگی میں دہن کے کیوں ہو کچھ حاصل نہیں
دعائیں میں نے ان کو دیں تو بولے
کیا تڑپ کر لوٹ کر اوقات کاٹی ہجر میں
آمد ہے فصلِ گل کی جلدی امیر دھیرو
بے تکلف ہو تو ہم شعر و سخن پر غش ہیں
تڑپے کس طرح یادِ قاتل میں
کیونکر نہ تری گلی سے میں قاتل ابھی اٹھوں
محشر میں بھی دیوانوں کو پوچھا کسی نے

شب جمعہ ہے آج امیر کہاں
حسرت سے یہ کہا کہ غریب الوطن ہیں ہم
کیوں اے صنم خدا سے ترا اب گلہ کریں
میکشوں کے نصیب پھوٹے ہیں
ملے وہ اب کے تو ناصح کو سامنے کر دیں
پی کے ہم آئے ہیں بزم وعظ میں
بہت سفر میں رہے اب چلو وطن دیکھیں
بس انہیں باتوں سے میں چڑھتا ہوں
اک دل ہے ہزار آبلے ہیں
اللہ اب تک یہ حوصلے ہیں
میرے تابوت سے دو چار قدم دور رہیں
دیکھنے والوں سے خلوت میں بھی کھٹکا رہا نہیں
بال کھولے ہوئے فردوس سے حوریں آئیں
کس کے منہ لگتے ہو تم غنچہ تو اس قابل نہیں
ابھی یہ گالیاں کس پر پڑیں تھیں
کروٹیں لے لیکے ہمنے رات کاٹی ہجر میں
ٹانکے جو چاک دل میں دو چار رکھے ہیں
کوئی معشوق ہو بے ساختہ پن پر غش ہیں
جان بھی ہے کہیں مرے دل میں
مٹی میں مل تو لوں میں لہو میں نہا تو لوں
آگے کی خدا جانے ابھی تک تو بچے ہیں

سراپا آرزو ہوں کیا نہ مانگوں اور کیا مانگوں
خدا سے گر دعا مانگوں دلِ بے مدعا مانگوں

فصلِ بہار آئی گلشن مہک رہے ہیں
ہر شاخِ گل پہ کیا کیا بلبل چہک رہے ہیں

دشمن ہیں بات بات میں وہ بدگمان ہیں
ظاہر میں دیکھیے تو بڑے مہربان ہیں

باوفا بیوفا سب زیرِ خنجر ہیں وہاں
آشنا نا آشنا دونوں برابر ہیں وہاں

دو باتیں ہیں دن ہو رہیں دونوں کے مقرر
تم آؤ گے کس دن مجھے بلواؤ گے کس دن

دیکھا ہے کسے راہ میں ہم نے کہ نہیں ہوش
گھبرائے ہوئے پھرتے ہیں گھر بھول گئے ہیں

ساقی ہیں تیری نرگسِ میگوں کا مست ہوں
توبہ کا نام لیں مرے دشمن بہار میں

سخت جان مجھ کو سمجھ کر قتل وہ کرتا نہیں
میرے مرنے کی جگہ ہے یہ کہ میں مرتا نہیں

زہے نصیب خوشا بخت اگر قیامت میں
گنا ہگاروں میں تیرے شمار ہم بھی ہوں

جوشِ جنوں کا اب کوئی سامان ہی نہیں
وہ ہاتھ ہی نہیں وہ گریبان ہی نہیں

خم کے خم صاف جو کر جاتے تھے وہ باتوں میں
ذکرِ خیر آج تک اُن کا ہے خراباتوں میں

ہدفِ تیرِ مژہ کرکے وہ کہتا ہے امیر
تیر کس نے تیرے سینے پہ لگائے دیکھوں

تابِ طاقت تو مری رہ گئی کوچے میں ترے
گھر تلک اپنے ہیں اب جاؤں تو کیونکر جاؤں

خطِ طویل یار کو میں نے لکھا مگر
مطلب کو دیکھیے تو کہیں کچھ پتا نہیں

معشوق ہو حسین کہ ساقی ہو نازنین
دل میں مزہ نہیں تو کسی میں مزا نہیں

باطن کو دیکھیے تو سراپا فریب و مکر
ظاہر کو دیکھیے تو وہ کچھ جانتے نہیں

رکھتے نہ تھے چمن میں جو پاؤں فرشِ گل پر
تیری گلی میں اب وہ کانٹوں پہ لوٹتے ہیں

ڈھیر ہیں سایہ اشجار میں کچھ مٹی کے
اور کچھ ہم کو خبر گورِ غریباں کی نہیں

نیند آنے کا نہیں اب کوئی سامان امیر
نہ وہ زانو ہے نہ بازو تہِ سر کچھ بھی نہیں

وہ مستِ شراب پھر رہے ہیں
ہم مفت خراب پھر رہے ہیں

خاک جو لپٹی ہوئی آتی ہے محمل سے ترے
ہے یہی مجنوں اب اے محمل نشیں مجنوں کہاں

چاشنی عشق کی حسرو زسے چکھی ہے امیر
اٹھ گئے سب ہمنفس کس کس کا یارب غم کروں

شام سے روز سر جو دھنتا ہوں
انسان حسین کیسے پریاں یہاں کہاں ہیں

تم تو مرے سوال کا دیتے نہیں جواب
طرز نالہ وہ بتادو جو ہو صیاد پسند

عمر کو سارا زمانہ گذران کہتا ہے
باغباں تو ہی کسی شاخ پہ بٹھلا دے مجھے

حضور یار مجھے عرض حال کرنا ہے
کھپ گئیں دل میں اگر پائیں نکیلی زاہدا

ممکن ہے بے زری میں میں صبر ابجد اکروں
نہ عارض نہ زلف ستم دیکھتے ہیں

کون گاگشت کو بازار میں آیا ہے کہ آج
اے عمر رفتہ کہدے یاران رفتہ سے تو

دیکھا تھا دل نے جب سے تری آن بان کو
کھاتے ہو قسم نہیں ہیں عاشق

روتے ہیں ترے مریض پھر دل
کی خطا ہیں نے دیا وصل کا تم کو جو پیام

نرگس کی آنکھ سوئے زمیں بے سبب نہیں
کنگھی جو کر رہے ہیں وہ بالوں میں بار بار

بکنے دو ناصح جو بکتا ہے اسے

تلخ باتیں لب شیریں سے مزا دیتی ہیں
قیس کو روؤں کہ میں فرہاد کا ماتم کروں

شمع کی سرگذشت سنتا ہوں
مٹی کی مورتیں ہیں چھپتی کی پتلیاں ہیں

مجھ سے جو کوئی پوچھے تو میں کیا جواب دوں
اے اسیران قفس تازہ گرفتار ہوں میں

دن جدائی کا مگر عمر میں محسوب نہیں
بے پر و بال ہوں میں طاقت پرواز نہیں

کر سکو قبول تو ناصح کہ میں وکیل کروں
سیلاب دل پہ چھا گئے رخنے تیرے یہاں ہیں

فرمائشیں جو یار کرے اس کو کیا کروں
خدا دیکھتا ہے جو ہم دیکھتے ہیں

مشورے ہوتے ہیں یوسف کے خریداروں میں
بچھڑے ہوئے تمہارے تم کو پکارتے ہیں

ہم صبر کر چکے تھے اسی دن سے جان کو
صورت تو امیر اپنی دیکھو

چھاتی سے لگا کے درد دل کو
تذکرہ کرکے زمانے سے پشیمان نہ کرو

ہے خفتگان خاک پہ حسرت بہار کو
رگ رگ سے کھینچتا ہے کوئی میری جان کو

تم کبھی چپ بیٹھے ہوئے باتیں سنو

تم دہن کو نہ کبھی اپنی کمر کو دیکھو
جان سے اپنی تم تو در گذر سے
جگاتا ہوں میں کب سے تم ذرا کروٹ نہیں لیتے
کہے دیتے ہیں غیر کے گھر نہ جاؤ
فصل گل آنے سے پہلے پھنس گئے ہم دام میں
نہ نیستی میں نہ ہستی میں ہے یہ نفس وجود
عارضی حسن ہے اس سے بہت الفت نہ کرو
نماز یو مجھے ناحق امام کرتے ہو
لکھا ہے خط میں اس نے یہ مجھ بدنصیب کو
کوئی برچھی کا وار ادھر بھی ہو
جو بیقرار بہت دیکھتا ہے مجھ کو وہ بت
بیان کرتا ہوں اس مزے سے لے پری کی داستان کو
پہلے تو آرسی میں منہ اس نے اپنا دیکھا
آہ کس حسرت سے بیلے نے کہا ہنگام نزع
میری حیرت پہ عبث ہو اس قدر حیران تم
بھرنے پہ آ چلے ہیں ہمارے جگر کے زخم
وصل میں پوچھتا ہے وہ مجھ سے
میں نے کہا جو یار سے مجھ کو بھی قتل کر
کل کی منزل سمجھ گئے آج کی منزل ہو کڑی
لب جان بخش سے اپنے ذرا تم
کون سمجھائے جفا پیشہ دل آزاروں کو

دیکھتے ہیں جو انہیں اُن کی نظر کو دیکھو
قتل میں تم بھی درگذر نہ کرو
اُٹھو اے خفتگان خاک کیسی نیند سوتے ہو
اگر جاؤ تو گھر کے اندر نہ جاؤ
ہائے کیا کیا دل میں تھی سیر چمن کی آرزو
مٹے اسیر یہ جھگڑا کہیں مٹا بھی چکو
یہ مسافر ہے مسافر سے محبت نہ کرو
تمہیں میں پنج شش میں تم سب الگ الگ ٹھہرا لو
انشا کا عہدہ ہم نے دیا ہے رقیب کو
میری حسرت پہ بھی نگاہ کرو
تو ہنسکے کہتا ہے صاحب خدا کو یاد کرو
لپٹ کے کرتی ہے پیار پھر زباں دہن کو دہن زباں کو
پھر مجھ سے ہنسکے بولا کیا مانگتے ہو لے لو
سونپے جاتی ہوں تجھے اے بیکسی میں تئیں کو
صاحب آئینے کو اپنے آگے رکھ کر دیکھ لو
تم زلف مشک بو کے ذرا پیچ کھول دو
اس قدر بے حواس تم کیوں ہو
بولا جنوں ہوا ہے تمہیں جا کے فصد لو
خار ٹھہرا کے جو کہتے ہیں ذرا دم لے لو
کبھی ہم مرنے والوں کو بھی پوچھو
اک نظر دیکھ تو لو آنکھوں کے بیماروں کو

کرتے تو ہو سوال امیر اس سے حشر میں
کچھ تسلّی دلِ زار تو کرتے جاؤ
امیر دل نے کہا مجھ سے سُنکے ناصح کی
وہ عکس سے آئینے میں کہتے ہیں بگڑ کر
حقیقت درد بیدردی کی اُس دم آشکارا ہو
ہمارے تمہارے تکلم بھی ہو
نیند اُچٹ جائیگی تم میری کہانی نہ سنو
نہیں ہے دل مرے پاس اب تم اور گھر دیکھو
بگڑ کے اُس نے کہا بعد ذبح کشتوں سے
نمک بھی تو زخموں پہ چھڑکو ذرا
سوزِ دل چہرے سے عیاں ہے امیر
تقوی کہاں کا جام چلے آج زاہد و
ہو لینے دو اے جان ذرا روح کو رخصت
شمع کہتی ہے یہ پتنگوں سے
جہاں دیکھا پھرا تیری نظر کو
تو ابھار کو جوبن کے کیا چھپاتے ہو
تب مزا ہے بادہ خواری کا امیر
وصل کی شب آ نہیں شرم آتی ہے چشموں سے
اسی ادا سے جو تو آئیگا تو روزِ جزا
زخم سلوانے کی بار و ابھی جلد ہی کیا ہے
خون کچھ دینے لگی ہے میری قبر

اور اُسکو گر جواب نہ آیا تو پھر کہو
تم نہ آؤ مگر اقرار تو کرتے جاؤ
تم اپنا کام کیے جاؤ اُس کو کہنے دو
کیوں سرِ سکندر رکے اُدھر جاکے چھپے ہو
ہمارا دل تمہارا ہو تمہارا دل ہمارا ہو
مزا ہے کہ روزِ جزا تم بھی ہو
اور جو سنتے ہو تو پھر میری زبانی نہ سنو
نہیں یقین تو پہلو کو چاک کر دیکھو
تڑپ تڑپ کے لہو میں ڈبو دیا مجھ کو
دمِ ذبح لب پر تبسم بھی ہو
پیار کس شمع رو کو کرتے ہو
خرقے اُتار اُتار کے بھٹی میں جھونک دو
ٹھہرو مرے پہلو سے پھونک دے تم کو
آگ میں رکھ کے پھونک دے تم کو
جگر روتا ہے دل کو دل جگر کو
خدا کی دی ہوئی دولت کو کیوں چُراتے ہو
سامنے ساقی بغل میں یار ہو
دستے نرگس کے جو ہیں اُن کو کنارے رکھ دو
ملیگی اُلٹی سزا تیرے دادخواہوں کو
پہلے کچھ میرے تڑپنے کی تو تدبیر کرو
کوئی چٹکی خاک اُٹھا کر ڈال دو

بسملوں پر رحم کھا کر اُن سے کہتی ہے قضا
ان گنہگاروں کے حق میں جلد کچھ ارشاد ہو

نہ اُس سے ڈر ہے نہ اُسکی ہوس کبھی مجھ کو
نہ غم کا غم نہ خوشی کی ہے کچھ خوشی مجھ کو

آئے اوّل تو وہ کب پاس مرے محفل میں
اور جو آئے بھی تو مجلس سے اُٹھا نے مجھ کو

آئے جو زبان پہ شکوۂ یار
ہم کاٹ کے پھینک دیں زبان کو

کب میں کہتا ہوں مجھے اے یار تو الفت سے دیکھ
میں تجھے حسرت سے دیکھوں تو مجھے حیرت سے دیکھ

ساقی میں کب سے لوٹ رہا ہوں خمار میں
اک جام اِدھر بھی ساقیِ کوثر کا واسطہ

طائرِ رنگِ حنا ہوں چمنِ ہستی میں
زندگی موت ہے میری مرے صیاد کے ہاتھ

مرے مزار پر آیا جو وہ بُتِ گمراہ
تڑپ کے روح نے آواز دی کہ بسم اللہ

اب نہ اُس کا رُخ نہ خط و خال دیکھ
اے دلِ بیتاب اپنا حال دیکھ

غریب عاشقوں پر رحم کھا کے بولے وہ
غریب ان کو نہ سمجھو بڑے شریر ہیں یہ

حرم والوں سے یہ قولِ صنم ہے
قاربی گھر ہمارا بھی حرم ہے

اس سے تنہائی میں تو لپٹا ہوں
ڈر ہے چھاگل کہیں پکار نہ دے

کھلتا نہیں جو اُس کے کوچے کا کیا پتا ہے
میں دل سے پوچھتا ہوں دل مجھ سے پوچھتا ہے

چُور نشے میں یار بدخو ہے
اب لپٹ جائیے تو قابو ہے

شبِ فرقت تو میرا کام ہی کر جائیگی
وصل کی رات نہیں ہے جو گزر جائیگی

برباد کر دیا ہے وحشت نے دل کی مجھ کو
پہلو کا رہنے والا جنگل میں جا بسا ہے

صاف دل ہیں ہم آئنے کی طرح
جس سے جو بات ہے وہ برُو ہے

کچھ رنج ہے دنیا میں تو کچھ ہم کو خوشی ہے
آنکھوں میں جو آنسو ہیں تو ہونٹوں پہ ہنسی ہے

یہ وجہ ہے جو جمع رہا کرتی ہے خلقت
مرقد پہ مرے یار کی تصویر لگی ہے

تھا جو کل تک کسی کے زانو پر
آج وہ سر ہے اور زانو ہے

کبھی منہ کھول کر نہ دکھلایا
لن ترانی ہی لن ترانی ہے

دل مرا کہدو کہ وہ شوخ ستمگر پھیر دے
اے شب فرقت عجب اندھیر کی یہ بات ہے

نزع میں یار سے رخصت مجھے ہو لینے دے
دیکھتی ہیں جب سے آنکھیں تو کہتا ہے یہ دل

بسملوں سے ناز اٹھوا سے
اٹھتا نہیں دل سے مرے بار غم فرقت

سویا ہوں شب کو جو جرس سے میں یہ کہکر
کعبے نہ جائے جو وہ نہ پہنچے خدا تلک

اک مست کا خیال جو ہنگام خواب ہے
آساں نہیں ہے دام سے دنیا کے چھوٹنا

جوبن ابھار پر ہے چمن کو نہ جائیے
لیلی کی طرف پھیر نہ کرے منہ کبھی مجنوں

ملتا نہیں مزاج جو سوسن کا اے صبا
کون کہتا ہے کہ الفت میں ہمیں راحت ہی

ہاتھ پھولوں کو لگایا میں نے کب اے باغبان
میں خار ہوں اسے برق جلاتی ہے مجھے کیا

کیا رہیے اس چمن میں افسردگی بڑی ہے
خانہ بر دوش ہر شرابی ہے

نہ واعظ ہجو سے کر ایک دن دنیا سے جانا ہے
برستی ہے اداسی چھا رہی ہے بیکسی غافل

جب کہیے شب وصل چلو سو رہیں اے جان
دل نہ پھیرے تو مری گردن پہ خنجر پھیر دے

ساری دنیا میں تو دن اک ترے گھر میں رات ہے
صبا سے کہدو کہ دل کھول کے رو لینے دے

دیکھیے یہ دیکھنا کیا کیا دکھاتا ہے مجھے
ہائے انداز میرے قاتل کے

اے جان حزیں تو بھی ذرا ہاتھ لگا لے
پیدا جو سحر ہو مجھے غل کر کے جگا لے

زاہد خدا کے گھر کی یہی ایک راہ ہے
جھونکوں میں نیند کے مجھے کیفیت شراب ہے

یہ اک بڑے حکیم کا باندھا طلسم ہے
باد صبا لگائیگی چوری انار کی

مجنوں کو جو لیلی تری تصویر دکھادی
مستی ہے شاید آج عروس بہار کی

پیٹنے رونے تڑپنے سے کہاں فرصت ہوئی
یاں گریباں چاک کرنے سے کہاں فرصت ہوئی

گلچیں ہیں ہزاروں کسی گلچیں کو جلا دے
ہر شاخ گل کے نیچے بلبل مری پڑی ہے

کیا خرابات کی خرابی ہے
ارے مت ساقی کوثر کو بھی آخر دکھانا ہے

بصیرت ہو تو عبرت کا محل قصر فریدوں ہے
جھنجھلا کے وہ کہتے ہیں ابھی رات پڑی ہے

نشتروں نے یہ لختِ جگر اُس میں پروئے
ہنس ہنس کے رُلایا ہے بہت زخم جگر نے

آ بنی ہے جان پر قیامت ہے
فرقت میں مجھ کو موت ٹھکانے لگا گئی

آج اُمید صبح ہونے کی
مژگانِ تر سے جان تسلی سی پا گئی

قاصد ہمارا نام تو لینا نہ یار سے
دامنِ گل نسیم چاک کرے

غیر کی بھیجی ہوئی مسّی ملی تم نے ضرور
ہوں وہ بلبل جب مرے دلکی کلی مرجھا گئی

جان نثاروں کا اس قدر ہے ہجوم
زور ہے اب یہ ناتوانی کا

ہے قصد کہ دل کعبہ نشینوں کے چرائے
خط مرا پھینک کے مجھ پر یہ کہا قاصد نے

مرتے ہیں بندگانِ خدا کچھ نہیں خیال
چاہت نئی نئی ہے محبت نئی نئی

ہیں حرف ناشنوا اُسے کیونکر کہوں امیر
کسی واماندہ وحسرت زدہ کو یاد کرتا ہے

نائلِ جور جو وہ زلفِ دوتا ہوتی ہے
کروں اک نالہ دل میں یہ ٹھنی ہے

یہ سمجھے ہے تو مری جان نبھے گی کیونکر

جو تیر ہے سفاک کا پھولوں کی چھڑی ہے
ادھر بھی کوئی قاتل کی جو تلوار پڑی ہے

آج پہلو سے دل کی رخصت ہے
کیسے نصیب جاگ اُٹھے نیند آ گئی

حسرتِ دل پہ شامِ فرقت ہے
کانٹوں کی اوس پیاس ہماری بجھا گئی

کہنا کسی کی جان ہے ہونٹوں پر آ گئی
بلبلو تم کو کچھ بھی غیرت ہے

ورنہ کیوں غم کی گھٹا دل پر ہمارے چھا گئی
اِک سرے سے سارے پھولوں پر اداسی چھا گئی

تیغ مقتل میں چل نہیں سکتی
دل سے حسرت نکل نہیں سکتی

تاکا ہے بڑے گھر کو تری وزدِ حنا نے
وہ بھی ہو تجھ پہ عاشق تو یہ گھر آ دیکھے

اللہ ان بتوں کو بھی کتنا غرور ہے
دو چار دن تو ضبطِ فغاں بھی ضرور ہے

سنتا ہے میرے حق میں وہ سارے جہان کی
سنو اے قافلے والو جرس فریاد کرتا ہے

سو بلاؤں میں گرفتار بلا ہوتی ہے
کہ اب تو جان ہی پر آ بنی ہے

میں نے حال اپنا کہا تم اُسے شکوا سمجھے

بلبل کی آنکھ گل پر قمری کی سرو پر ہے
قاتل سمجھ کے تیر کو سینے سے کھینچنا

عجب ادا سے تمہاری نگاہ پھرتی ہے
کرونگا بت کی زیارت بھی اب تو حج کو چلوں

وصال میں بھی یہاں پیچ و تاب رہتا ہے
یہ ہے شوق جانے کا کوچے میں تیرے

ہوئے جو ذبح بڑے پیچ و تاب سے چھوٹے
ساقی ترے ہجر میں ہے یہ ضعف

پھر نہ کہنا امیر کو لاؤ
جائے آرام میں یہاں سمجھ کر آیا تھا

محفل عیش ہو یا مجلس غم دونوں میں
دل جو بے اختیار روتا ہے

اللہ رے گریہاں مرے معشوق کی امید
بے شبہ گنج قبر ہے جائے سکون مگر

میں تو روتا ہوں اپنی قسمت کو
جہاں ہم ہونگے آنچیں عشق کی اس گھر میں آئینگی

رہا جاتا نہیں بے عشق دو دن
ہجر کا دن نہیں ہے داخل عمر

یہ دن فراق کا کیوں دیکھتے ہمیں جو مرے
ندیاں بہ گئیں کشتوں کے لہو سے قاتل

اک ذرا پردۂ محمل کو اٹھا دے لیلی
نرگس سے کوئی پوچھے تو کس کو دیکھتی ہے

ناوک کے ساتھ ساتھ کسی کا جگر بھی ہے
چھری گلے پہ مرے بیگناہ پھرتی ہے

حرم سے دیر کی جانب بھی راہ پھرتی ہے
ادھر حجاب ادھر اضطراب رہتا ہے

کبھی ہم ہیں آگے کبھی سایہ آگے
تمہیں ثواب ہوا ہم عذاب سے چھوٹے

توبہ نہیں ہم سے ٹوٹتی ہے
اب وہ تیری گلی سے جاتا ہے

دل کے ہاتھوں سے لحد میں بھی تڑپتے گزری
شمع کو روتے پتنگوں کو تڑپتے گزری

کسی حسرت کا خون ہوتا ہے
آیا خیال دل میں تو اک آگ لگ گئی ہے

کیسا سکون جب دل بیتاب ساتھ ہے
تو بتا ابر کس کو روتا ہے

یہاں پریاں جلاتی ہیں وہاں حوریں جلائینگی
ہمیں بیمار ہونے کا مرض ہے

عمر تو وصل تک تمام ہوئی
شب وصال کے ہمراہ ہو لیے ہوتے

تیری تلوار مگر خون کی پیاسی ہی رہی
پھر کوئی حالت بیتابی مجنوں دیکھے

سبب پوچھو نہ کچھ رونے کا ہم سے
یہی جانو کہ رونے کا مرض ہے

اللہ رے طولِ نامہ کہ کہتا ہے نامہ بر
اس بوجھ اُٹھانے کو کوئی مزدور چاہیے

کبھی جھانکا ہوتا آکے یہ کیا جی میں آئی تھی
عزیزوں نے مری تربت میں جالی کیوں لگائی تھی

فرشتے ہیں مہمانِ غم کیا کروں امیر
ٹکڑے ہیں کچھ جگر کے سو وہ بھی جلے ہوئے

دل پہلے لاتا ہے ڈھٹائی سے جو آنکھیں
ظالم نہ سہی رحم حیا بھی نہیں آتی

نہیں اُٹھتے ہیں اے جنوں اشجار گلشن سے
یہ کچھ پرزے گریباں کے ہیں پیچ پڑے ہیں دامن کے

کہا مجنوں نے شاید ناقۂ لیلیٰ ادھر آئے
ہیں اس امید پر چنتا ہوں کانٹے اس بیاباں کے

پی کے مے بیٹھے وعظ سننے امیر
یہ بڑی تم نے ہوشیاری کی

کشتہ ہوں میں فراق کا اکسیر کیا کرے
تقدیر ہی میں شفا نہیں تدبیر کیا کرے

اُٹھا کر نہ کچھ آنکھ غیروں کو دیکھو
جو ہوں چار آنکھیں ہماری تمہاری

دہن تک آ نہیں سکتا ہے دل کی تنگی سے
دھواں جگر کا کبھی کچھ دل ہی دل میں گھٹتا ہے

کیوں سوئے کمر ہاتھ بڑھا ہے وہ کاکل
لیلیٰ کبھی مجنوں کی بلائیں نہیں لیتی

ذکر اس شوخ کا آتا ہے تو اللہ ری تڑپ
منہ کو آتا ہے جگر بات نہیں کی جاتی

تمہاری سی صورت ہے حوروں کی اچھا
یہ باتیں کہاں پیاری پیاری تمہاری

غنی ہیں جب سے تری زلف کے اسیر ہوئے
فقیر عشق میں ہم کیا ہوئے امیر ہوئے

دیکھا جو تڑپتے ہوئے مجھ کو تو وہ بولے
اس درد سے اچھا ہے یہ بیمار جو مر جائے

خوش ہوں میں مجھے لاتا ہے وہ سنو منظور
کہو کہ تجھ کو ترے یار نے بلایا ہے

کرتے ہو جو تم امیر کو قتل
اتنا تو کہو گناہ کیا ہے

کہتا ہے سرِ بزم وہ بت کھولے گیسو
لپٹا ہو جسے دل کو وہ پہچان کے لپٹائے

دکھلایا روزِ ہجر شبِ وصل نے امیر
وہ رات اگر نہ آتی تو یہ دن نہ دیکھتے

وہ سنتا نہیں حالِ دل اے امیر
کہانی سی کب تک کہا کیجئے

سوکھے ہوئے دو چار کہیں پیڑ کھڑے ہیں
کیا وقت نکالا ہے رنجش کا بھی ظالم نے
اچھی امیر کو صاحب بڑا بھلا نہ کہو
جب کہا میں نے مرے قتل میں اب دیر ہے کیوں
تو پھرا ہے بہت اے پیر فلک سچ کہنا
داد دیتے کہ نہ دیتے دل فریادی کی
نہ پوچھو اضطراب و ضبط کا حال
سارا بادل پڑا ہے کچھ بھی کہیں نہیں ہے
اچھی نہیں ملامت ہر وقت کی یہ ناصح
خیر تم پہ نہیں ہے زور اپنا
برباد نہ کر جو کچھ خبر ہے
یاں زخم سے لذت جگر ہے
نہ جانے کے تجھے اس گلی سے بہانے
ہو گیا کیا تجھے الفت میں امیر
وہ گھڑی آپ کا منہ ہنس کے لگاوٹ کرنا
درد دل کیوں نہ تجھے جان سے بڑھکر ہو عزیز
ہیزم خشک نے جلکر یہ کہا گلشن میں
حال سننے کو وہ آئے ہیں مگر کون کہے
جب دل پژمردہ پہلو سے مرے نکلا امیر
جواب دینے میں آتے نہ کیوں حیا اُن کو
ہمنشیں اُن سے جو کہتے ہیں کہ مرتا ہے امیر

اب جاؤں میں گلزار میں کیا آگ لگانے
جب خوب سنورتا ہے تب مجھ سے بگڑتا ہے
بُرے بھلے کا تو صحبت سے حال کھلتا ہے
بولے وہ اپنی خوشی آپ کو جلدی کیا ہے
مجھ سا بیکس بھی زمانے میں کہیں دیکھا ہے
کان رکھ کر کبھی سنئے تو کہ کیا کہتا ہے
جگر آ کے منہ تک پھر گیا ہے
رہتا ہے ہاتھ دل پہ جو یاں آہ یہیں ہے
انسان کی طبیعت قابو میں ہی نہیں ہے
مر مٹیں گے یہ اختیار تو ہے
اے بت یہ دل خدا کا گھر ہے
احباب کو فکر تجہیز گر ہے
نہ اب ضعف ہم کو نہ بیطاقتی ہے
ابھی روتا تھا ابھی ہنستا ہے
رنج برسوں کا مرے دل سے مٹا دیتا ہے
اُٹھ کے محفل میں تری مجھ کو بٹھا دیتا ہے
کہ انہیں تازہ نہالوں میں کبھی ہم بھی تھے
کہ تڑپ دل کی تو دم ہی نہیں لینے دیتی
حسرتیں تھیں پیچھے پیچھے ساتھ روتی پیٹتی
سوال کرنے میں جب مجھ کو شرم آتی ہے
کیسے کب تک وہ غریب اب یہ مصیبت دیکھے

کہتے ہیں واہ اچی عاشق کہیں ہوتے ہیں غریب
قبر پر جب وہ حور آتا ہے
بت بن گئے ہم امید آخر
کتنے آرام طلب ہیں ہم بھی
دل جسے لوگ سمجھے ہیں وہ امیر
مدتوں کھینچا ہے قشقہ ان بتوں کی عشق میں
پڑا ہے تفرقہ ایسا فراق یار میں باہم
کیا کہیں عشق میں کیا ملتا ہے
پوچھا جو ان کو تو بولے وہ گالیاں دیکر
آ بنی جان پر دغا پائی
شرم کی سب سے یہ خورشید لقا لیتا ہے
حلال کرکے مرے ہمصفیر دل کو صیاد
ہے وصل میں راحت نہ جدائی میں الم ہے
دل بیتاب شب وصل تو دم لینے دے
ہم تڑپتے ہیں پڑے سارا جہاں سوتا ہے
کیوں جاؤں میں سوے کعبہ اے شیخ
نشان پایا نہ اپنے یوسف گم گشتہ کا ہم نے
ہائے غم سے بھی جی نہیں گھبراتا
کیا جانیں ہم ہنسنا کہتی ہے خلق کس کو
کہا یہ بہکاتا ہے مستو نکو تجھے ہوش بھی ہے
ہیں نے بوسہ جو لیا زلف کا ساقی نے کہا

پاس جا بیٹھے پھر ان کی کوئی غربت دیکھے
چھن کے جالی سے نور آتا ہے
یہ یاد صنم کی انتہا ہے
سایۂ تیغ میں نیند آتی ہے
حسرت آباد نام ایک گھر ہے
شرم آتی ہے خدا کے سامنے جاتے ہوئے
نہ دل ملتا ہے پہلو کو نہ پہلو دل کو ملتا ہے
بت کے ماننے سے خدا ملتا ہے
کسی کا ہاتھ کسی کی زبان چلتی ہے
دل لگانے کی یہ سزا پائی
آئینہ دیکھ کے چہرہ کو چھپا لیتا ہے
لہو بھری ہوئی چھریاں مجھے دکھاتا ہے
آنے کی نہ شادی نہ گئے کا مجھے غم ہے
ہجر کی رات تڑپنے کے لیے کیا کم ہے
اے شب ہجر یہ کس دن کا عوض ہوتا ہے
بتخانہ میں کیا خدا نہیں ہے
ہزاروں قافلے چھانے ہزاروں کارواں ڈھونڈے
برکت اٹھ گئی زمانے سے
ہم نے جو آنکھ کھولی تو چشم تر ہی دیکھی
جو عطا پاش ہے واعظ وہ خطا پوش بھی ہے
صرف مینوش نہیں یہ تو بلانوش بھی ہے

مرا زخمِ دل اس لیے دیکھتے ہیں
کہ دیکھیں تو تلوار کیسی پڑی ہے

کہتا ہے مجھے دیکھ کے وہ اپنی گلی میں
دیوانے ترا گھر بھی کہیں ہے کہ نہیں ہے

ہم کو چالیں تو لگا لینے کی آتی ہیں بہت
یار کے آگے مگر ایک نہیں چلتی ہے

گالیوں کا وصل میں کیا کام ہے
لطفِ بے ہنگام اسی کا نام ہے

تجھ کو مجھ غربت زدہ کے حق میں کیا منظور ہے
پاؤں اٹھ سکتے نہیں اے ضعف منزل دور ہے

مے کشو مے آج بے جام و سبو پی لیجئے
محتسب کا چڑھ کے چھاتی پر لہو پی لیجئے

الفت میں یوں تو اکثر ہم زار زار روئے
کل دل پہ ہاتھ رکھ کے بے اختیار روئے

مجکو زاہد نہیں شراب حرام
تیسرے دن مید آئی ہے

خاک میں کس کی مل گئی حسرت
خاک اڑاتی جو صرصر آئی ہے

بڑھ جاتی ہے چمن میں اور آرزو تمہاری
جب گل کو سونگھتا ہوں آتی ہے بو تمہاری

جو کچھ ترے ہاتھوں دلِ خوں میں پہ ہوا ہے
منہاری ترے ہاتھوں کی بیان کرتی ہے تجھے

دیکھ کر عکس کو آئینے سے کہتا ہے وہ شوخ
تو نے بتلا مری تصویر کہاں سے پائی

اب کام اگر نہ آئے تو کب کام آئینگے
کیا جنت امیر تجھ کو خدا سے بلائیں گے

طرفہ اقبال بتوں کا ہے باینہمہ ظلم
جس طرف ہو کے نکلتے ہیں دعا ملتی ہے

یاد میں زلف و رخ کے میرا حال
صبح کو کچھ ہے شام کو کچھ ہے

اے طول زمانۂ اسیری
بلبل کہیں گل کو بھولتی ہے

اجل کا دور ہے بیدرد عہد میں تیرے
دکانیں بند پڑی ہیں دوا فروشوں کی

داغ پہ داغ عزیزوں نے دئے ہیں ایسے
کہ مرے دل میں نہیں جائے سویدا باقی

سوتا ہوں کوئے یار میں محشر کے دن مجھے
چھو نکلے نسیمِ خار کے آکر جگائیں گے

آرام کا اس گھر میں نہ اس گھر میں گزر ہے
دل درد کا گھر ہے تو جگر داغ کا گھر ہے

کافی ہے مجھ کو چین تمہاری جبین کی
کیوں تیغ کھینچتی ہے شکن آستین کی

پارہ دوزی کی دکان ہے کہ مرا سینہ ہے
ہر طرف ڈھیر ہیں دل اور جگر کے ٹکڑے

خبر انجام سے دیتا ہے پیری میں قد پُر خم
اشارہ ہے کہ اب دن خاک میں ملنے کے آ پہنچے

ہونٹوں پہ دم ہے لیکن دل میں ابھی ہے حسرت
دو حرف اُسکے منہ کے سن لیتے ہم کسی سے

راز کیا عاشق و معشوق کے غیروں پہ کھلیں
صلح آنکھوں میں ہو آنکھوں میں لڑائی ہو جائے

میں کہا کہ پھیر دو دل کیا کرو گے تم
بولے ہم اپنے تیر کا پیکاں بنائیں گے

وہ غصے میں ہر وقت بھرے رہتے ہیں مجھ سے
ہیں خوش ہوں کہ صد شکر توجہ تو ادھر ہے

کہا یہ جھاڑ کے دامن کو اُس نے خلوت میں
یہاں کبھی خاک کسی خاکسار کی پہنچی

دل جلا کرتی ہیں نظارہ بازی دور سے
ہیں تو دوزخ میں مگر آنکھیں لڑی ہیں حور سے

کانٹوں میں وہ ہے پھول ستاروں میں ہے وہ چاند
ذروں میں وہ خورشید ہے قطروں میں گہر ہے

نظارۂ قاتل سے میں ہوں بے خبر ایسا
کچھ ہوش ہے خنجر کا نہ گردن کی خبر ہے

کہا جانئے وحشت میں کہا کیا اُنہیں میں نے
ہمدم بھی مری آج تسلی نہیں کرتے

بچھونا خاک کا ہے اب ترے بیمار کے نیچے
پڑا ہے دیر سے غش سایۂ دیوار کے نیچے

کھنچتے ہی تیغ خوف سے اغیار مر گئے
بگڑا جو یار کام ہمارے سنور گئے

کیا کیا ہوا ہے دل تہ و بالا میں کیا کہوں
کوٹھے پہ چڑھ کے آپ جو نیچے اُتر گئے

تھک گئے ہم رہِ طلب میں امیر
کر چکے سعی جتنی قدرت تھی

درازی سنتے تھے مارے ہم روزِ قیامت کی
سوا کچھ گھڑی نکلی ہمارے روزِ فرقت کی

آئی بہار چلکے رفوگر کو چھیڑیے
ہنس ہنس کے چاک جیب کے ٹانکے اُدھیڑیے

تھی اپنی جا نماز تو مارت سے رہن ہے
تسبیح رہ گئی تھی سو وہ اب گرو ہوئی

ہوں وہ حسرت زدہ کہ در پہ مرے
یاس اُمیدوار بیٹھی ہے

کہیے نا آشنا تو کہتے ہیں
ابھی باتیں ہیں آشنائی کی

امیر اُس بدگمان کے کان تک پہنچے تو پھر کیا ہو
بھری مجلس میں کہتے ہو کہ ہم خالی نہیں رہتے

جھک کے ملنے لگا وہ بت ہم سے
اے تری شان کبریائی کی

طور پر جو کلیم نے دیکھا
وہ شرارہ نہ تھا شرارت تھی

جان جائے یار ہے جو ہو سو ہو جھگڑا چکے
طے بھی ہو قصہ کہیں مقتل میں قاتل آ چکے

تو نے اے یار بے تپاک کیے
کیسے کیسے جوان ہلاک کیے

اک پری وش نے کہا ناز سے مجھ کو جو قتل
لائیں پریاں تخت میری لاش اٹھانے کے لئے

تیشے سے کوہکن کے آواز آ رہی ہے
شیریں کے دل پر الفت چوٹیں لگا رہی ہے

مجنوں سے کوئی کہدے لیلیٰ غریب کب سے
زانو پہ سر کو رکھے آنسو بہا رہی ہے

پیاس سے پڑ گئے ہیں حلق میں کانٹے لاکھوں
پھول سے بھر کے کوئی جام پلا دے ساقی

کہاں تلک نہ پہنچتی دعا اجابت کو
امیر ہائے ہماری زبان ہی نہ کھلی

کبھی اقرار ملنے کا کبھی انکار کرتے ہو
ٹھہرتے تم نہیں اک بات پر دل کس طرح ٹھہرے

انتہائے نشہ میں آتا ہے ہوش
ہوشیاری انتہائے نشہ ہے

وہ جلوہ دیکھ کر جب طور پر موسیٰ کو غش آیا
تو آئی غیب سے آواز دیکھا ہم نہ کہتے تھے

کشتے ہم اس ادا سے بت نازنین کے ہیں
کھینچی گئی نہ تیغ تو تیور بدل گئے

کیا دہاک تیرے فتنۂ قامت کی بندھی ہے
آتے ہوئے ڈرتی ہے قیامت نہیں آتی

جان جائے تو جائے پر اے جان
دل کہاں تم کو چھوڑ کر جائے

اس چشم مست کا ہے اشارہ ہر ایک سے
آئے تو سامنے کوئی ہشیار ہی سہی

زبان تیغ نہ چاٹے وہاں زخم کو کیوں
ٹپک رہا ہے مژہ خون سے شہیدوں کے

ترحم ایک طرف وہ جفا نہیں کرتے
جفا کا وعدہ کیا ہے وفا نہیں کرتے

برسوں تری تلاش میں ہم مثل گردباد
آوارہ جنگلوں میں پھرے خاک چھانتے

غیر کے ساتھ وفا کر کے وہ مجھ سے بولے
تو جفا دوست ہے اک طرز جفا یہ بھی ہے

منہ پہ غصہ ہاتھ میں تلوار ابرو پر شکن
جان دو پھر ہو جسے وہ تم سے حال دل کہے

اثر تو دیکھیے قسمت کی نارسائی کا
کہ یار تک مرے مرنے کی بھی خبر نہ گئی

نہ سمجھے تھے خدا کو جب تلک سمجھے تھے ہم سمجھے
جو سمجھے اب تو یہ سمجھے نہ سمجھے تھے نہ سمجھیں گے

وہ ہاتھ جب کنارہ ہو دیر اُس میں کیا لگے
ہم پیر کر شراب میں کوثر سے جا لگے

ہر نہالِ تاک میں واعظ وہی انداز ہے
کونسی وہ شاخ ہے طوبیٰ کو جس پر ناز ہے

میری کھیتی ہوئی ہے جب سر سبز
برق کہا کیا تڑپ کر آئی ہے

پنہاں جو سوزِ عشق کرے مرد ہے وہی
دل پھنک گیا نفس سرد ہے وہی

ابھی وہی ہے ہماری شبِ فراق کی شام
ہزار بار جلی شمع اور تمام ہوئی

گیا ہے دیر سے ناخوش امیر آج
خدا ہی ہے جو اب کعبے سے آئے

یوں چھلکتی نہیں مینا میں شرابِ گلگوں
دلِ پُر خون کی گلابی پہ عجب عالم ہے

عجب طلسم ہے الفت کہ سامنے اُس کے
بجائے شکوہ زباں سے دعا نکلتی ہے

امیر اِس بت کو دل دیتے ہو کیا شامت تمہاری ہے
کسی پتھر پہ سے پٹکو ہوا ایسا تم کو بھاری ہے

ہزار ہوں حسن آدمی میں ہزار ہوں شیخ ہیاں پری میں
امیر اپنا تو ہے یہ مشرب ادا نہیں ہے تو کچھ نہیں ہے

دیکھنا قاتل کو ہے تو دیکھ لے
دیکھ بسمل وقتِ فرصت تنگ ہے

ہم ایک ایک سے یہ پوچھتے ہیں دنیا میں
کہاں سے آئے تھے اب ہم کہاں کو جائینگے

آتا ہے خون اب مری آنکھوں سے ہار ہو
آنسو کہاں یہ آنسوؤں کا کچھ نچوڑ ہے

نکلتی ہے دمِ ذبح جو بلبل طرف باغ
یاد آتی ہے حسرت دلِ آوارہ وطن کی

قاضی آئے کہ محتسب آئے
اب تو ہم میکدے میں آ بیٹھے

کسطرح ملتی ہے اے مرغِ قفس صیاد سے
دل پھٹا جاتا ہے اپنا تو تری فریاد سے

الفت کسی کی نوکِ مژہ سے جو چھٹی امیر
مر کر بھی اک کھٹک سی رگِ جاں میں رہ گئی

کہا جھنجلا کے اُس نے وصل کی شب
کہ رونے سے کبھی فرصت بھی ہوگی

نوش جب تک رہا شراب ہی پی
ایک ہیں ہم کبھی اپنے مشرب کے

اب سر بازار کہتے ہیں اُٹھا کر وہ نقاب
آئینہ دیکھ کے وہ عکس سے فرماتے ہیں
غیروں کے حال پر تو بہت لطف ہے تجھے
دو گھڑی سامنے رکھ کر اُسے رولیں بہزاد
آنکھوں میں تری نہیں مروت
بات اپنی اپنے دل ہی میں رہے
اے صنم اللہ رے سیکڑوں شیدا ہوئے
تم دکھاتے تو ہوا امیر کا دل
زندگی بھر ساتھ تھی مرنے پہ بھی ہمراہ ہے
دیکھنا شوخی کیا پیغام وصل
پہ آئینے میں اپنے عکس سے وہ شوخ کہتا ہے
مرے اللہ مرے اللہ نہ کہہ صرف اللہ اللہ کہہ
لہو رو آنسوؤں کا قحط اگر ہے
نہ کر اسے چارہ گر چاکِ جگر کو بند بخیے سے
اپنی کہو گزرتی ہے کس طرح اے امیر
چلے آتے ہیں ہم بھی تیرے پیچھے
ساتھ اپنے کچھ نہ لائے تھے نہ کچھ ہم لے چلے
میری دوا شراب ہے مجھ کو نہیں حرام
تو کھینچے گا اُس کی شکل مانی
اب تو آجاؤ دم ہے آنکھوں میں
چھیڑ دیں اپنی اسیری کی کہانی نہ کہیں

جسنے یوسف کو نہ دیکھا ہو وہ ہم کو دیکھ لے
تم بھی اب آنکھ لڑانے لگے دیکھا دیکھی
ہم پر بھی لطف حال ہمارا بھی غیر ہے
کھینچے سے تو ہمیں تصویر ہمارے دل کی
کیا دیکھ کے آشنا ہو کوئی
منہ سے نکلی اور پرائی ہو گئی
جب سے اس دنیا میں تم نام خدا پیدا ہوئے
اور جو وہ کوئی آہ کر بیٹھے
دیکھنا اے دل رفاقت حسرتِ دیدار کی
ہجر سے جب آشنائی ہو گئی
کروں کیا میرے تیرے بیچ میں سدِّ سکند رہے
یہ ہٹ دھرمی ہے اے زاہد خدا سبکا برابر ہے
اسی دن کے لیے خونِ جگر ہے
ہوائے کوچۂ جاناں اسی کھڑکی سے آتی ہے
ہم ہیں فقیر لوگ ہماری بھلی کہی
تجھے اے عمرِ رفتہ کچھ خبر ہے
خالی ہاتھ آئے تھے خالی ہاتھ دنیا سے چلے
زاہد نہ ہو یقین تو قاضی سے پوچھ لے
تو نے کہی اور ہیں نے مانی
ناامیدانہ اک نگاہ سہی
منہ لگاتا نہیں اس خوف سے صیاد مجھے

اب میری ہڈیاں نہ گھلا گوشت گھل چکا
افسوس فکر کچھ نہیں صیاد کو مری
وہ لبِ ساحل نہانے کو جو ہیں آئے ہوئے
تیغ کھینچے وہ آ رہا ہے امیر
باقی نہ دل میں کوئی الٰہی ہوس رہے
پوچھو واعظ سے چلکے اے رند و
شورِ محشر امیر کو نہ جگا
حل نہیں ہوتا معما بیقراری کا مری
بستیوں کی طرف آئی ہے تو شیریں سے کہو
دنیا سے نہیں زیست میں امیدِ رہائی
دیکھنے وہ جو نہ آئے تو نہیں مجھ کو گلہ
سودا زدہ دل کو قتل جو زلفِ رسا کرے
پا چکے چین تو خاک کبھی ہم کشتۂ عشق
اب تو آسان ہے کرنے مری مٹی برباد
یاد آگئی جو اس کے دُرِ گوش کی امیر
نامہ بر بار کے آنے کی نہیں کہتا ہے
مقتل میں وہ ہر گام پہ سو بار کرتے ہیں
ہے آج جو سرگذشت اپنی
دل میں جو ارمان تھے افسوس یوں ہی رہ گئے
مجھ کو نہیں شکایت مقتل میں اب کسی کی
تیغِ قاتل نے تو ارمان نکالے کچھ کچھ

اے فکرِ رزق بس کہ یہ حصہ ہما کا ہے
گل کان رکھ کے سنتے ہیں فریاد کو مری
موجیں آتی ہیں چلی آغوش پھیلائے ہوئے
دیکھیے آج کس کی آئی ہے
چودہ برس کے سن میں وہ لاکھوں برس رہے
کیا مزا ہے خلاف گوئی کی
سو گیا ہے غریب سونے کے
دل تو پہلو میں نہیں یارب تڑپتا کون ہے
اک ذرا تہمت فرہاد پہ ہوتی جائے
پھرا ہے اجل کا درِ زنداں پہ ہمارے
میری حالت ہی وہ؛ یہ ہے کہ نہ دیکھی جائے
تم اور خوش ہو رنج تمہاری بلا کرے
دلِ بیتاب کو اللہ سلامت رکھے
پھر کہاں تو مجھے اے بادِ صبا پائیگی
بے اختیار آنکھ سے آنسو نکل پڑے
ایک بھی بات ٹھکانے کی نہیں کہتا ہے
یہ ٹھوکریں کھائی ہیں شہیدوں کے سر ونکی
کل اس کی کہانیاں بنیں گی
دل جگر دونوں لہو ہو کے آخر بہ گئے
پیکاں نے دل دہی کی خنجر نے ہمدمی کی
اب رہی خنجرِ قاتل سے شکایت باقی

اک عمر ہوئی ترک کیے عشق کا پیشہ — پر آج تلک چہرے کی زردی نہیں جاتی

کرتے ہو ڈھونڈ ڈھونڈ کے تم عاشقوں کو ذبح — کتنا تمہیں ثواب کمانے کا شوق ہے

قاتل مرے سوا نہ کرے تو کسی کو قتل — اللہ تیرے ہاتھ کو پائے ثبات دے

آزردگی کے خوف سے جس جا نہ رو سکے — ایسی جگہ امیر سے کیا خاک ہو سکے

رات بھر تڑپا ہیں دیوار میں تو صبح تک — بولے او خانہ خراب اب اپنے گھر کی راہ لے

حجاب چشم تصور سے غیر ممکن ہے — چھپیں وہ لاکھ مگر ہم تو دیکھ ہی لیں گے

کل تک تو کچھ کھچی ہوئی رہتی تھی تیغ یار — ہے آج کیا کہ میرے گلے سے لپٹ گئی

شام فرقت میں یہ ہر روز خیال آتا ہے — اے خدا ہم بھی کبھی صبح وطن دیکھینگے

ہنسکے کہتا ہے مرے زخم جگر سے قاتل — کر دیے تو نے نمکداں کے نمکداں خالی

ہم جو رونے پر اُتارے ہو گئے — ہٹ کے سب دریا کنارے ہو گئے

اب تم چھپاؤ منہ نکریں ہم فغاں کو ضبط — جو بات تھی وہ سارے زمانے پہ کھل گئی

حرم سے دیر کو آئے امیر مر مر کے — خدا کے گھر سے پھرے ہم خدا خدا کر کے

موذنوں کا برا ہو جگا دیا مجھ کو — ابھی تو آنکھ لگی تھی خدا خدا کر کے

نکلے جب پردے سے تم اللہ رے حفظ — غیب سے آنکھوں پہ پردے پڑ گئے

دو دن کی محبت میں جو حالت ہوئی میری — برسوں کے مریضوں کی یہ صورت نہیں ہوتی

تصور میں بھی تو آتا ہے تو سمٹا ہوا اے بت — چراتی ہے بدن تیری طرح تصویر کی تیری

مسجد میں بلاتا ہے ہمیں زاہد نافہم — ہوتا کچھ اگر ہوش تو میخانے نہ جاتے

امیر اک ذرا دیکھے بھالے ہوئے — محبت میں دل کو سنبھالے ہوئے

کس شرم بھری آنکھ کی ہے فکر الٰہی — جو سر مجھے زانو سے اٹھانے نہیں دیتی

نہیں گلہ وہ اگر میرے دل کا غم نہ سُنے — خدا تو ہے نہیں سنتا اگر صنم نہ سنے

پتا نہ قیس کا پایا کہیں ہزار پھری — تمام نجد میں محمل نشیں سوار پھری

وہ رنگ میں نے دکھائے تڑپ کے قاتل کو
میری نہیں نصیب تری حسرت دیدار
کلیاں نہیں پھولوں کی یہ دامن میں ہمارے
جنازے پر آؤ نہ تم گور پر
پہنچا ہے نازکی کا یہ رتبہ کہ یار نے
ہم فقیروں کو کہاں حوصلۂ وصل امیر
ہم قتل یوں ہوئے نہ کسی کو خبر ہوئی
ایسی دو دھڑکنیں ہوسکتی ہے الفت میں امیر
دلکی تڑپ یہی ہے تو ضبط امیر کب تلک
ہوں میں بیمار محبت کوئی مجرم تو نہیں
چھپتا ہے دل کا رنگ کہیں ضبط آہ سے
کہا یہ اس نے مجھ کو ذبح کرکے
ہے آسمان الٰہی کس دل جلے کا مدفن
ضبط دیکھو ادھر نگاہ نہ کی
کہو قضا نہ چڑھے بار بار منہ اسکے
ہاتھ ڈالا میں نے پر تو بولے ناز سے
نپایا ترے ناتواں کو تو لوگ
آنکھ کس کس سے ہار کی نہ ملی
اور اک بات حسینوں کی نرالی سنیے
کیوں گٹھریاں بھری ہیں منعم نے پیرہن کی
وہ کیا اٹھائے ہجر میں صدمے ملال کے

کہ موت گر دم سے ہوکے بیقرار پھری
دروازے سے تیرے مجھے جانے نہیں دیتی
آلودۂ خون کچھ ہیں گریبان کے پرزے
کس امید پر جی سے جائے کوئی
پہنیں جو چوڑیاں تو کلائی اتر گئی
مہربان اس کو جو پایا تو کبھی جا بیٹھے
قاتل کی آستین بھی لہو میں نہ تر ہوئی
دل بھی پہلو میں رہے یار بھی پہلو میں رہے
بے اختیار اک دن فریاد کر اٹھو گے
میرے گھر پر ہے طبیبوں کی چڑھائی کیسی
حسرت ٹپک رہی ہے ہماری نگاہ سے
تڑپنے دو یہ حسرت بھی نہ رہ جائے
اک شعلہ صبح ہونے اٹھتا ہے روز یا نسے
مر گئے مرتے مرتے آہ نہ کی
زباں دراز ہے تلوار میرے قاتل کی
میرا دامن چھوڑیے اپنا گریباں پھاڑیے
کفن رکھ کے تابوت میں لے چلے
نہ ملی مجھ سے پر کبھی نہ ملی
دیجیئے ان کو دعائیں بھی تو گالی سنیے
جائینگی ساتھ اسکے دو چادریں کفن کی
جس ناتواں سے لطف اٹھیں وصال کے

ساقی نے مست ہوکے جو کیں بے حجابیاں
جنبش نہیں سینے میں ہمارے رگِ جان کو
اپنے زخموں کے لیے مشک ہے مجھ کو درکار
زلفوں کے کوڑے باندھ کے مشکیں لگائیے
ہجر میں یاد تری زلفِ رسا آتی ہے
پوچھتا ہیں جو مسیحا کہیں مجکو ملتے
آگ سی دل میں پسِ مرگ بھری رہتی ہے
کرتے افشاں سے تمہارے جو ستارہ دیکھے
خندہ گل سن کے کہتا ہے وہ گلرو ناز سے
بے سبب نالاں نہیں میں یار کے در پر امیر
بجلی کی طرح پھرتی تھی محفل میں کوندتی
اتے ہو نہ جلاتے ہو کبھی عاشق کو
حال شب کو رخِ روشن پہ تمہارے دیکھے
صبا بھی ہو کے کبھی نامہ بر نہیں جاتی
کھ بار اُٹھتا ہے پر جاتا نہیں
وتی ہے تو صبح جدائی اگر ایسی
ب آؤ زندگی مستعار جاتی ہے
سمجھے ہم جو اُٹھا گردباد صحرا میں
وان ہے گل کی طرح یہ عہدِ شباب
بیقراریِ دل اب ہے گریہی ہوتی
جتنک گور میں لیلیٰ کو نہیں صبر و قرار

شرما کے مستی آنکھ کی پردے میں چھپ رہی
قاتل یہ ترے تیر کے پیکاں کی کھٹک ہے
بھیجئے ٹوٹے ہوئے بال جو ہوں گیسو کے
مختار ہیں حضور مرے بال بال کے
ہم کو دوزخ میں بھی جنت کی ہوا آتی ہے
دردِ دل کی بھی تمھیں کوئی دوا آتی ہے
گھانس کب تربت عاشق کی ہری رہتی ہے
چاندنی رات میں جھڑتے ہوئے تارے دیکھے
چوٹ لگتی ہے مرے دلپر تری آواز سے
آشنا کرتا ہوں اسکو درد کی آواز سے
کیا کہیے وہ نگاہ کدھر کدھر نہ تھی
نہ جفا آتی ہے تم کو نہ وفا آتی ہے
ہم نے یوسف کی طرح خواب میں تارے دیکھے
ہوا بھی اب تو اِدھر کی اُدھر نہیں جاتی
دردِ شاید دل میں میرے قید ہے
اللہ نہ دشمن کو دکھائے سحر ایسی
کرو نہ غمزے کہ فصلِ بہار آتی ہے
کسی کی روح کہیں بیقرار جاتی ہے
پلا شراب کہ ساقی بہار جاتی ہے
تو آج تک مری کاہکو زندگی ہوتی
میرے مجنوں مرے مجنوں کی صدا آتی ہے

وائے قسمت ہنتو لنگر ہی اُٹھانے میں ہے
پیشکش کرنا بھی لازم ہے بسمل کے لیے
مجھی پر چھری تیز ہے ناصحا
بڑا کریم ہے زاہد وہ بخشش ہی دیگا
فصلِ گل آئی ہے یوں ہم تم ملیں اے گلبدن
تیرے کوچے سے اب نہ گزریں گے
بُت ہیں نہ وفا کی بات پائی
آئی پیری قشقہ دھو زنّار توڑا اب اے امیر
زاہد وہم سے پوچھو قدر ان کی
غش آگیا کبھی کبھی آنکھیں بدل گئیں
دردِ بلبل خدا نہ سنوائے
زاہد کہے جو گزرے وہ بُت کبھی نظر سے
مجلس وعظ میں آنا تو نہ ممکن تھا امیر
ہستی و نیستی کا کھلتا نہیں ہے عقدہ
صبر آتا ہے نہ مجھ کو نہ اُسے آتا ہے
میرے بالیں پہ آکے بولی اجل
کیا غمِ عشق جان سے کم ہے
اک کنارے پڑا ہوا ہے امیر
دل نے کہا جو یار سے لپٹا میں وصل میں
میں تو سب اپنے کام خدا ہی کو سونپ دوں
شیخ حرم کا مشرب میں خوب جانتا ہوں

اڑ گئیں موجوں کی صورت کشتیاں احباب کی
سر لگا رکھا ہے میں نے تیغِ قاتل کیلئے
کبھی اُس کو جا کر نصیحت نہ کی
بساط کیا ہے ہم ایسے گناہگاروں کی
جیسے کلیاں نکلی ہیں شاخوں سے سر جوڑے ہوئے
ہم بھی ایسے نہیں گئے گزرے
بے عیب خدا کی ذات پائی
کیا اسی صورت سے جائیگا خدا کے سامنے
بت ملے ہیں خدا خدا کرکے
کیا کیا شبِ فراق میں نوبت گزر گئی
ہائے گل کی صدا نہ سنوائے
ساری خدائی صدقے ایک ایک بال پر سے
ہم کو تھامے ہوئے یاں دستِ سبو لایا ہے
آتے ہیں کچھ اُدھر سے جاتے ہیں کچھ اِدھر سے
دلکو سمجھاتا ہوں میں دل مجھے سمجھاتا ہے
اُٹھیے سرکار نے بلایا ہے
غم رہے جان کا کسے غم ہے
کچھ تمہارا غریب لیتا ہے
اے شوقِ وصل ہاں کوئی ارماں رہ نجائے
لیکن یہ خوف ہے کہ خدا بے نیاز ہے
لب پر صمد صمد ہے دل میں صنم صنم ہے

جانا اگر حرم کو ہے منظور اے امیر
تو میکدے سے راہ ہر سیدھی لگی ہوئی

سو رہا پھیر کے منہ یار شب وصل امیر
واہ کیا طالع خوابیدہ نے کروٹ بدلی

مسکرائے وہ اس ادا سے امیر
میں تو سمجھا کہ اب گری بجلی

ہم جس کے غم میں مرتے ہیں اُس کو ابھی تلک
یہ بھی خبر نہیں ہے کہ بیمار کون ہے

خواب میں بھی وصل اب اُس سے جدائی ہو گئی
آنکھ میری کیا کھلی تقدیر میری سو گئی

اُسکو بھی ہجر میں نہ تھا ہماری خبر
کمبخت موت آج کہاں جا کے مر رہی

بیٹھے جو میرے سینہ پہ خنجر وہ کھینچکر
سمجھا میں آئے ہیں مرے ارماں نکالنے

جا کر کہیں گے حسن کے بازار میں امیر
ہم دل کو بیچتے ہیں خریدار کون ہے

آپ سے بُلبل نکالتی ہے کہیں گلزار سے
بیکسی ہم کو لیے جاتی ہے کوے یار سے

چمن میں مری خاک اگر جائے گی
تو بلبل ندامت سے مر جائے گی

ترے بس میں ہے بوے گل اے نسیم
جدھر جائیگی تو اُدھر جائے گی

نہ دیکھا تو نے اے لیلی کبھی چشم محبت سے
ہرن جا جا کے آنکھیں ملتے ہیں مجنوں کی تربت سے

نقش تُربت سے ہوں آفت میں امیر
مٹ چکے پہ بھی کہیں جھگڑا مٹے

وحشت فرقت میں پڑی ہے مجھ پہ کیا مشکل کڑی
دن بہت کم رہ گیا ہے اور ہے منزل کڑی

پاس یکتائی کا اُس شوخ کو ایسا ہے امیر
گھر میں ہو آئینہ تو گھر کی طرف منہ نہ کرے

سمجھائیں مجھ کو ناصح لیکن ذرا سمجھ لیں
وحشت کی میں بھی لونگا مجھ کو جنوں کبھی ہے

بیخودی یار کا پتا دے گی
بے نشانی نشان بتا دے گی

بیٹھے جاتے ہیں وہ ہار یاسمین کے بوجھ سے
اُٹھ نہیں سکتی کلائی آستیں کے بوجھ سے

کیا مجھی کو دیکھ کر حیرت ہوئی
دیکھو آئینے کی کیا صورت ہوئی

بوسے وہ شب وصال مجھ سے
اس شوق کی انتہا بھی کچھ ہے

ترے کوچے میں ہیں سر بکف پر قرق ہو اتنا
کوئی ہے دو قدم پیچھے کوئی ہے دو قدم آگے

منہ سے جو آہ نکلی وقتِ وداعِ قاتل — بولا کہ تیر مارے تب آفریں نہ نکلی

دل تہ بازار میں بنگا ہی نہ سستا چھوٹے — کھو ہی جائے کہیں کمبخت کہ جھگڑا چھوٹے

دشتِ وحشت ہیں آدمی کیسا — سیکڑوں کوس ہو گئے نہ ملے

ہم سے مجنوں کو سرے کی طرح — تیری چتون نے لگا رکھا ہے

دل جو تڑپا تو آنکھ کیوں روئی — بیٹھے بیٹھے اسے یہ کیا سوجھی

مکاں سے سوئے لامکاں لے گئی — یہ وحشت کہاں سے کہاں لیگئی

کوئی امیر ترا دردِ دل سنے کیونکر — تو ایک بات کہے اور دو گھڑی روئے

وصل دل کھول کر ہوا نہ نصیب — تو ملا تو کمر تری نہ ملی

چڑھ کے منبر پہ ہجو سے واعظ — اور جوشن لے کوئی خدا باقی

آنسو تو بہاتا ہوں مگر ڈر ہے مجھ کو — دھو جائے نہ تن سے کہیں خاک اسکی گلی کی

وصل کی گل سے کوئی راہ تو نکلے صبا — و بیچ ہی ڈال مجھے ہاتھ کسی گلچیں کے

منتیں کس کس سے لیں قاتل ترے نخچیر نے — چلّے کھینچے تیر نے سجدے کئے شمشیر نے

دردِ دل کہیے تو کہتا ہے وہ شوخ — ایک ہی تم کو کہانی یاد ہے

مشتاق بوئے زلفِ رسا کا دماغ ہے — تیرا بھی اے امیر بلا کا دماغ ہے

چاک چاک ایسا ہوا دستِ جنوں سے پیرہن — کچھ نہیں کھلتا گریباں کون دامن کون ہے

شریک درد نہیں کوئی بڑھ کے آنکھوں سے — کہ ایک روتی نہ ہے جب دوسری بھی روتی ہے

آستیں یار نے چڑھائی ہے — وقتِ تقدیر آزمائی ہے

کس نگہ سے تم نے دیکھا تھا امیر — روتے روتے ان کو ہچکی لگ گئی

جنبش ہوئی جو نوکِ مژہ کو وہاں امیر — اک پھانس سی یہاں مرے دلمیں کھٹک گئی

تو وہ جنت ہے کہ تجھے ساری خدائی چاہے — بندہ اللہ سے کس کس کی برائی چاہے

آنکھ ابھی یاد میں اک گل کی لگی ہے میری — دو گھڑی مجھ کو نسیم سحری سونے دے

کہا جب اے صنم جلوہ دکھا دے
پوچھا نہ جنس دل کو بازار میں کسی نے
ضعف کی کچھ کہی نہیں جاتی
راتوں کو کہا کرتا ہے بلبل سے یہ صیاد
چھڑک کر میرے زخموں پر نمک قاتل یہ کہتا ہے
لگاؤں دور سے تلوار وہ قاتل یہ کہتا ہے
زبانِ شمع کہتی ہے کہ میں تجھ کو جلا دوں گی
کیا کہتے ہو تم زبان سنبھالو
تنہا مرے پاس شب کو آئیں
آپ ہی جل رہے ہیں پروانے
جب دل کو کہا ان سے کہ وہ بات نہ ہوگی
سمجھانے میں تو حضرت ناصح کی ایک نہ
چمن میں نالۂ بلبل سے بے دماغ ہیں سب
مطلب کی بات منہ تک آتی نہیں کبھی
پوچھے کوئی فلک سے کہاں قیس و کوہکن
کہتا ہے کون گرد سواری کے گرد ہے
جب کہا میں نے بتو کیوں مجھے کرتے ہو شہید
کرتے ہو ساتھ چاک مرا تیر کے لیے
اسکی پروا کچھ نہیں تکلیف یا آرام سے
صبر آتا ہے مرے دل کو نہ تو آتا ہے
عشق اب ہم کو خاک باقی ہے

تو وہ بولا کہ یہ دولت خدا دے
سو بار لیگئے ہم سو بار پھیر لائے
سانس بھی اب تو لی نہیں جاتی
ظالم تری فریاد تو سونے نہیں دیتی
نمک سے پاٹ دوں میں آج میرا دل یہ کہتا ہے
لپٹ جاؤں میں جوہر بن کے میرا دل یہ کہتا ہے
میں کب ٹلتا ہوں پروانہ سر محفل یہ کہتا ہے
یہ بھی کوئی گفتگو کا ڈھب ہے
اتنا مرا اعتبار کب ہے
شمع کی سرگذشت کون سنے
بولے کہ ٹھہر جا ابھی کیا رات نہ ہوگی
کچھ خود ہی وہ کہا کیے خود ہی سنا کیے
نہ آپ سوئے نہ ظالم کسی کو سونے دے
اک بات ہے کہ میرے دہن میں زبان ہے
دو اک جو تھے نمود کے عاشق وہ کیا کیے
مجنوں کی خاک محمل لیلے کے گرد ہے
ہنس کے کہنے لگے اللہ بھی اک کام سہی
اللہ میرے دل سے بھی پیکاں عزیز ہے
اے غم جاناں مجھے تیری خوشی سے کام ہے
رات دن اب مری آنکھوں سے لہو آتا ہے
اک ذرا سمجھا نک تاک باقی ہے

بہت بقا نہ سمجھ اسے ہزار پھولوں کی
کنگنی ہیں یار کی جب تلک کہ مرجھائیں گے
سمجھ ہیں گھبرا کے جا نکلے جو ہم
دست ساقی سے جو میں کچھ جام لینے میں رکا
میں رو دیا جو امیر انکے مسکرانے پر
گیا دل تو لیکن یہ منزل کڑی ہے
آپ ہی تم امیر کھوئے گئے
کہا اس بت نے قتل الحمد للہ
عشق میں انجام ہے میری سیہ بختی کا کیا
خنجر کا ذوق شوق شہادت کا جوش ہے
سینہ کی جا نہیں ہے جو وہ خود فروش ہے
جب دیکھتا ہوں یار کے بند قبا کھلے
پیر تاب تشنہ پانی ہے بعد مردن بھی
گم ہو گیا ہوں یار کو میں نامہ بھیجکر
میرے بالیں پہ رو لی ہے حسرت
وہ تیر ملکہ کہیں آ نکے سب بیٹھے ہیں
تیرے در تک تو لایا ہے ہمیں شوق
اسواسطے مرتا نہیں ابجان ابھی تک
ڈالی پھولوں کی اک سہرے حضور آتی ہے
سنتے ہیں وصل میں ہم ہوں تم کروٹ اس کی
[illegible]

گر چار دن ہے چمن میں بہار پھولوں کی
ہزار ہم گئے گزرے ہیں پر نہ جائینگے
قیس بولا پیر و مرشد خیر ہے
غیب سے آواز آئی یہ شب آدینہ ہے
یو بولے آپ الی میری ہنسی نہیں ہوتی
ابھی عشق میں جان کھونی پڑی ہے
یار کی جستجو کو نکلے تھے
یہی تو ہم خدا سے چاہتے تھے
یار زلف شانہ میں سے اپنی اپنا پوچھے
سر کی مجھے خبر ہے نہ گردن کا ہوش ہے
جوبن کا ہے ابھار جوانی کا جوش ہے
کہتا ہوں یوں ہی دلکی گرہ یا خدا کھلے
اُگے ہیں خاک سے کانٹے زبان نکالے ہوئے
قاصد پھرے ادھر سے تو پائے کہاں مجھے
عشق میں مرگ نوجوانی ہے
جگر کو تھامے ہوئے دلکو ہم سنبھالے ہوئے
یہاں سے گھر تلک اب کون پہنچائے
بیداد کا تم کو کوئی ارمان نہ رہ جائے
نکہتی سے مجھے بوسے غرور آتی ہے
غدار ہنسنے کی بات مشکلوں سے ہنسنے والی ہے
کسر و [illegible] نام مشتاق ہے

غمِ ہجر سے کوئی اتنا تو پوچھے
جو بہت اشک بہانے کی بری ہوتی ہے
پھر تو نے امیر اُس سے کی بات
ایسی کیا بات کہہ اُٹھے تم امیر
دونوں ہیں ادھر ہی سے گر فرق ہے تو اتنا
انسان جو چاہے کہ نہ ہو اس کو کبھی رنج
آزردہ غیر سے ہوئے وہ مجھ کو گالیاں
پی کے آپ شمشیر ہے اب تک وہی پیاس
عجب بیخودی ہے خبر کچھ نہیں
نہ رہنے نہ جانے کی ہم کو خبر ہے
نامہ بر یار کے آنے کی نہیں کہتا ہے
سارا جہاں ہے گویا تصویروں کا مرقع
کٹ کے سر میرا جو قدموں پر گرا
تا جوانی ہوش تھا پیری میں غافل ہو گئے
ہے یہی قتل کی لذت تو مجھے اے قاتل
یہ دل نے کنجِ قناعت سے آشنائی کی
جان جاتی ہے غمِ الفت میں کسی کے لیے
وہم جو نکلا غمِ فرقت میں تو ہم یہ سمجھے
جگر پنکھا ہلاتا ہے جو دل سینے میں جلتا ہے
بالائے آسمان تھے ہم عرش آشیاں تھے
خاموش ہیں لحد میں جو لوگ خوش بیان تھے

کلیجہ مرا کیوں نکالتا ہے
دیکھ اے چشمِ تر ایک ہی بہا سی ہوتی ہے
سو جانیں ابھی سنا چکا ہے
کہ کسی طرح پھر بتا نہ سکے
تقدیر بنا دی ہے تدبیر بتا دی ہے
زنہار کسی سے کوئی امید نہ رکھے
کس سے کہہ رہے ہوئے تھے وہ کس پر برس پڑے
منہ سے باہر ترے کشتے کی زباں نکلی ہے
کہاں سے ہم آئے کہاں جائیں گے
یہ کیسی اقامت یہ کیسا سفر ہے
ایک بھی بات کو ڈر کا نے کی نہیں کہتا ہے
اس بزم میں کسی کو پرواہ نہیں کسی کی
گر پڑے آنسو مرے جلاد کے
رات بھر جاگا کیے ہم صبح ہوتے سو گئے
حشر کو بھی تری فریاد نہ کرنے دیگی
کہ ہاتھ اُٹھا کے دعا کی شکستہ پائی کی
دل ترا چشمک سے لیے جاتا ہے دوست کے لیے
دل جو روٹھا تو منانے کے لیے جان گئی
جو ہمسایہ ہے آخر کام کچھ اُس سے نکلتا ہے
کوئی نہ تھا وہاں تھے اب کیا کہیں کہاں تھے
غنچوں سے وہ دہن ہیں بلبل کی جو زباں تھے

دیکھا خزاں میں ہم نے بلبل کے آشیاں کو — دو چار پر شکستہ دو چار استخواں تھے

کمزور پا کے ہم کو کیا بل کی لے رہے ہو — ہم بھی تو نوجوانوں آخر کبھی جواں تھے

پہنچے جو ہم عدم کو اہل حرم یہ بولے — مدت کے بعد آئے اتنے دنوں کہاں تھے

میں نہ کہتا تھا فغاں کی مجھ سے فرمائش نہ کر — باغباں سب پھول مرجھا کر چمن میں رہ گئے

کچھ تو میرے درد دل نے اسکے دل میں راہ کی — بیٹھے بیٹھے آج اس بیمار رونے اک آہ کی

دی مجھ کو محبت اک پری کی — اللہ نے بندہ پروری کی

ہر روز میرے منہ پر ہنستے ہیں دوست دشمن — رونے ہر گھڑی کے سب آبرو ڈبو دی

مجھکو حیرت ہے کہ دنیا کی تو فانی ہے بہار — نخل حسرت کسطرح اس چمن میں رہ گئے

جو وہاں جاتا ہے پھر اسکی خبر ملتی نہیں — نامہ بر کے واسطے بھی نامہ بر درکار ہے

بہار اس رخ رنگین کی لوٹتا ہے خط — ہم ایک عمر سے ہیں جسپہ زہر کھائے ہوئے

ترے چاہنے والے مر جائیں گے — یہ ناکام بھی کام کر جائیں گے

مسند دیکھوں میں مقتل میں اجل کاٹے ہوتے — اے خنجر قاتل تجھے غیرت نہیں آتی

چھانتا ہوں تری گلی کی خاک — دل مرا ہے یہیں ملے نہ ملے

بجائے دختر رز میکدہ میں حور آئے — جو توبہ توڑوں تو آواز یا غفور آئے

جب آتا ہے غش ہم کو آتا ہے دھیان — امیر ایک دن یونہی مر جائیں گے

جب میں کہتا ہوں غضب ہے ترا کھڑا کیا ہے — ہنسکے کہتا ہے ابھی آپ نے دیکھا کیا ہے

کوئی دم بے تکلف ہو کے مسندوں میں اگر بیٹھے — تو جو کچھ عرش پر ہے دیکھ لے زاہد وہ گھر بیٹھے

امیر اتنا جو ہوں میں پست قسمت وجہ ہے اسکی
بلندی بخت کے حصے کی بھی اشعار میں آئی

تمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہاتھ رکھ کر مرے سینے پہ جگر تھام لیا
تم نے اس وقت تو گرتا ہوا گھر تھام لیا

آج تو ہے اس کی فرقت میں بلا کا سامنا
آگیا قاتل توکل ہوگا خدا کا سامنا

اُڑائے پرزے تو قاصد کو ناگوار ہوا
میں خوش ہوں ایک سے نامہ مرا ہزار ہوا

صد شکر ہم سے آج وہ شاکبِ قمر کھلا
انگڑائی لی تو سمجھے کہ مقصد کا در کھلا

وحشت میں کہاں اب کوئی ہمپایہ ہے میرا
سب چل دیے ہمزاد ہے یا سایہ ہے میرا

گڑ کر زمیں میں ظلم سے بچنے کا دھیان تھا
دیکھا تو زیرِ خاک وہی آسمان تھا

راہ بتلا دی عدم کی خضر منزل مل گیا
گھر سے اچھے وقت نکلا تھا کہ قاتل مل گیا

بعد مرنے کے لگی ہاتھ دوا بھی تو کیا
مُردہ تشنہ جو دریا میں بہا بھی تو کیا

کیف حاصل ہو لگے داغ نہ میخواری کا
مستیٔ عشق بڑا کام ہے ہشیاری کا

بیداد تھی شوخی تھی جفا تھی کہ ستم تھا
ہوتی جو وفا آپ جو کچھ تھا وہ کم تھا

جان کر دوست وہ ہوئے شاکی
چاہیے شکر اس شکایت کا

دھیان کیوں فرقت میں باندھا اس لبِ جانبخش کا
وائے قسمت دم نکلنے کا سہارا بھی گیا

تم نے ہم سے بیوفائی کی تو تم سے حسن سے
لے گئے مسجد سے مجھ کو مغبچے
کب گیا دل سے حسینوں کا خیال
برسوں کعبے میں رہے جا کے کلیسا کیسا
مانگ بالوں میں نکلواتے ہیں اب غیر سے وہ
بستر خواب کو دیکھو کہ ہے ٹکڑے ٹکڑے
ہار اس گل کا مرے ہاتھ سے ٹوٹا ہیہات
احسان یہ وقت گریہ ہے تیرے خیال کا
خم توڑ کر بنائے بہت ساغر شراب
قبر کھودی تو مگر یہ مری وحشت سے ڈرا
یوں شب ہجر میں کرتے ہیں غلط غم اتنا
شہر بیگانہ میں ہوتا ہے مسافر کا جو حال
میں انجمن میں حسینوں کی تازہ آیا ہوں
فریب اور کسی کو یہ جا کے دے قاصد
خط وطن کو لیے جاتا ہے تو لیجا قاصد
ہچکیاں لیتے ہیں مقتل میں ترے بسمل ناز
قاصد کو خواب دیکھ کے شاید ہے سودا
پوچھو نہ مجھ سے جا کے حسینوں میں دل کا حال
ساتھ طاؤس کے صحرا میں کیا قیس نے رقص
ہے دور رونے یار میں غائب سراغ شب
گستاخ کس قدر ہے کہ محفل میں یار کی

وہ بڑا عادل ہے دیکھا انتقام آخر ہوا
توبہ توبہ میں پکارا ہی کیا
شیشے میں پریاں اتارا ہی کیا
ملا ڈھونڈ چکے ہم اسے کیسا کیسا
ہے جو منظور مرا چاک گریباں ہوتا
حال کیا پوچھتے ہو ہجر کی بیتابی کا
ساتھ ہی کیوں نہ مرا تار نفس ٹوٹ گیا
دریا میں ڈوبتا تھا نکالا کرم کیا
مستوں پہ محتسب نے نرالا کرم کیا
اپنی چادر بھی یہیں وزد کفن چھوڑ گیا
مردہ خود بنتے ہیں خود کرتے ہیں ماتم اپنا
ہے حسینوں کے محلے میں وہ عالم اپنا
خبر نہیں ابھی کس کا مزاج ہے کیسا
وہ اور صلح کا پیغام ہو نہیں سکتا
پر مرا حال نہ یاران وطن سے کہنا
یا کسی بزم میں محبت ہے خوش آوازوں کا
آیا در جاناں سے مگر کچھ نہیں کہتا
آپس کی چھین چھان میں صد چاک ہو گیا
ابر تیرہ کو سیہ خیمہ لگائے دیکھا
باقی ہے اب تو ماہ کے سینے میں داغ شب
خاموش صبح تک نہیں ہوتا چراغ شب

ممکن نہیں کہ بوسہ ملے مجھ کو یا جواب
مشکل کی بات ہے دہن اُسکا ہوا جواب

مجھ سے مسکین کے پاس رہتا ہے
کتنا مسکین نواز ہے غم دوست

شب وصل کی نہیں ہے یہ گویا ہے روزِ حشر
جنت ہے رو سے دوست جہنم ہے خوئے دوست

اشک دامن سے یار نے پوچھے
کچھ تو آنسو پچھے ہمارے آج

کیسے ہے وصل کی خواہش ترے خیال کے بعد
کہ حشر تک نہیں پھر ہجر اس وصال کے بعد

خوشی کا رنج ہے مجھ کو ملال کی ہے خوشی
کہ رنج ہے پس راحت خوشی ملال کے بعد

خبر آمدِ گل کیسی سنائی صیاد
یونہی ہم جلتے تھے اور آگ لگا ئی صیاد

ہو کو سنے اُنکے جو صدمہ ہو جان پر
خوش ہوں کہ میرا نام تو آیا زبان پر

روسیاہِ جرمِ اُلفت بے قصور آیا نظر
سطرِ قرآن کی طرح ظلمت میں نور آیا نظر

اے دشمنِ جان خوف تیری تیغ سے کھا کر
آئی ہے اجل چشمۂ حیواں میں نہا کر

کرے قبول اگر کسی مجرم کا یار عذر
ناکردہ جرم جاکے کروں میں ہزار عذر

آیا عشق اُسکے سامنے پروردگار شکر
پانی تو منہ پہ یار نے چھڑکا ہزار شکر

مقامِ شکر ہے ممتاز غیروں سے کیا اُسنے
گناہوں پر سزا دی ان کو مجھ کو بیگناہی پر

نیرنگیِ عالم میں کبھی فرق نہ پایا
دیکھا تو وہی صبح وہی شام ہے ہر روز

کہیں مٹتے ہیں ہمارے دلِ مایوس کے داغ
ہونگے مرہم سے نہ اچھے کبھی طاؤس کے داغ

خفا کہ دو جہان میں ہے ذات اللہ ایک
دو آنکھیں جسطرح کہ ہے ان میں نگاہ ایک

وہی دلبر ہے ہو جو دلربا ایک
ہزاروں بُت ہیں عالم میں خدا ایک

اُس در پہ سجدہ کرکے یہ دربان سے کہہ لیا
مسجد یہاں سے دُور ہے وقت نماز تنگ

کہا ہیں سنکے کہ تم پر جان دوں میں
کہا یہ بھی ہے کیا دینے کے قابل

ہم کو پروا نہیں چبھ لے ہیں جو گلزار میں گل
نوکِ مژگاں پہ ہیں یاں لختِ جگر خار میں گل

لٹ گئے ایسے جفاکار تیرے جور سے ہم
چار ہی روز میں کچھ اور ہوئے اور سے ہم

ہے قصہ شب غم میں کریں دل ہی سے باتیں
پھر کہتے ہیں دیوانے سے کیا بات کریں ہم

دن گیا رات گئی رات ہوئی دن آیا
نہ ہوئی پر نہ ہوئی گردش ایام تمام

دن نہیں رات نہیں صبح نہیں شام نہیں
رہ گئی ایک نہیں ہاں کا کہیں نام نہیں

بازو موئے مژۂ یار رلا دیتی ہیں
چبھ کے پھانسیں جو مرے دل کو مزا دیتی ہیں

دیکھنے کو تمہیں اے اہل عدم آتے ہیں
خیر اگر تم نہیں آتے ہو تو ہم آتے ہیں

کہیے شوخی وہ جس میں شرم کے انداز ہوں
پھاڑیے کپڑے مگر بیباک بے آواز ہوں

مرگ مجنوں سے ہے ماتم اب بھی برپا دشت میں
خاک اڑاتے ہیں بگولے سر پہ کیا کیا دشت میں

آیا ہے یار سامنے لازم ہے غش کروں
ہوش و خرد جو کچھ ہے وہ سب پیشکش کروں

رحم کرنا تو جفا کاروں کا دستور نہیں
ہاں اگر درد ہو میرا سا تو کچھ دور نہیں

ملال کس سے کہوں کوئی آس پاس نہیں
شریک غم فقط اک دل اسے ہواس نہیں

ہر چند نہیں وصال ممکن
وہ چاہے تو ہے محال ممکن

امید جواب کی ہو کیا خاک
جب اس سے نہ ہو سوال ممکن

پی کے مے ان واعظوں سے عذرخواہی کیا کروں
بوئے مے آتی ہے ہونٹوں سے الٰہی کیا کروں

اٹھا کے تلوار جو قاتل کی فغاں کرتا ہوں
لذت زخم رقیبوں سے نہاں کرتا ہوں

بزم جاناں سے میں کب جاتا ہوں
روز کہتا ہوں کہ اب جاتا ہوں

کبھی وہ دن تھے کہ خورشید بنا ہیں
اب تو سائے سے بھی دب جاتا ہوں

ہجوم رنج ہے اس کا خیال کچھ بھی نہیں
ملال یہ ہے کہ اُن کو ملال کچھ بھی نہیں

میں بھی اب امتحان یار کروں
چاہیے ضبط اختیار کروں

بعد مرگ آتے ہیں وہ تربت پر
اب کہاں جان جو نثار کروں

دل بھی ہے انتظار یار میں گم
اب کہو کس کا انتظار کروں

حالت سے دل کی میں اُسے آگاہ کیا کروں
طاقت ہے آہ کی بھی نہ ہو آہ کیا کروں

عادت ہے مجھ کو آہ کی نازک مزاج یار
آتا ہے یہ دل میں اُسے ناصح کو دکھادوں
بے دیکھے برہمن کو ہے انکار ہیں حیران
پیری ہیں ہیں یوں عشق کے داغ اپنے بدن میں
رشتہ بر پا مجھے صیاد نے آزاد کیا
رہنے دیتا نہیں صیاد بھی اپنے گھر میں
دل سے کہتا ہے تصور یار کا
جائے میخانہ بنی ہے مسجد
مانگے کیونکر دعا ے طولِ عمر
جان کر غیر بلایا جو مجھے میں آیا
سب بلاؤں سے چھڑایا ہے جنوں نے مجھ کو
حیاتِ جاودان ہے اُن پہ مرنا
کیوں کہوں اُن سے کہ چھوڑو شیوۂ جور و ستم
کام آیا ضعف ہی کو ے بُتِ دلخواہ میں
سُنی ایک بھی بات تم نے نہ میری
کبھی ذکرِ دشمن کبھی ذکرِ فرقت
لیا نام واعظ نے جب اُسکے در کا
نکالا اُس نے اس حیلے سے ہم کو اپنے کوچے سے
اُس کوچے میں کچھ رہرووں کے نقشِ قدم ہیں
آٹھ اللہ نے جنت کے بنائے گلزار
مرد مفلس تھے جو ں مرے اشکِ مسلسل ہو قبول

ہے وصل میں یہ سوچ کہ اللہ کیا کروں
پر رشک جو مانع ہے جواب اُسکو کیا دوں
اللہ کوئی بت تو نہیں ہے کہ دکھادوں
گل کھِلتے ہیں صبح کو جس طرح چمن میں
تا اُلجھ کر کسی کانٹے سے بیاباں میں رہوں
ایسی تقدیر کہاں ہے کہ گلستاں میں رہوں
تو مصوّر ہے تو میں تصویر ہوں
کبھی گھُورے کے بھی دن پھرتے ہیں
منہ کی مانگی موت بھی ملتی نہیں
اپنے دھوکے پہ خفا ہوں میں گنہگار نہیں
لاکھ اب مجھ سے خطا ہو میں گنہگار نہیں
مرے دشمن نصیب دشمناں کیوں
ترکِ عادت ہے عداوت بن گئی دشمن نہیں
سایہ کے ہمراہ گرکر چھپ گیا میں راہ میں
سنیں میں نے سارے زمانے کی باتیں
یہ سب ہیں مرے آزمانے کی باتیں
کہاں میں نے اب ہیں ٹھکانے کی باتیں
چلو جلدی کرو ساماں دعوت کا ہم آتے ہیں
کچھ طالبِ دیدار بچھا آئے ہیں آنکھیں
ہے نواں داغوں سے گلزار مرے سینے میں
اور ہیں موتیوں کے ہار کہاں سے لاؤں

قاضی کے سامنے ہیں اگر مست ہوں تو ہوں — خدمت میں میفروش کے ہشیار تو نہیں

کہاں کوئی محرم کہوں کس سے غم — کہ غم کے سوا کوئی محرم نہیں

دعاے مرگ فرقت میں جو مانگی — محلّے والے چلاّتے کہ آمین

اس رشک کا بُرا ہو کہ گلیوں میں خلق سے — کہتا ہوں تجھ کو میں یہ مرا دلربا نہیں

دل مکدر ہے بہت بیٹھا ہے آہیں تیر بار — ہے یہ دھڑکا زنگ لگجائے نہ پیکاں میں کہیں

ٹھہر ٹھہر کے ذرا لے چلو مرا تابوت — کہاں امید کہ پھر آؤں کوئے قاتل میں

بعد مرگ آسودگی کیسی کہ سو سو بار ہم — مرچکے ان خوب رویوں پر مگر راحت نہیں

تیرے وعدے پہ شاد ہوں کیونکر — اپنی قسمت کو جانتا ہوں میں

ہوئے زاہد مرید پیر مغاں — واہ مرشد کو مانتا ہوں میں

فقط دو ہاتھ سو ہے ایک میں جام ایک میں شیشہ — کہاں وہ ہاتھ ہے اب جو پڑے ساقی کی گردن میں

کریگا قتل آخر رشک مجھ کو قتل ہونے میں — شفاعت کے لیے کیوں لوگ اسکے پاؤں پڑتے ہیں

جان دی تب ملی مجھے راحت — موت سے کچھ میں شرمسار نہیں

اس جرم پر بجا ہے سزا دے جو مجھ کو ہجر — جیتا رہا میں لذت روز وصال میں

فقط غرض کی ہے دنیا کہ جب نکلتی ہے جان — عزیز مردے کو گھر سے نکال دیتے ہیں

غافل مری طرف سے ایسے جو ہو رہے ہو — آنکھیں تو کھولو صاحب کس نیند سو رہے ہو

قاتل کا جب تمام زمانہ شریک ہو — اللہ ہے کہ فیصلہ بسمل کا ٹھیک ہو

آہ کرنے پہ کیوں بگڑتے ہو — تم تو صاحب ہوا سے لڑتے ہو

درپئے دشمنیٔ عاشق ناکام نہ ہو — خوبصورت ہو خدا کے لیے بدنام نہ ہو

خوشی ہو نزع میں بھی پاس آس پاس نہ ہو — کہ دیکھنے جو وہ آئے کہیں اداس نہ ہو

مہر و وفائے غیر کا پیچھے گمان کرو — ترچھی نظر سے پہلے ذرا امتحان کرو

نہیں گھیرا ہے پاؤں نے یہ چشم مست دلبر کو — لیا ہے دونوں ہاتھوں سے کسی میکش نے ساغر کو

جاں بخش لب سے فیض جو ملجائے آپ کو
جھکنے میں سر کے دیر نہ تیغ کیں نہ ہو
منکر گوشہ نشینانِ خرابات نہ ہو
ہمنشینوں سے یہ ایما ہے نہ پاس آنے دو
پہلے زلفوں کو سنگھا کر مجھے بیہوش کرو
بھر سے آتے ہیں آنسو میرا حالِ زار دیکھو تو
عیادت کیسی اتنا بھی کبھی منہ سے نہیں کہتے
سناؤں کیا انہیں نالے میں اپنے راتوں کو
آپ کو دیکھتے چلتے ہیں وہ جوبن اپنا
شبہ کرتے ہیں وہ جب رکھتے ہیں دربان نوکر
ضعف سے پاؤں کا وہ حال کہ جنبش ہے محال
ناز ہے تم کو بہت حسن کی یکتائی پر
داد سروار ہیں کرتا ہے مجھی سے وہ طلب
یوں بھی آتا ہے کہیں کوئی کہ میرے گھر میں
لاغری کا ہے یہ احسان کہ میں اس محفل میں
یار کے ذکر سے ناصح نے لگائی اور آگ
دیکھیے کہاں تھے ایسے حسینوں کے جمگھٹے
دل منعم و تقدیر کے بدلا کرے اے سپہر
ملتا ہے مشقت سے ترا دامنِ دولت
خدا کرے کہیں تو اے صنم سفر سے پھر
ضعف سے کچھ بھی چل نہیں سکتی

طوفان میں عمرِ نوح ہر حباب کو
وہ شوخ زود رنج ہے چیں بر جبیں نہ ہو
کہ یہی گوشہ کہیں قبلۂ حاجات نہ ہو
حکم دربانوں کو باہر نہ اسے جانے دو
پھر مرے سینے سے تم تیر کا پیکاں کھینچو
اٹھا ہے آج کیسا ابر دریا بار دیکھو تو
جہاں سے اٹھ گیا عاشق کہ ہے بیمار دیکھو تو
وہ دل میں خوب سمجھتے ہیں ایسی باتوں کو
دیکھتا ہوں میں تو کہتے ہیں کہ کیا دیکھتے ہو
بھیس بدلے ہوئے ان میں کوئی چالاک نہ ہو
ہاتھ وہ جن سے گریباں بھی کبھی چاک نہ ہو
اک ذرا آئینہ خانے میں تو چلکر دیکھو
قدردان زخم کا سمجھا ہے جو قاتل مجھ کو
پاؤں رکھا نہیں کہتے ہو کہ گھر جانے دو
روز جاتا ہوں خبر تک نہیں دربانوں کو
یارب آیا تھا تسلی کو کہ تڑپانے کو
محشر کا روز اور الٰہی دراز ہو
اس کو کبھی خوشی کبھی اس کو ملال ہو
بے تو ڑے ہوئے پاؤں یہ آتا ہی کہاں تک
کہ جاں بلب ترا عاشق خدا کے گھر سے پھر
آہ منہ سے نکل نہیں سکتی

یہ غش ناتوانی سے آنے لگے | کہ پانچوں حواس اب ٹھکانے لگے

ایسا ہے کون اُسکو جو میری خبر کرے | اک آہ ہے سو وہ بھی جو پیدا اثر کرے

ہیں بڑے بیدرد یہ بت کس کے آگے روئیے | خاک بھی ہونا نہیں ہے آبرو کیوں کھوئیے

ٹالتے ہیں روز وہ پر دل مرا مسرور ہے | آج کل کب تاک کرینگے کیا قیامت دور ہے

کیا مزہ انجمن یار میں دل پاتا ہے | ذلتیں روز اُٹھاتا ہے وہیں جاتا ہے

خوشی نظر کہیں اندوہ و یاس میں آئے | اجل ہی کاش پری کے لباس میں آئے

گلا کٹا نہ ذرا اُف بھی داد خواہ نے کی | چھری وہ تیز تری سرمگیں نگاہ نے کی

ہجر میں نیند کا جھونکا اگر آجاتا ہے | پھر کوئی خواب میں ٹھوکر سے جگا جاتا ہے

فوج بہار باغ سے گرم شتاب ہے | کھالے سے جو شجر ہے وہ پا در رکاب ہے

اب یہ حالت ہے کہ واقف ہو کوئی حال زار سے | میرے دشمن کرتے ہیں میری سفارش یار سے

عشق سے پیری میں بھی کچھ لاگ باقی رہ گئی | کاروان عمر گزرا آگ باقی رہ گئی

ہے دختر رز حلال تجھے کیا تمیز ہے | واعظ یہ زر خرید ہماری کنیز ہے

جان سمندر دل پروانہ دے مجھے | اے سوز عشق ہمت مردانہ دے مجھے

دل چرایا ہے مرا پر وہ خجل کتنا ہے | فق ہوا جاتا ہے منہ چور کا دل کتنا ہے

ناتوانی کی ہم پہ تہمت ہے | ناز اُٹھانے کی اب بھی طاقت ہے

وہ دوپہر کو گھر سے ہمارے نکل گئے | ہم دن ڈھلا تو گور کے سانچے میں ڈھل گئے

یہ نکلا نتیجہ جو آئے گئے | کہ اس در پہ بیٹھے اُٹھائے گئے

یہ بھی اک بات ہے عداوت کی | روزہ رکھا جو ہم نے دعوت کی

کچھ کام نہیں ہے اُنہیں فریاد رسی سے | رونیکا سبب کرتے ہیں دریافت ہنسی سے

دل ہے پروانہ مرا پر وصل سے مایوس ہے | شمع تو ہے چار دیواری تری فانوس ہے

یار نے آئینہ دیکھا دشمن دل دو ہوئے | شکل کیا اب جان بچنے کی کہ قاتل دو ہوئے

شمشیر آبدار کہ اُس کا نظارہ ہے
جاری ہے لین دین یہ رسم زمانہ ہے

میرا جگر تو کانپ گیا اُس نگاہ سے
مرض میرا ے افزوں یہ ہوتے گئے

دیوانگانِ زلف کا کب کام بند ہے
دیکھے جو میری آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے

کھلیں پلکیں نگہ اُس چشم افسوں ساز سے نکلی
پردہ اُلٹ کے جب وہ دیدار عام کرتے

تیز یوں دل ترے کوچے کی طرف جاتا ہے
شمع کو کس کی تجلی یہ نظر آتی ہے

دل اُس کا نرم کیا یہ دلِ نوحہ گر کرے
لٹک کر زلف نے کیا حسن ساقوں میں چھپایا ہے

کیا تغافل ہے کہ سمجھا بار بیگانہ مجھے
وہ ہم نازک دلوں کو آنکھ دکھلانے تو کیا گزرے

اس سنگِ آستاں سی جو اپنی جبیں ملی
میرے گھر ہے قصد آنیکا تو آو ناز سے

وہ درد ہے کہ اس کا مزہ کچھ نہ پوچھیے
درازی کا اگر دو تو نکی دیکھو ایک مطلب ہے

بتوں کی روش کوئی کیا جانتا ہے
دنیا سے کتنے اُٹھ گئے ہے انجمن وہی

کچھ شرم نہیں خلق جو اُن کو نگران ہے

دل ٹکڑے ٹکڑے ہے تو جگر پارہ پارہ ہے
دریا کا ابر ابر دریا خزانہ ہے

اس سنگدل کا دل نہ ہلا میری آہ سے
کہ عیسٰی بھی بالیں سے روتے گئے

آواز شب کی سرمۂ شب سے بلند ہے
افتاد یہ نئی ہے کہ وہ اُٹھ کھڑے ہوئے

کہ لیلی پردۂ محمل اُٹھا کر ناز سے نکلی
ایوبؑ صبر کرتے تو ہم سلام کرتے

جس طرح تیر کوئی سوئے ہدف جاتا ہے
تھوڑی تھوڑی جو یہ محفل میں ہوئی جاتی ہے

ڈر ہے کہیں نہ غیر کا نالہ اثر کرے
تعجب کی جگہ یہ ہے کہ وہ شمعوں میں سایہ ہے

سب جانا آج تک اُسنے نہ پہچانا مجھے
دوکانِ شیشہ گر میں مست آ جائے تو کیا گزرے

سمجھے کہ بادشاہی روئے زمین ملی
پر ذرا چھپ کر سپہرِ تفرقہ پرداز ہے

کہتا ہے دل کسی سے دوا کچھ نہ پوچھیے
شب ہے روز فرقت ہے قیامت روز بی شب ہے

بڑے بے وفا ہیں خدا جانتا ہے
آئے کبھی گل گئے بھی گر ہے چمن وہی

سمجھے ہوئے ہیں تاب نظر اُن کو کہاں ہے

مجھ کو کیا کام ہے دنیا میں جو عید آئی ہے
جو آنسو یوں زمین پر دیدۂ نمناک ڈالیں گے
ہزار نالہ مرا آسمان تک پہنچے
قدم زمین پہ رکھو جو تم تو ہو یہ خوشی
جو ضعف دل کا یہی حال ہے تو عرش کجا
اُن ابروؤں کو دیکھ کے حالت سقیم ہے
فرقت میں زندگی یہ عنایت خدا کی ہے
جینا بھی دل جلوں کو تمہارے ممات ہے
عاشقوں میں کہیے ایسا کون ہے
اسلیے در پر صدا دیتا ہوں میں
ہونگے روزِ حشر اعضا تک عدو
چھوٹی ہے قیامت شب فرقت ہی بڑی ہے
ہے مدنظر خون یہ کس کا کہ حنا نے
اُس بزم میں اے شوق نہ باہر ہو ادب سے
سرمے کی سلائی نے کیا آکے جو مجرا
آزردہ نہ ہو لیکے جو بوسہ نہ کیا شکر
میرے مرنے کی خبر جھوٹی اُڑاتے ہیں وہ روز
آپ ملتے نہیں ہیں گھر میں کبھی
نشہ مے نے کر دیا اندھا
ممنونِ نازکی ہوں کہ وہ پاس سے مرے
وصال یار سے ہے بے تکلفی ہے یہاں

کیا ملوں اس سے کہ معشوق یہ ہرجائی ہے
کہاں سے سر پہ پھر اہل مصیبت خاک ڈالینگے
نہیں اُمید کبھی اُسکے کان تک پہنچے
اُچھل اُچھل کے زمیں آسمان تک پہنچے
نہیں امید کہ نالہ زبان تلک پہنچے
تلواریں دُہری مجھ پہ پڑیں دل دو نیم ہے
آگے جو کچھ کہوں تو شکایت خدا کی ہے
اغیار کو موت قطرۂ آب حیات ہے
ہم بُرے ٹھہرے تو اچھا کون ہے
بول اُٹھے شاید وہ اتنا کون ہے
جو ہیں بیگانے ہیں اپنا کون ہے
اس چار پہر رات کی وہ ایک گھڑی ہے
جھپٹے ہیں ترے ہاتھ ترے پاؤں پڑی ہے
اللہ بچائے نگہِ چشم غضب سے
اُس آنکھ کی شوخی نے صدا دی کہ ادب سے
لب بند مرے ہو گئے شیرینی لب سے
کیا مسیحائی ہے غیروں کے جلانے کے لیے
کہتے ہیں خانماں خراب مجھے
خاک سو جھے رہِ صواب مجھے
اُٹھ اُٹھ کے بیٹھ جاتے ہیں دامن کے بوجھ سے
کہو ادب سے کہ رکھے معاف آج مجھے

ہے خدا ہی اگر پڑھا جائے
کسی قائل سے پوچھیے تعبیر
دیکھ کر چشمِ مست بھی ڈوبا
برسوں جیب دوڑے شوقِ دید میں ہم
ہیں تو کیا دل میں مصور کے چبھی جاتی ہے
پسند آئی نہ دستِ جنوں کی بیکاری
ہوئے کسی کے نہ ممنوں صورتِ اخگر
ہے عید کہ زنداں سے میں آیا ہوں سوئے دشت
نیرنگیٔ عالم ہی کا شاکی ہے تو اے دل
جو سیرِ شبِ ہجر دکھاتا ہے تصور
گریباں چاک دیکھے گا تو کیا کیا بدگماں ہوگا
جب سے پیدا ہوئے صیاد کے بس میں آئے
مضمون کمر کہ اُس کے دہن کا نکالیے
مجھ کو یہ شوق ہے کہ کہیں جلد ہو وصال
وحشتِ جنوں کی ہم کو اذیت پسند ہے
بوسہ عطا ہو مجھ کو جو ہے قصدِ قتل کا
ہم بتوں سے اُمیدوار کرم
ہوا نہ وصل نصیب اب بھی التجاؤں سے
خالی نہ جام مے سے ہے میخانے میں نہ خم
دیتا نہیں جواب بھی مجھ کو وہ ننگ سے
یہ دماغ ان کو کہاں تھا جو تکلم کرتے

خط لکھا اضطراب میں ہم نے
گُشتے دیکھے ہیں خواب میں ہم نے
غوطے کھائے شراب میں ہم نے
چھپ کے تب ایک نگاہ کی ٹھہری
کیا کہوں نوک پلک کیا تری تصویر میں ہے
جنوں میں اس لیے پہنا ہے پیرہن ہم نے
بدن سے مر کے بھی پیدا کیا کفن ہم نے
کانٹوں سے گلے کیوں مرے چھالے نہیں ملتے
نادان ابھی نیرنگِ محبت نہیں دیکھے
ایسے تو تماشے شبِ وصلت نہیں دیکھے
خداوندا کہیں آئے رفوگر یار سے پہلے
پر نکلنے بھی نہ پائے کہ قفس میں آئے
مُلکِ عدم کا کوئی تو رستہ نکالیے
انکو یہ فکر ہے کوئی جھگڑا نکالیے
پھر کیا سمجھ کے پاؤں سے کانٹا نکالیے
مرتے ہوئے کے دل سے تمنّا نکالیے
کارخانے ہیں اُسکی قدرت کے
زمیں ہے سجدوں سے تنگ آسماں دعاؤں سے
خرد و بزرگ جو ہے یہاں آفتاب ہے
مجھ کو گماں کہ بات مری لاجواب ہے
کاش سنکر مرے شکووں کو تبسم کرتے

ٹھکر کون ترے کوچے میں یار اُٹھتا ہے
لتا ہوں میں زبان پر کبھی ہو کر بیتاب
ے کوچے میں جو بیٹھا ہے جسم کر
ں ہے چین تری زلفِ عنبریں کے لیے
ا ہے داغِ سجود اور داغِ عشق میں فرق
ب تو روئے مرہم دنہان دیکھیں گے کبھی
یکھ کر میری تڑپ بولے فرشتے قبر میں
ہے بجا رنگ جو یہ تیرے سیہ خال کا ہے
ور محشر کا سُنا ذکر تو اُسنے یہ کہا
جب دلچسپ نقشِ عالمِ ایجاد رکھتا ہے
ہ یہ ساعد نہ یہ بازو نہ یہ آنکھیں نہ یہ ابرو
ل بے آرزو بھی دے تو ہے لطف
ایمان لائے کعبے میں اُس بت کو دیکھ کر
دے کہیں حکم نہ وہ گھر سے نکلوانے کا
اسواسطے ناصح کی میں سنتا ہوں کہ شاید
جان لینے میں دمِ ذبح یہ جلدی اے موت
دیجئے تو دل چلے ہیں اسے شوق و ذوق میں
فارسی کیسی وہ ہندی بھی نہیں پڑھ سکتے
نام عزت سے جو لیتے ہیں وہ اب
ناصحوں نے اُسے دیکھا تو نصیحت کیسی
کروں میں بندہ نوازی کا عشق کی کیا شکر

خاک ہوتے ہیں کوئی دم غبار اُٹھتا ہے
دل نالاں اُسے سینے میں پکار اُٹھتا ہے
وہ میں ہوں اور میرا نقشِ پا ہے
یہ میری جان مناسب نہیں جبین کیلئے
کہ ہے یہ دل کے لیے اور جبیں کے لیے
بلکہ آئینے میں منہ اپنا نہ دیکھیں گے کبھی
یہ تماشا آجتک دیکھا نہ دیکھیں گے کبھی
یہ بھی ایک نقطہ مرے نامۂ اعمال کا ہے
وہ تو آوازہ مرے پاؤں کی خلخال کا ہے
جو آنکھیں دیکھ لیتی ہیں اُسے دل یاد رکھتا ہے
فقط تیرا سا قد ہے اور کیا شمشاد رکھتا ہے
یوں تو سب کچھ دیا خدا نے مجھے
کچھ بتکدہ میں جا کے برہمن نہیں ہوئے
بیخودی جلد مجھے آپ سے باہر کر دے
بات اُسکی زبان سے کوئی مطلب کی نکل جائے
اک ذرا اور توقف کہ مزا ملتا ہے
پر دیکھیے وہ دے کہ نہ لے بے نیاز ہے
سیر دیکھو مری عرضی عربی میں گزری
غیر بھی شاید مرا ہمنام ہے
اُلٹی کرنے لگے اب اُس سے سفارش میری
ہزار زخم دیے ہیں ہزار داغ مجھے

ٹالنے کو مجھے جب پاؤں سے لپٹا تو کہا
سختی نہ وہ بھی دیکھ سکی میری نزع کی
کیا جانے کہاں لیگئی اُس بُت کی تمنا
دیت کے واسطے محشر میں کب ہوں دامنگیر
کون جاتا ہے کہیں بے مطلب
چھیڑا جو بہت میں نے کہا خیر ہے صاحب
بتخانے کے دروازے پہ مدت سے پڑے ہیں
سنتا ہوں دعائے سحری کرتی ہے تاثیر
چراغ صبح نے کیا صاف ان کا پردہ فاش
راتکو آتی ہیں پریاں خواب میں مجھ کو نظر
وصل میں وہ کیا کرینگے چاک اے دستِ جنوں
گنا ہوں سے مجھے اب ناتوانی باز رکھتی ہے
قطرہ زن پھرتی ہے ہر سو جو ہوا پر بدلی
کیا کسی وحشیِ چشم کا دیوانہ آیا باغ میں
اک دن مرے گھر ماہِ محرم ہی تو آؤ
کس کو میں اپنی تنگدلی پر کروں گواہ
بیساختہ دل دُکھا تو بولے
مجھے جب دور سے دیکھا وہ بولے
قدر مرنے کی ہم سمجھتے ہیں
اک جا رہے ہمیشہ مگر مثلِ رنگ و بو
افسانۂ سنگ و شیشہ ہے اور

جا کسی روز ترے سر کی قسم آئیں گے
گھبرا کے روح خانۂ تن سے نکل گئی
اب آپ میں آنا مجھے دشوار ہُوا ہے
مجھے نمود ہے منظور اپنے قاتل کی
جان لینے کو اجل آتی ہے
پردے کے باہر کہیں آواز نکل جائے
شاید کبھی کچھ کام خدا ساز نکل جائے
اُمید کہاں پر شبِ فرقت ہیں سحر کی
سیاہ خانۂ گیسو میں دل چھپا نہ سکے
تیر وہ مجھ پہ لگائیں گے یہی تعبیر ہے
پرزے دامن کے اڑا امیر اگر یاں چھوڑ دے
مے وخم دیکھ کر چاہوں تو نیت پھر نہیں سکتی
ڈھونڈتی ہے کہ کہاں خاک ہے بیمار مری
دیکھتی ہے ہر طرف نرگس جو آنکھیں کھول کے
اب مہندی لگانے کا بہانہ تو نہیں ہے
محشر میں وہ دہان و کمر دونوں چھپا ہے
کیا جانئے آہ تھی یہ کس کی
کوئی ناوک فگن ہے یا نہیں ہے
صدمے جھیلتے ہیں زندگانی کے
ہم سے نہ وہ ملے نہ کبھی اُن سے ہم ملے
یاں صحبتِ ناخن و جگر ہے

پرزے خط کے ہیں دستِ قاصد ہیں
عاشق و معشوق دونوں تیرے دیوانے ہیں یار
شبِ فرقت تو ابد تک نہیں ہونے کی تمام
ہیں ہر اک سے جو خطا اپنی بیاں کرتا ہوں
دشمنوں کا شکوہ کرتے ہیں حضورِ دوستاں
تمام عمر اُسے دیکھتا رہا ہوں مگر
آئینے کی آنکھ سے لڑتی ہے جب عاشق کی آنکھ
وعدۂ وصل نے کب بھیجو د
پوچھو نہ اُس زمانے میں الفت کا حال کچھ
خوشا تقدیر بلبل پیش گل کہتی ہے حال اپنا
مجھے دشمن سمجھتے ہو تو پھر مجھ سے ہو کیوں غافل
برہمن یا صنم کہتا ہے زاہد یا صمد یا رب
وہ پیاس ہیں آپ دم شمشیر تو ہم کو
مشتاق ستم ہوگا نہ مجھ سا کوئی بسمل
سینے پہ مرے ہاتھ ہے اُس کا پئے تسکین
چمن اشکِ مجنوں سے سینچا ہے شاید
آئینہ ہوں میں شاید جو دیکھتا ہے مجھ کو
خواب میں آئے تھے وہ غیر کے ساتھ
تکلیف ہے پر شکر گدا کو ہے مناسب
بے ادب کچھ ہم نہیں خواہش ہم آغوشی کی کیا

ایک کیا سَو جواب لایا ہے
دامن یوسف گریباں زلیخا چاک ہے
تیرے عشاق کو اندیشۂ فردا کیا ہے
ہے یہ مطلب کہ اُسے کوئی ستمگر نہ کہے
دوست جب دشمن ہو پھر کس سے شکایت کیجئے
ہنوز حسرتِ دیدارِ یار باقی ہے
چاہتی ہے چھین لے لذت ترے دیدار کی
دیکھیے کب وصال ہیں گذرے
اک رسم تھی قدیم سو موقوف ہوگئی
نہ قاصد کی ضرورت ہے نہ حاجت ہے کبوتر کی
کوئی غافل نہیں رہتا جہاں میں اپنے دشمن سے
زباں جسکی ہے جو اُس میں وہ تجھ کو یاد کرتا ہے
اُنہی کبھی مروت تمہیں اللہ نہیں ہے
ہر زخم قاتل کی طرف آنکھ لڑی ہے
تھم اے دل بیتاب کہیں وہ نہ اُچھل جائے
کر سنبل ہیں گیسوے لیلے کی بو ہے
ہندو ہو یا مسلمان اپنا سا جانتا ہے
کھل گئی میری آنکھ خیر ہوئی
شاہوں کی طرح کچھ غم عالم تو نہیں ہے
دو نگاہیں جب ملیں گی ہم بغل ہو جائینگے

قطعاتِ تاریخ

منشی محمد ممتاز احمد صاحب آرزو خلف حضرت مصنف

ورق تصویر کا ہے ہر ورق ہر صفحہ آئینہ	مضامیں جمع ہیں یا مہ جبینوں کا یہ مجمع ہے
کھچے جاتے ہیں کیوں دل آرزو کیوں ہوش اُڑتے ہیں	پریرویوں کی محفل یا حسینوں کا مرقع ہے

حکیم محمد عبد الکریم خان صاحب مرہم فتحپوری

این نغز کلامِ کیست دانی	کاندر ہمہ دہر ہمچو جان است
برہم دل و دیدہ کن نثارش	دیوانِ اسیرِ نکتہ دان است ۱۳۱۳ھ

مولوی محی الدین حسین خان صاحب تسنیم پروفیسر محبوب کالج سکندرآباد

زہے جوش طبع روانِ اسیر	مضامین کا دریا ہے اک بہ رہا
کہی ہیں نے تسنیم تاریخ طبع	صنمخانۂ عشق ہے بے بہا ۱۳۱۳ھ

حافظ جلیل حسن صاحب جلیل

سارے مصرع قد دلبر کا جواب	سارے مطلع رُخ انور کا جواب
خوب دیکھا جو صنمخانۂ عشق	پایا بتخانہ آزر کا جواب ۱۳۱۳ھ

حضرت علی عبد القادر شمس القادری المدعو بہ مرشد علی الحنفی القادری البغدادی المتخلص بالجمال و العاصی

کرد عشق آباد دیوان را تمام
گفت تاریخش جمال عشقباز

حسن طبع عشق ہیناں امیر
اے ہمہ عشقست دیوان امیر ١٣١٣ھ

ولہ

چھپا جو آپ کا دیوان تو شاعروں نے کہا
جمال یہ در شہوار سال کردو نثار

کہ آپ سعدی شیوا بیان عہد ہوئے
امیر خسرو اہل زمان عہد ہوئے

محمد حسام الدین صاحب حسام خلف مولوی حافظ محمد نور اللہ

کیسے کیسے ہیں شعر معنی خیز
مصرع سال بھی ہے باغ و بہار

سمجھیں وہ اُن کو ہوں جو ذو معنی
ہیں یہ الفاظ پھول بو معنی ١٣١٣ھ

حافظ محمد علی صاحب حفیظ جون پوری

کھچا ہے عطر گلہائے مضامین
حفیظ اچھا کھلا تاریخ کا پھول

معطر بزم ارباب سخن ہے
نہیں دیوان تر و تازہ چمن ہے

مقرب الخاقان استاد السلطان بلبل ہند جہان استاد ناظم یار جنگ
دبیر الدولہ فصیح الملک نواب مرزا خان بہادر داغ دہلوی

واہ کیا دیوان کہا ہے لاجواب
شوخی الفاظ ہے یا برق شوخ
لفظ مصرع بیت سب جادو بھرے
ہر نکیلا شعر دل میں چبھ گیا

ابتدا سے انتہا تک لاجواب
بارش مضمون ہے یا ابر مطیر
دلفریب دلستان و دلپذیر
اس سے بڑھ کر کوئی کیا ماریگا تیر

یہ سخن ہے لائق بزم سخن
یہ کلام ایسا کلام اپنا کلام
محو ہو جاتے جو اس کو دیکھتے
فیض لیں اس سے فغانی و فغان
سنتے گر کیونکر نہ ہو ایسا کلام
بھاگنے کی راہ ڈھونڈیں عیب جو
آج ہے یہ طوطیٔ معجز بیان
ایسا استادِ زمانہ پھر کہاں
ہے یہی آئے داغ اس کا سال طبع

یہ سخن ہے قابلِ شاہ و وزیر
ہے نشانِ مصحفی شانِ اسیر
ناسخ و آتش تو کیا مرزا و میر
داد دیں اس کی ظہیر او ظہیر
جو کہا گویا ہے پتھر پر لکیر
اپنا اپنا کان پکڑیں حرف گیر
بلبلِ ہندوستان کا ہمصفیر
زندہ رکھ تو اس کو یا ربِ قدیر
کہدے تو زیبا خیالاتِ امیر ۱۳۱۳ھ

ولہ

اس گنج سخن سے تا قیامت
یہ داغ نے سال طبع لکھا

محروم نہ ہو سکے طالب فیض
دیوانِ امیر صاحب فیض ۱۳۱۳ھ

محمد ضمیر حسن خان صاحب دل شاہجہانپوری

میرے استاد کا پہلا دیوان
اس کی تاریخ یہ لکھدے اے دل

تھا بلاغت کے چمن کا گل تر
اب فصاحت کا چھپا ہے دفتر ۱۳۱۳ھ

منشی امتیاز احمد خان صاحب راز

قالب طبع میں آیا جو صنمخانۂ عشق
راز تاریخ کہی ہیں نے جو نکلا دیوان

جتنے مشتاق تھے پھرنے لگے دیوانے سے
نکل آئی ہے پری سجکے پری خانے سے

سید زاہد حسین صاحب زاہد سہارنپوری

اشعار ہیں یا گوہر شہوار کی لڑیاں	یہ لطف لطافت کسی دیوان میں کہاں ہے
ترتیب کی تاریخ کہی ہیں نے یہ زاہد	دہوئی ہوئی کیا چشمۂ کوثر سے زبان ہے ۱۳۱۲

سید ولایت احمد صاحب شمیم خیرآبادی سب انسپکٹر سعد آباد ضلع متھرا

عشاق کی جان یہ صنمخانہ ہے	معشوقوں کی آن یہ صنمخانہ ہے
کہتا ہے شمیم دیکھ کر حسن کلام	اللہ کی شان یہ صنمخانہ ہے ۱۳۱۲

مولوی محمد مظفر حسین صاحب صبا خلف اکبر مولوی یوسف علی مرحوم

اک پھول ہے گلشن میں صنمخانۂ عشق	اک لعل ہے معدن میں صنمخانۂ عشق
کیا حسن دکھاتا ہے صبا آنکھوں کو	اعجاز کے دامن میں صنمخانۂ عشق ۱۳۱۲

مولوی محمد عبد الواسع صاحب صفا خلف مولوی یوسف علی مرحوم

صفا نزاکت مضمون دکھا رہی ہے بہار	سخن کے باغ میں ہے تازہ گل صنمخانہ
برنگِ لالہ ہے ہر شعر رنگ میں ڈوبا	ڈھلا ہے حسن کے سانچے میں کل صنمخانہ ۱۳۱۲

سید مومن حسین صاحب صفی امروہوی

مداح امیر لکھنوی کے	ہیں سارے سخن شناس انسان
دیوان دوم چھپا جو ان کا	ہر ایک کے تن میں پڑ گئی جان
لفظوں سے عیاں رخ معانی	آئینہ ہے اس صفا سے حیران

ہر نقطے میں بے شمار نکتے — ہر نکتے پہ نکتہ فہم قربان
خوش ہو کے کہی صفی نے تاریخ — چھاپا بخدا یہ خوب دیوان ۱۳۱۴ھ

منشی محمد مسعود احمد صاحب ضمیر خلف کوچک حضرت مصنف

گوہر و جوہر صنمخانے کے ساتھ — دیکھ کر بولا یہ چرخ چنبری
نور کی تاریخ ہے یہ اے ضمیر — ایک جا ہیں ماہ زہری مشتری ۱۳۱۴ھ

...نی سید قمر الدین احمد صاحب قمر تحصیلدار ملازم دار الاقبال بھوپال

...صورت حسن معنی دونوں میں یکتا ہے یہ — ہے نئی بندش نئے مضمون نیا ہر شعر ہے
...بین نے کہی تاریخ ترتیب اے قمر — دیکھنا کیا رنگ میں ڈوبا ہوا ہر شعر ہے ۱۳۱۴ھ

محمد قادر علی خاں صوفی مہتمم مطبع مفید عام آگرہ

نواب رامپور کے استاد کا جواب — دیکھا نہ آج تک تو چرخ کہن سنا
...غل ہے یہ ان کے دو سکریوا نکے طبع کا — چھوڑا گلوں نے زمزمہ بلبل کا اُن سنا
قادر ہوا جو گوش بر آواز بہر سال — دل سے امیر سحر بیاں کا سخن سنا ۱۳۱۴ھ

...ں امر ناتھ صاحب نصیب ہیڈ کلرک پوسٹماسٹر جنرل لاہور

...ہے بہزاد زہے حسن صنمخانۂ عشق — نام ہی نام ہے مانی کا نہیں کچھ بھی نہیں
...فانہ ہے یا رب کہ پری خانہ ہے — سامنے جس کے صنمخانۂ چین کچھ بھی نہیں ۱۳۱۴ھ

— : ❁ : —

منشی محمد فصیح اللہ خاں صاحب نیر بنارسی

نیر دیوان اک چمن ہے	اشعار یہ پھولوں کی ہیں چھڑیاں
کیسی ہے چمک دمک کی تاریخ	مصرع ہیں یہ موتیوں کی لڑیاں ۱۳۱۳ھ

منشی محمد وجاہت حسین صاحب وجاہت مہتمم تصویر سخن

ہو سکے کیا وصف دیوان امیر	ہے سراپا دلپسند و دلپذیر
لکھ وجاہت مصرع تاریخ طبع	بے بہا ہے یہ کلام بے نظیر ۱۳۱۳

محمد حبیب حسن وحشی دیوبندی مقیم حال رورڑکی

ہوا شاہد مدعا جلوہ گر	چھپا ہے کلام جناب امیر
پے غنچۂ خاطر شائقین	صبا ہے کلام جناب امیر
دل خلق میں صورت بوئے گل	بسا ہے کلام جناب امیر
عروس سخن کے لیے لاکلام	ادا ہے کلام جناب امیر
کرے ناز لے جسقدر دولہن کی	بجا ہے کلام جناب امیر
نہ کیوں ختم ہو جائے شوق سخن	سنا ہے کلام جناب امیر
نہ وحشی کو کیوں فکر تاریخ ہو	کھلا ہے کلام جناب امیر
یہ آنے لگی چارسو سے صدا	نیا ہے کلام جناب امیر
	۴۷۴x۴ ۱۸۹۶ء